

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188966

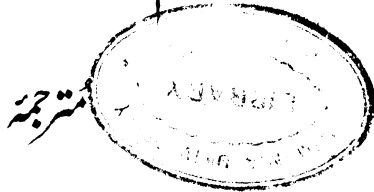
UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۳۶

سفرنامہ

F. G.

(حکیم) ناصر خسرو



مولوی محمد عبدالرزاق، کانپوری

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۳۱ء دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی قیمت (۲۶)

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفر نامہ

(حکیم) ناصر خسرو

مترجمہ

مولوی محمد عبدالرزاق، کانپوری

شائع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۲۱ء کتابخانہ

ماریٹن گنجیدہ آباد

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
مقدمہ			
۲۹	سیاحت پر مختصر تبصرہ	۱	تمہید
۲۹	سیاحت ماژندران و بلغاریہ		سیرت حکیم ناصر خسرو
۳۰	سیاحت ہندستان	۵	نام و نسب
۳۲	ہم محصوروں سے ملاقات	۷	کنیت
۳۵	سفر نامہ مغرب کی مختصر تاریخ	۸	القاب
۳۸	خصوصیات سفر نامہ	۸	وطن
۴۰	سفر نامے پر اعتراض	۱۰	قبایان کی تحقیقات
۴۱	کیا ناصر خسرو دو تھے	۱۲	ولادت
۴۱	ناصر کی شاعری کی ابتدا و انتہا	۱۳	عہد طفولیت و تعلیم و تربیت
۴۱	ناصر کی شاعری کا موضوع	۱۸	عاشقانہ زندگی
۴۲	تخلص	۱۹	کیسیا کا شوق
۴۵	کلام پر رائے	۱۹	شاہی ملازمت
	ناصر خسرو و محبت خراسان		ناصر خسرو و سیاح
۴۰	تاریخ اسلام میں سیاسی انقلاب	۲۳	سیاحان عرب و عجم
۴۹	جو امیہ کا عروج و زوال		طریق المدارج

ب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۷	قیامِ میکان کے تاریخی اسناد	۵۰	حکومت عباسیہ کا انحطاط اور فاطمین
۷۸	میکان میں ناعمر کے مصائب و آلام		کا خروج
۸۱	یاد وطن	۵۲	ابو تمیم مہدی ملقب مستنصر باللہ
۸۵	مدح مستنصر باللہ فاطمی	۵۲	ناصر قاہرہ میں
۸۶	خلفائے عباسیہ کی تحریکِ بربادی	۵۲	ایوان الکبیر میں عید کی دعوت
۸۷	گوشہٴ خزلت اور علم و عمل		قاہرہ میں ناصر خسرو کی تعلیم، اس کے
۹۰	تصنیفاتِ ناصر خسرو		عقائد اور مذہب
۹۱	سنہ تصنیف	۵۲	سفرِ مصر اور مذہبِ تنعیم
۹۲	سببِ تصنیف	۶۲	سیاستِ مصر سے قبل ناصر کا مذہب
۹۲	درِ عقلِ کل و نفسِ کل	۶۳	تنزیل و تاویل
۹۵	مثنوی سعادت نامہ	۶۴	حشر و نشر
۹۶	زاد المسافرین	۶۵	انکار
۹۹	سقراط	۶۵	ارکانِ حج پر تعریض
۹۹	افلاطون	۶۷	عبرت و نصیحت
۹۹	ارسطو الیس		صوبہٴ خراسان میں ناصر خسرو کی تبلیغی خدمات
۱۰۰	بحرثِ نفسِ کل		اور ناکامی کے اسباب
۱۰۱	وجہِ دین	۷۰	دعوتِ خراسان
۱۰۳	ناصر خسرو کی انشا کا نمونہ	۷۳	خانقاہِ میکان میں قیام
۱۰۵	دیوانِ عربی	۷۵	ناصرِ میکان میں

ج

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۸	رسالۃ الن امر فی زاد القیامہ	۱۰۵	دیوان فارسی
۱۰۹	کنز الحقائق	۱۰۶	المستوفی
۱۰۹	آفاق نامہ	۱۰۶	اکسیر اعظم
۱۰۹	رسالۃ سرگزشت ناصر خسرو	۱۰۶	قانون اعظم
۱۰۹	ناصر خسرو کی وفات	۱۰۶	دستور اعظم
۱۰۹	سنہ ولادت اور سنہ وفات	۱۰۶	تفسیر القرآن
۱۰۹	ایک خاص اصول	۱۰۸	بتان المعقول
۱۱۰	تجہیز و تکفین کا افسانہ	۱۰۸	نحو انوار
۱۱۵	خاتمہ	۱۰۸	دلیل المتحیرین
		۱۰۸	رسالہ در علوم یونان

متن

۵	معدنیات و مادہ	۱	دولت سلجوقیہ کا آغاز اور ناصر خسرو کی ملازمت
۵	قزوین	۱	
۶	ایک بقال کی احمقانہ گفتگو	۲	ناصر خسرو کا ایک خواب
۶	طارم	۳	ناصر خسرو کی سیاحت کا آغاز
۶	دریاے آبکوں کی مشہور ندیاں	۳	نیشاپور
		۴	توس
۷	اور جزیرے	۴	
۷	شمیران	۴	علی نسائی اور ناصر کی گفتگو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶	سرین	۷	امیر ابراہیم
۱۶	معرة النعمان	۸	تبریز
۱۷	نامورا دیب و شاعر ابوالعلا معری	۸	ملک الملوک ابو منصور
۱۸	حماہ	۹	قطران شاعر سے ملاقات
۱۸	عرفہ	۹	وان
۱۹	طرابلس	۹	اخلاط
۲۰	طابریزن	۱۰	بطلس
۲۱	جُبیل	۱۰	عمر
۲۱	بیروت	۱۰	ارزن
۲۲	صیدا	۱۱	میا فارقیں
۲۲	صور	۱۲	امیر ابو نصر احمد کردی
۲۳	عکہ	۱۲	آبد
۲۳	بنرگاہ	۱۳	آمد کی مسجد
۲۴	چشمہ عین البقر	۱۴	آمار کا کلیسا
۲۵	دامن کوہ عکہ کے مشہور و مقدس مقامات	۱۵	حزان
۲۶	طبریہ	۱۵	قرودی
۲۶	طبریہ کی مسجد	۱۵	ناصر ملک شام میں
۲۸	مزار ابو ہریرہؓ	۱۶	سروج و ننج
			حذب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸	قبۃ جبریلؑ	۲۸	حیفا
۲۸	قبۃ الرسول	۲۹	الکلیسیہ
۲۹	چبوترے کی سیڑھیاں	۲۹	قیساریہ
۲۹	مقام النبی	۳۰	کفرسابا اور کفر سلام
۵۰	مقام غوری	۳۰	رملہ یا فلسطین
۵۰	مقام شرقی	۳۱	بیت المقدس
۵۱	مقام شامی	۳۱	سیاحت کا دوسرا سال
۵۱	بیت المقدس سے مدینۃ الخلیل	۳۳	ساہرہ
۵۱		کوروانگی	۳۳
۵۲	صفت مشہد خلیل	۳۴	عین سلوان
۵۳	مشہد حضرت ابراہیمؑ	۳۴	بیت المقدس کا شفا خانہ
۵۴	نوان خلیل	۳۵	صخرہ مبارک اور مسجد اقصیٰ
۵۵	ناصر خسرو کا پہلا حج	۳۸	مہد عیسیٰ
۵۶	سیاحت کا تیسرا سال	۳۹	مسجد اقصیٰ
۵۶	بیۃ القمامہ	۴۰	مسجد اقصیٰ کا مقصورہ
۵۷	ناصر خسرو بیت المقدس سے مصر براہ راست	۴۴	چبوترہ صخرہ نابیان
۵۸	طلینہ	۴۵	قبۃ صخرہ
۵۸	جزیرۃ تینس	۴۵	عمارت صخرہ
۶۱	صالحیہ	۴۸	قبۃ سلسلہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۰	باب الجوامع	۶۱	ناصر خسرو کا قاہرہ میں داخلہ
۸۱	سوق القنادیل	۶۱	مصر کا جغرافیہ
۸۲	مصر کے بازار میں میوے، سبزی اور	۶۲	نیل کا منبع
	پھولوں کے افراط	۶۲	نیل کی طغیانی
۸۳	ظروف گلی	۶۴	اسکندریہ کا مینار
۸۳	مصری سوت	۶۵	سلجماسہ
۸۳	وسائل آب رسانی	۶۵	اندلس
۸۳	جزیرہ مصر	۶۶	جزیرہ صقلیہ
۸۴	حیزہ	۶۶	شہر قلزم و بحر قلزم
۸۴	مصری تاجروں کی ایمان داری	۶۷	چار
۸۴	مصر کی پیداوار	۶۷	فسطاط یا قاہرہ
۸۵	کراچی کے خچر	۷۱	قاہرہ کی ابتدائی آبادی
۸۵	مصر کا تمول	۷۳	قاہرہ کے تفسیلی حالات
۸۶	مصر کی کارواں سرائیں	۷۸	اقتناح خلیج کے تفسیلی حالات
۸۶	دعوت ایوان الکبیر	۷۸	شجر بیساں
۸۶	قصر خلافت اور دعوت عید	۷۹	قاہرہ کے محلے
۸۸	دیوان خاص	۷۹	قدیم شہر مصر کا بیان
۸۸	خوان نعمت	۸۰	جامع طولوں
۸۸	آب دارخانہ	۸۰	مصر کے مکانات
			مصر کی گلیاں اور کوچے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۹	سیاحت کا چھٹا سال	۸۹	سیرت مستنصر باللہ
۹۹	تمثیل	۹۰	محکمہ اوقاف
۱۰۰	حوض	۹۰	اعلان حج اور قافلوں کی روانگی
۱۰۰	عذیاب	۹۱	ناصر کی قاہرہ سے مکہ معظمہ کو روانگی
۱۰۱	قوم بجاہاں	۹۳	ناصر مدینے میں
۱۰۱	علاقہ مصر و نوبیا کا مشترکہ جنگل	۹۳	ناصر کا دوسرا حج
۱۰۱	بحر قلزم	۹۴	ناصر کا تیسرا حج
۱۰۲	ماہی قرش کا بیان	۹۴	اعراب کی وحشیانہ خدمت
۱۰۳	ناصر کا ایک فیاض دوست	۹۰	ناصر کی سیاحت کا پانچواں سال
۱۰۴	بندر گاہ جدہ	۹۵	والی حلب کی بغاوت
۱۰۵	صفت شہر مکہ	۹۶	مصر میں باغ لگانے کا قاعدہ
۱۰۵	ناصر کا چوتھا حج	۹۷	ناصر خسرو کی قاہرہ سے روانگی
۱۰۶	کوہ صفا		براہ سعید الماعلیٰ
۱۰۶	کوہ مردہ	۹۸	اسیوط
۱۰۶	احرام عمرہ و حج	۹۸	قوص
۱۰۹	ملک عرب و ارض یمن	۹۸	خمیم
۱۰۹	حجاز و یمن کا جغرافیہ	۹۸	اسوان
۱۱۱	قصر غندان	۹۹	اسوان سے ولایت نوبیا کا راستہ
۱۱۱	عقیق صنعا	۹۹	جزیرہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۵	طائف	۱۱۱	مسجد الحرام
۱۲۶	ناحیہ ثریا اور قلعہ مطار	۱۱۲	تفصیل ابواب مسجد الحرام
۱۲۶	حصن بنی نسیہ اور قلعہ جزیر	۱۱۴	عمارت خانہ کعبہ
۱۲۷	ناصر کی سیاحت کا ساتواں سال	۱۱۵	حجر اسود
۱۲۸	سہرا کے آثار قدیمہ	۱۱۵	خانہ کعبہ کے دروازے کا بیان
۱۲۸	فلج	۱۱۶	خانہ کعبہ کے اندرونی حصے کا بیان
۱۳۱	یامہ	۱۱۶	حجر
۱۳۱	لہما	۱۱۹	مقام ابراہیم
۱۳۲	فرماں رواں لہما کے حالات	۱۱۹	چاہ زمزم اور اس کی عمارت
۱۳۵	جزیرہ بحرین	۱۲۰	سقیۃ الحج
۱۳۵	خلیج عمان	۱۲۰	غزانتہ الزیت
۱۳۶	ناصر خسرو یامہ سے بصرہ	۱۲۱	امیر مکہ کا محل
۱۳۷	بصرہ	۱۲۱	متولیان خانہ کعبہ
۱۳۷	نہر معقل و نہر اُبہ	۱۲۲	افتتاح دروازہ کا بیان
۱۳۸	بصرہ کا بازار	۱۲۳	بمبئی اور ہندی کی نسلی مشابہت
۱۳۸	ناصر حمام بصرہ میں	۱۲۳	حجرانہ
۱۳۹	ناصر کی ملاقات ابو الفتح علی بن احمد سے	۱۲۴	میران عرفات
۱۴۰	مشاہد حضرت علی	۱۲۴	ناصر خسرو کا چوتھا حج
۱۴۱	ناصر دوبارہ حمام میں	۱۲۵	منیٰ اور مسجد حنیف
۱۴۱	دریائے بصرہ کے مدوجزد	۱۲۵	مکہ معظمہ سے ناصر خسرو کی روانگی اور سفر میں

ط

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۸	اصفہان	۱۴۲	شہر اُتہ
۱۴۹	نائین	۱۴۳	بصرہ کے مشہور ناچیے
۱۴۹	فرمانروائے طبس کے حالات	۱۴۳	نام بصرہ سے براہ فارس وطن جانا ہی
۱۵۰	طبس	۱۴۴	عمادان
۱۵۲	تون	۱۴۴	خشاب یا فانس البحر
۱۵۲	کاریز کتابد	۱۴۵	خشاب
۱۵۲	قائن	۱۴۵	ہردبان
۱۵۴	سرخس	۱۴۶	اراغان
۱۵۴	مردود	۱۴۷	سیاحت کا آٹھواں سال
۱۵۴	بلخ	۱۴۷	لوروقان
حواشی			
۱۶۴	شبورغان	۱۵۷	قبادیان
۱۶۴	باریاب	۱۵۷	مرو
۱۶۵	سنگلان	۱۵۹	تنج دیہہ
۱۶۵	طالقان	۱۶۰	مروالروود
۱۶۵	نیشاپور	۱۶۰	ابوسلیمان چغری بک
۱۶۶	سرخس	۱۶۲	قران
۱۶۶	اجہات المدارس	۱۶۳	جوزجاناں یا جوزجان
۱۶۷	خواجہ مرفق	۱۶۳	قدیم سند فارسی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۴	من کی مقدار	۱۴۷	کوان
۱۴۴	بیل	۱۴۷	قوس
۱۴۵	قبان	۱۴۷	بسظام
۱۴۵	طارم و طارمین و بزرانیئر	۱۴۸	دامغان
۱۴۵	شاد رزد و سپید رزد	۱۴۸	آب خوری و چاشت خواران
۱۴۵	آبسکون	۱۴۸	سمنان
۱۴۶	مرزبان الدیلم	۱۴۹	ابو علی نسای
۱۴۷	جیلان یا گیلان	۱۴۹	بو علی سینا
۱۴۷	در بند	۱۵۰	بلخ
۱۴۸	سراب	۱۵۰	رزد
۱۴۸	سعید آباد	۱۵۰	ساده
۱۴۸	تبریز	۱۵۰	ہمان
۱۴۸	قطران	۱۵۰	آمل
۱۴۹	منجیک	۱۵۱	فرنگ
۱۴۹	دقیقی	۱۵۲	داماند
۱۴۹	مرند	۱۵۲	قزوین
۱۴۹	خوی	۱۵۳	سلطانیہ
۱۴۹	برگری	۱۵۴	زنجان
۱۴۹	آذر بائجان	۱۵۴	قوہہ

ک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۲	بنج	۱۸۰	دان و دوسطان
۱۸۲	ناصر ملک شام میں	۱۸۰	آرمینیا
۱۸۵	حلب	۱۸۰	اخلاط
۱۸۵	رطل ظاہری	۱۸۰	پول
۱۸۵	حمص	۱۸۱	رطل
۱۸۵	دمشق	۱۸۱	بطلس
۱۸۶	انطاکیہ	۱۸۱	قِفْ اَنْظُرْ
۱۸۶	جنہ قنسور	۱۸۱	اوسین قرنی
۱۸۶	سرین	۱۸۲	قطران
۱۸۶	معرۃ النعمان	۱۸۲	میا فارتین
۱۸۶	ابوالعلماء معری	۱۸۳	ارزن
۱۸۶	کومات، کویات یا کفرطاب	۱۸۳	رزارمانوش
۱۸۶	حماہ یا حماة	۱۸۳	امیر نصر الدولہ
۱۸۸	آب عاصی	۱۸۳	نصرہ
۱۸۸	فوارۃ الدیر	۱۸۳	آمد
۱۸۸	عرقہ	۱۸۴	حران
۱۸۹	نیشکر	۱۸۴	تجدوی
۱۸۹	شجر النارنج	۱۸۴	سروج
۱۹۰	طرابلس الغرب	۱۸۴	نہر فرات

ل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۵	دامون	۱۹۰	روم
۱۹۶	ذوالکفل	۱۹۰	کاغذ سمرقندی
۱۹۶	اعلیٰ	۱۹۱	انڈس
۱۹۶	ہودا	۱۹۱	سسلی یا صقلیہ
۱۹۶	عزیز	۱۹۲	قلمون
۱۹۷	شعیب	۱۹۲	ظاہر زون
۱۹۷	اربل	۱۹۲	جبیل
۱۹۷	یوکید	۱۹۳	بیروت
۱۹۸	بحیرہ طبریہ	۱۹۳	صیدا
۱۹۸	یوشع بن نون	۱۹۳	صور
۱۹۸	دریائے لوط	۱۹۳	دادنی بطاف
۱۹۹	دینار مغربی	۱۹۴	عکہ
۲۰۰	ابو ہریرہ	۱۹۴	صالح
۲۰۰	کفرکنا	۱۹۴	مینا
۲۰۰	حضرت یونس	۱۹۵	عین البقر
۲۰۰	حیفا	۱۹۵	بروت
۲۰۱	جودی	۱۹۵	لوریلی
۲۰۱	الکنیہ	۱۹۵	تل بردہ
۲۰۱	قیساریہ	۱۹۵	شمعون

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۲۰۶	صالحیه	۲۰۲	بحرالروم
۲۰۶	نهر جیحون	۲۰۲	کفرسابا
۲۰۶	نهر سیحون	۲۰۲	کفر سلام
۲۰۶	ترند	۲۰۳	رمله
۲۰۶	نویه یا نوبیا	۲۰۳	لترون
۲۰۶	صعیدالاعلی	۲۰۳	بیت المقدس
۲۰۶	اسوان یا سوآن	۲۰۳	ساهره
۲۰۶	جبل القمر	۲۰۳	عین سلوان
۲۰۸	اسکندریه	۲۰۳	مسجد اتصی
۲۰۸	مینار اسکندریه	۲۰۴	قبه صغره
۲۰۸	الحاکم بامر الله	۲۰۴	گزن ملک
۲۰۹	قیروان و سلجماسه	۲۰۴	درخت حور
۲۰۹	المهدیه	۲۰۴	بیت اللحم
۲۱۰	صقلاب	۲۰۵	مشهد خلیل
۲۱۰	اندلس	۲۰۵	بیعة القمامه
۲۱۰	قدیم جزیره صقلیه	۲۰۶	عسکلاں غزه
۲۱۰	بحر قلزم	۲۰۶	طینه
۲۱۰	شهر قلزم	۲۰۶	جزیره تنیس
۲۱۰	شهر چار	۲۰۶	قسطنطنیه

ن

صفحة	مضمون	صفحة	مضمون
٢١٢	كوه صفا	٢١١	قاهرة
٢١٥	كوه مروه	٢١١	تأسيس خلافت
٢١٥	عرب ولین	٢١١	قصر الكبير
٢١٥	صعده	٢١١	جامع ازهر
٢١٥	زبيد	٢١١	جشن وفار النيل
٢١٥	صنعا قصر عمران	٢١٢	جامع عمرو بن العاص
٢١٥	سجد	٢١٢	جزيرة مسر يا ارضه
٢١٦	نجران	٢١٣	جنيره
٢١٦	مسجد الحرام	٢١٣	المستنصر بالله
٢١٦	خليفة العزيز بالله	٢١٣	مدنيه طيبه
٢١٦	حجرانه	٢١٣	اسيوط
٢١٦	عرفات	٢١٣	قوص
٢١٦	مزدلفه	٢١٣	انجميم
٢١٦	منى	٢١٣	عيزاب
٢١٨	مسجد خيف	٢١٢	بجربا بجايه
٢١٨	طائف	٢١٢	ماهي قرش
٢١٨	فلج	٢١٢	جده
٢١٨	ليامه	٢١٢	كلمه مظمه
٢١٨	لحسا	٢١٢	كوه البوقيس

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۲۲۲	راغان	۲۱۹	ابوسعید جنبی
۲۲۲	لوردوغان لبحان	۲۱۹	عمان
۲۲۲	اصغیان	۲۲۰	فارس با بحر فارس
۲۲۲	طائین	۲۲۰	بصره
۲۲۲	طیس	۲۲۰	شط العرب
۲۲۲	خبیص	۲۲۰	نهر معقل
۲۲۲	تون	۲۲۰	نهر ابته
۲۲۳	کاریز کنابد	۲۲۰	اهواز
۲۲۳	قاین	۲۲۱	شهر ابته
۲۲۳	زوزن	۲۲۱	جزیره عبادان
۲۲۳	دست گرد	۲۲۱	نساب
		۲۲۱	مهربان توه
		۲۲۱	گازرون

دن تھا کہ شیعیت اور سنیت کی بنیاد پڑی جس کی ہنگامہ آرائیاں آج تک جاری ہیں۔

۲۔ بنو امیہ کے عروج و زوال | امیر معاویہ عہد رسالت کے تربیت یافتہ اور

عزیم نظیر مدبر تھے۔ لہذا انھوں نے چند ہی

سال (۶۶۱ء تا ۶۶۲ء) آغاز حکومت میں ایک زبردست سلطنت مشرق میں قائم

کر کے دمشق کو دار الخلافت بنا یا اور رحلت کے وقت اپنے نا اہل بیٹے یزید

کو حکمران کر گئے جو منظور شدہ ولیعہد تھا اور اسلامی خلافت میں ولی عہدی

کی بدعت کو سب سے پہلے جاری کیا۔ اور انتخاب خلیفہ کا قانون منسوخ

ہو گیا۔ اور یزید ہی کے زمانے سے خلافت راشدہ دنیاوی سلطنت میں تبدیل

ہو گئی اور خلیفہ یا امیر المؤمنین کا خطاب بھی بادشاہ یا سلطان کا مترادف بن

گیا۔ اور خلافت کی حقیقی شان فنا ہو گئی۔ ہشام بن عبد الملک کے عہد (۶۶۱ء تا ۶۶۲ء)

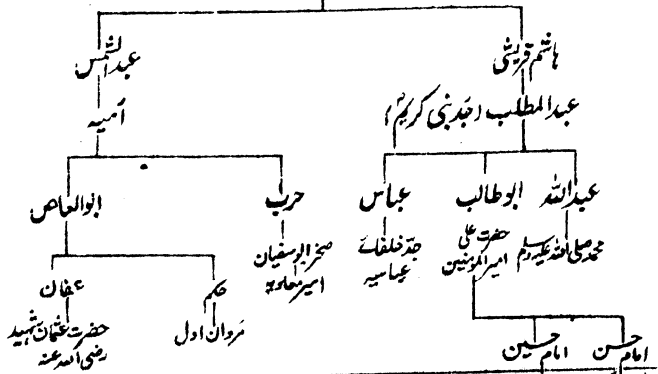
تک اموی سلطنت بڑے عروج پر پہنچ گئی تھی لیکن آل عباس اس اور شیعیان علی

رسادات، ابھی حکومت امویہ کی بربادی کی تدابیر میں مصروف رہے۔ جس کا

بہت جلد ظہور ہوا۔

(شائع شدہ ۱۹۸۸ء صفحہ ۴۸) ہاشم اور امیہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

عبد مناف عدنانی



۱۹۸۸ء کے مضمون میں جو واقعات حال میں رونما ہوئے وہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔

گاہے بہ نشیبے شدہ ام گوشہ ماہی گاہے بسر کوہے برتر زد دپیکر
گاہے بزینے کہ در و آب چومر مر گاہے بر جہانے کہ در و کلخ چواگلر
گہ دریا گہ بالا از رفتن بے راہ گہ کوہ و گہے ریگ و گہے جوے دگہ جبر
گہ جبل بگردن بر مانند شتر باں گہ بار بہ پشت اندر مانندہ اشتر
پرسیدہ ہی رفتم ازین شہر بدلاں شہر جویندہ ہی گشتم ازین بحر بدلاں بر

گز میں انھیں خیالات میں محو تھا کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے ایک دن آیت
(بیعت رضوان) پر نظر جا پڑی چنانچہ بیعت کی نیت سے اُسی وقت سفر کو نکل
کھڑا ہوا۔ یہ عجیب منظر اری سفر تھا اُس وقت مجھے نہ تو اپنا مکان یاد آیا
(جو مر دیں تھا) نہ باغ و پارک کا خیال تھا، صرف یہی اک دُہن تھی کہ جو
خیال دماغ میں بسا ہوا ہے، اس کی تحقیقات کروں اس خیال سے دور
سفر میں پارسی، عربی، ہندی، سندھی، رومی، عجمی، فلسفی مانوی
صابی اور دہری سے جو کوئی بھی ملا اس سے اظہار خیال کیا اور مکر رسوالات
کے کیے گئے۔ (لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا) اس سفر میں مجھے بڑی تکلیف اٹھانا پڑی
اکثر پتھروں کے بستر پر سویا، پتھر ہی کا تکیہ سرہانے رکھا اور خیمے اور چادر
کا کام بدلی راہ سے لیتا رہا۔ انتہائی نشیبی زمین پر بھی چلنا پڑا، کبھی
ایسی پہاڑ کی چوٹیوں سے گزرا جس کی بلندی برج جوزا کی رفعت سے بھی
کہیں زیادہ تھی اور ایسی منزلیں بھی طر کرنا پڑیں کہ جہاں سمندر کا پانی
تخت ہو کر سنگ مرمر بن گیا تھا اور بعض ایسے گرم مقام آتے جہاں مکان کو فائدہ
بن جاتا تھا۔ دریا بھی عبور کیے، ایسی بلندیوں پر چلنا پڑا کہ جہاں راستہ مفقود تھا۔
علاوہ بریں راستے میں پہاڑ، ریگستان اور دریاؤں کا مد و جزر بھی دیکھا۔ کبھی شتر باؤں

کی طرح رتی مری گردن میں بھتی اور کبھی پیٹھ پر اونٹ کا سا بوجھ لدا ہوا تھا لیکن باوجود ان مصایب کے دریا اور خشکی کا سفر بدستور جاری رہا اور علی مسایل کی تلاش اور تحقیقات بھی ہوتی رہی۔ اس کے بعد ناصر کہتا ہے کہ دوران سفر میں بعض اہل علم سے مذہبی گفتگو بھی ہوئی مثلاً :-

گفتند کہ موضوع شریعت نہ عقل است	زیرا کہ بہ شمشیر شد اسلام مقرر
گفتم کہ نماز از جہ بر اطفال و مجازین	واجب نہ شود تا نشود عقل غنیر
تقلید نہ پزرفتم و حجت نہ نفتم	زیرا کہ نشد حق بقلید مشہر
ایزد چو بخواہد کہ کشاید در رحمت	دشوار ہے آساں شود و صعب میسر

”کسی نے یہ بھی کہا کہ شریعت کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں اور دلیل یہ پیش کی گئی کہ اسلام بزور تلوار پھیلا یا گیا ہے۔“

میں نے جواباً کہا کہ اگر شرع کا تعلق عقل سے نہ ہوتا تو بچے اور دیوانے کبھی نماز سے معاف نہ کیے جاتے۔

بہر حال میں نے محض تقلید کی بنیاد پر اس اعتراض کو تسلیم نہیں کیا بلکہ میں دلائل اور مباحثے پر قائم رہا کیونکہ سچا مذہب تقلید سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ خدا کی رحمت سے جملہ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔“

الغرض ناصر! خدا خدا کر کے منزل مقصود (قاہرہ) تک پہنچ گیا اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُس کو ناصر نے اشارے اور کناہے میں

ملہ سفر نامے سے کل مقامات کی تصدیق ہوتی ہے۔

ملہ عمود غزنی اور سلجوقیوں پر تمغیض ہے، جھنوں نے بزور تلوار فتوحات کی ہیں۔

بیان کیا ہے۔ لیکن ہر شعر میں ایک خاص واقعے کی تصویر کھینچی ہے اور تقریباً مذہب اسمعیلہ کے اہم مضامین آگے ہیں اب اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

روز بے برسیدم بدر شہرے کا نرا
شہر یکہ ہمہ باغ پرانہ میوہ پراز گل
شہر یکہ من آنجا چورسیدم خردم گفت
رفتم بر در بانس و گفتم سخن خویش
گفتم کہ نفس ضعیف است و زنداست
دار و نخوم ہرگز بے جعت و برہان
گفتا مبر اندوہ من اینجائے طیبیم
از اول و آخرش بپرسیدم و آنگاہ
از جنس بپرسیدم و از صنعت صوت
از حال رسولان و رسولات مخلف
آنگاہ بپرسیدم از ارکان شریعت
وز روزہ کہ فرمودش ماہ ہنم از سال
وز خمس پڑی عشر چنوی کہ دہندان
وز علت میراث و تفاوت کردوست
وز تمت از نایق بپرسیدم گفتم
گفتا بد ہم داروئے باجعت و برہا
راضی شدم و مہر بگرد، آنگہ دارو
از خاک مرا بر فلک آورد چویا تو
دستم کبف دست نبی داد بہ جیت

اجرام فلک بندہ بد آفاق مستخر
دیوار مزین ہمسہ و خاک مشحس
ایجا بطلب حاجت وزین منزل مگذر
گفتا مبر اندوہ کہ بشد کانت گوہر
منگر بدرستی تن و این گو نہ صفر
وز درویندیشتم و نینوشتم منکر
بر من بکن آں علت مشروح و مختصر
از علت تدبیر کہ ہست اصل مدبر
وز قادر پر رسیدم و تقدیر و مقدر
وز علت تحریم دم و ضم مخسر
کاین تیغ نماز از چہ سبب گشت مسطر
از حال زکات درم و زر و مددور
ایں از چہ محس شدوان از چہ معشر
چوں بود برادر یکے و نیچے خواہر
چون است غمی زاہد بے رنج ستمگر
لیکن بہ ہم ہرے حکم بلبت بر
ہر روز بتدریج، ہی داد مزور
چوں خاک بدم ہستم امروز معنبر
زیر شجر عالی پر سایہ دشمر

از رشک ہی نام نگویش درین شعر
گویم کہ چنین است کشش افلاطون چاکر
مانندہ وہم گوئے جد و پدر خویش
در صدر چو پیغمبر و در حرب چو حیدر
دیش تو استادہ درین جامہ نشین
این کا بد لاغر باگوئے صفر
حقاکہ بجز دست تو بر لب نہ نام
جز بر حبر اسود و بر خاک پیمبر
ہر جا کہ بوم تا بزیم من کہ و بیگاہ
بر شکر تو را نم قلم و مجر و دفتر

(دیوان صفحہ ۱۳۲-۱۳۸)

ناصر کہتا ہے کہ جب میری دشوار گزار منزلیں ختم ہو گئیں تو میں ایک ایسے شہر میں داخل ہوا۔ جس کے خادم نہ صرف اجرام فلکی تھے بلکہ ساری دنیا تابع فرمان تھی۔ یہ ایسا شہر تھا۔ جس کے باغ میوے اور پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ شہر کی دیواریں خوبصورت اور زمین شجر روہ کپڑا جس پر درختوں کے نقش و نگار ہوں، تھی۔

جب میں اس شہر میں پہنچ گیا تو عقل نے کہا کہ اب یہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اسی جگہ مقصد برآری ہوگی۔ اس کے بعد میں شہر کے دربان (امام دقت مستنصر باللہ مراد ہے) کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا اس نے مجھے اطمینان دلایا اور فرمایا کہ ”اب بیچ نہ کرو تم کو گوہر مقصود مل گیا“ میں نے عرض کیا کہ میرا نفس کمزور اور ذلیل ہے لہذا میری صحت جسمانی اور رنگ کی زردی پر کچھ خیال نہ کیا جائے اور باوجود علالت میں بغیر بخت و حجت کے ہرگز کوئی دوا استعمال نہ کرونگا مجھے اپنے درد کی کوئی فکر نہیں ہے اور میں شرع کے خلاف بھی کوئی بات نہ سنونگا۔ یہ سنکر ارشاد ہوا کہ ”ناصر! اب غم نہ کریں طیب ہوں مجھ سے اپنی بیماری کا حال تفصیل

سے بیان کرنا چاہیے میں نے اول سے آخر تک سوال کیے اور ہر مرض کا علاج بھی دریافت کیا۔ میں نے علت و معلول، جنس، صنعت و صورت، قادر و تقدیر، اور ارکان شریعت کی تفصیل اور الفاظ مذکور کے معنی پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ نماز پنجگانہ کیوں فرض کی گئی ہے۔ اس کے بعد روزے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا سوال کیا اور مسئلہ زکوٰۃ میں یہ بھی پوچھا کہ آمدنی سے عشر (دسواں حصہ) اور خمس (پانچواں حصہ) کی جو رقم برآمد کی جاتی ہے۔ اس کی تخصیص کیوں ہے؟

علم الفرائض (تقسیم مال مردہ) میں یہ الجھن تھی کہ تقسیم ترکہ میں بھائی کے مقابلے میں بہن کا حصہ نصف کیوں مقرر کیا گیا اور انسان کو خدا کی طرف سے جو رزق ملتا ہے، اس میں یہ پریشانی تھی کہ زاہد ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ اور ظالم آرام سے رہتا ہے۔ خدا نے تقسیم رزق میں مساوات کا قانون کس لئے نہیں جاری کیا؟ میری یہ تقریر سن کر طبیب نے جواب دیا کہ ”میں تیرا باضابطہ (دلیل کے ساتھ) علاج کرونگا، مگر شرط یہ ہے کہ تیرے لب پر مضبوط ہر لگائی جائے گی (حلف رازداری مراد ہے) میں نے رضا مندی ظاہر کی تو لبوں پر ہر لگائی گئی، علاج شروع ہوا، اور مجھ بیمار کو آہستہ آہستہ وہ غذا میں دی گئیں جو مرغوب خاطر تھیں اس علاج نے میری مشمت خاک کو یاقوت کی طرح بجلی کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی اور گویا یہ بیعت رسول تھی، جو درختوں کے سایہ میں کی گئی (بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے) امام کا نام بھی میں رشک کی وجہ سے لینا نہیں چاہتا ہوں۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ حکیم افلاطون اس کا ایک ادنیٰ چاکر ہے۔“

لہذا جملہ مسائل وہ ہیں جن کے غمخنی مطالب صرف امام بتا سکتا تھا۔ اور جس کا نام باطنیہ کی اصطلاح میں تاویل شریعت ہے۔

اور وہ امام صورت اور حسن و جمال میں اپنے دادا، اور باپ سے مشابہ ہے۔ مجلس میں جب وہ صدارت کرتا ہی تو اس میں شان پیغمبر اور میدان کارزار میں جیدر کرار کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اب میں موٹے کپڑے پہنے ہوئے انخیف جسم اور زرد رنگ میں، تیرے سامنے کھڑا ہوں اور خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ بجز اسود اور مزار بنوی کے بعد تیرے ہاتھ کا بوسہ لیا ہے۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا اور جہاں کہیں بھی رہوں گا تیری شکر گزاری میں میرا قلم چلتا رہے گا۔

خدا کا شکر ہے کہ ناصر کی سیرت کا سب سے ہتم بالشان اور مخفی کارنامہ مل گیا اور وہ قاہرہ کی مذہبی تعلیم و تربیت ہے جس کو اُس نے خود اپنے ہی قلم سے لکھا ہے۔ چنانچہ دو سال کی مذہبی تعلیم کے بعد وہ قاہرہ سے رخصت ہوا اور امیر المؤمنین مستنصر باللہ نے اس کو داعی الکبیر اور محبت کا منصب عطا کر کے خراسان کو رخصت کیا کہ وہ اس صوبے میں مذہب سہیلی (فاطمیہ یا باطنیہ) کی تبلیغ کرتا رہے۔

اس قصیدے میں ناصر نے امام کا نام مخفی رکھا ہے، البتہ دوسرے قصاید میں نام کا اعلان کیا ہے اور اس موقع پر نام کا ظاہر نہ کرنا شاید اُس حلف کا نتیجہ ہو گا جو ناصر سے بیعت کے وقت لی گئی تھی اور جس میں اُس نے اسہیلی مشن کے تمام رازوں کو پوشیدہ رکھنے کا عہد کیا تھا۔

قاہرہ میں غالباً اس کو خواجہ موید نے بھی مذہبی تعلیم دی جس کا ایک قصیدے میں اتفاقاً نام آگیا ہے۔

کہ کرد از خاطر خواجہ موید در حکمت کشا وہ بر تویزدال

بہر سیدم ز خواجہ شرح این حال سر قصہ مرا بنمود پایاں!
 مرا گفت این خداوند زمان است کہ بگزیدش خدا از انبیا و از جانا

دیوان صفحہ ۲۳-۲۲ -

۱۱۔ سیاحت مصر سے قبل ناصر کا مذہب کیا تھا | ناصر کا سیاحت
 مصر سے قبل کیا

مذہب تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

مجمع الفصحا کی روایت ہے کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھا اور اس کے نزدیک

یہی مذہب حق تھا۔ لیکن سفر نامے کی عبارتیں اس کے خلاف ہیں۔ حالات شام

(طبریہ) میں لکھتا ہے۔

گو راہی ہریرہ آنجاست ، بیرون شہر در جانب قبلہ ،
 اما کے آنجا زیارت نتواند رفتن کہ مردمان این جا شیعہ باشند
 و چوں کے آنجا زیارت رود کہ وہاں غوغا و غلبہ بر آئین بر بند
 و زحمت ہند و سنگ اندازند ازین سبب من نتوانستم زیارت
 آن کروں ؛

حالات طرابلس میں تحریر ہے۔

مردم این شہر ہمہ شیعہ باشند و شیعہ بہر بلاد مساجد نیکو ساختہ
 اند و آنجا خانہ ہا ساختہ ، بر مثال ۔ باطہا اما کے در آنجا مقام نمے
 کند و آنرا مشہد خوانند۔

حالات بصرہ میں لکھتا ہے۔ در بصرہ بنام امیر المومنین علی سنیرہ مشہد است

یکے از آن مشہد بنی مازن ۔ و عائشہ رضی اللہ عنہا بحرب آمدہ بود۔

۲۔ ان عبارتوں کو پڑھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ناصر شیعہ تھا، البتہ قاضی نور الدین شوستر نے اپنی مشہور کتاب مجالس المؤمنین میں ناصر کے بیٹے خواجہ معین الدین کی نسبت بصراحت لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور ملک شاہ سلجوقی کے دفتر النشار میں ملازم تھا لیکن اُس نے کبھی تقیہ نہیں کیا بلکہ آزادی سے مذہبی ارکان ادا کرتا رہا۔

قاضی صاحب نے تعجب ہے کہ ناصر کے مذہب پر خامہ فرسائی نہیں کی ورنہ مجالس المؤمنین میں اہل سنت و جماعت کے مشہور ائمہ بھی خلعت تشییع سے محروم نہیں رہے ہیں ان کے نزدیک امام غزالی بھی شیعہ تھے۔

بعض صحاب کہہ سکتے ہیں کہ سلاطین سلجوقیہ حنفی مذہب رکھتے تھے لہذا ناصر نے تقیہ کر لیا ہوگا؛ لیکن ناصر جیسے استباز حکیم فلسفی سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اس جرم کا مرتکب ہو، کیونکہ تقیہ نفس کا ایک فریب ہے اور اخلاقی جرات کے بھی خلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نے حنفی پٹھانہ خالص شعی بلکہ وہ پھیلتے باطنی تھا اور وہ اس مذہب کو برحق سمجھتا تھا اور قبول مذہب میں ہر انسان آزاد ہے، سائیکلو پیڈیا کی روایت ہے کہ ناصر کے ابتدائی تین سال حنفیت میں گزرے تھے۔ لہذا ناصر پر تبدیلی مذہب کی فرد جرم لگانا خلاف قانون ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ناصر کے اجزائے مذہب کی تشریح کی جاتی ہے جس سے دیوان مالا مال ہو۔

۳۔ **تنزیل و تاویل** | فرقہ باطنیہ کا سب سے بڑا اور اہم اصول یہی ہے۔ الفاظ قابل عمل نہیں ہیں۔ جسکو دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ ہر ظاہر کے لیے ایک باطن ہے، اب اسناد ذیل ملاحظہ ہوں۔
دریائے سخن ہا سخن خوب خدایت پرگو ہر دو یا قوت و پر از لولوسے لالا

کلام اللہ کی آیات میں ہر شان دریا کی } ترجمہ
 بھریں ہیں جس میں یا قوت در چھپے ہیں لولے لالا
 شور است چو دریا پیش ظاہر تاویل تاویل چو لولہ ست سوئے مردم دانا
 نہیں شور اب سے کم ظاہر منزل تلخی میں
 سمجھتا گوہر شہوار ہی تاویل کو دانا
 اندرین دریا ست ہمہ گوہر و لو کو غواص طلب کن چہ دوی بر لب دریا
 بھرا گر چاہتا ہی موتیوں سے جیبے داماں کو
 لگا اک غوطہ دریا میں، کنارے پڑھرا ہو کیا
 اندرین شور اب ز بہر چہ نہا دست چندیں گہر و لولو، ارزندہ وزیبا
 بنایا موج آب شور کو جس وقت خالق نے
 جو اہر ریز گوہر خیز و گوہر سبز و گوہر زرا
 از بہر یہ سیر کہ بدیں صنع در آگفت تاویل بہ دانا دہ و تنزیل یہ غوغا
 کہا اپنے رسول پاک سے اس کا یہ مطلب ہر
 کہ نادان کے لئے ہر لفظ دانا کے لیے معنی

۴۔ **حشر و نشہ** | ناصر، باطنی ہونے سے قبل حشر اجساد کا معتقد تھا لیکن بعد
 میں منکر ہو گیا تھا۔ علمائے خراسان اس عقیدے کے اعلان
 پر اس کے مخالف ہو گئے تھے دیوان میں جس قدر اشعار ہیں وہ نقل کئے جاتے
 ہیں نونگوفہ زندہ، سر از باغ برزدہ برما زوز حشر و قیامت گوا شدہ است
 بنگر نبات مردہ کہ چوں زندہ شد بہ تخم آنگش بنود تخم چگونہ فنا شدہ است
 اقرار کن برو ز قضا چوں بچشم سرت نوزومر کیاں را روز قضا شدہ است
 گویمت چگونہ نشود، زندہ کو ہلاک شود آب باز آب شود، خاک باز خاک شود

جانش زی فراز شود، تنش زی مناک شود
تن سو پلید شود، پاک باز پاک شود
(صفحہ ۱۰۲)

بیچ میندیش اگر ز کالبد تو خاک نجاکے شود ہوا بہ ہواے
(صفحہ ۲۹۹)

۱۰۔ انکار حشر جہانی | پر دنیسر شیفر نے فرنج ترجمے میں ناصر کے اشعار
نقل کیے ہیں جس سے انکار حشر جہانی ثابت ہو

۵۔ ارکان حج پر تعریض | فرقہ اسمعیلہ میں حج سے کیا مراد ہے؟ یہ بحث
ارکان خمسہ اسلام میں آئے گی فی الحال
اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

حاجیاں آمدند با تنظیم	شاکر از رحمت خدائے حمیم
آمدہ سوئے مکہ از عرفات	زودہ نیک عمرہ از تعظیم
یا فتح و عمرہ کردہ تمام	ہا ز گشتہ بسوئے خانہ سلیم
من شدم ساعتے باستقبال	پائے کردم بردن ز حد گلیم
مر مراد در میان قافلہ بود	دوستے مخلص و عزیز و کریم
گفتم اور ابگوئے چون رستی	زین سفر کردن برنج و نیم
تاز نو ما ز ماندہ ام جاوید	فکر تو راندامت است ندیم
شاد گشتم بدانکہ حج کردی	چوں تو کس نیست اندر ایں قلم
باز گوتا چگونہ داشتہ	حرمت آں بزرگو ار حریم
چوں ہی خواستی گرفت احرام	چہ نیت کردی اندر ایں تحریم
جملہ بر خود حرام کردہ بدی	ہر چہ مادون کردگار عظیم
گفت نے گفتش زدنی لبیک	از سر علم دز سر تعظیم

باز دادی چنانکہ داد کلیم
 ایستادی ویانفی تقدیم
 بتواز معرفت رسید نسیم
 در حرم ہجو اہل کہف و رقیم
 وز غم حرقت و عذاب جیم
 ہی انداختی بدیو رسیم
 ہمہ عادات و فعلہائے ذمیم
 گو سفند از پئے اسیر و یتیم
 قتل قربان نفس دون یتیم
 مطلع بر مقام ابراہیم
 خویشی خویش را بحق تسلیم
 کہ دویدی بہر ولہ جو ظلم
 یاد کردی بگرد عرش عظیم
 از صفا سوائے مروہ بر تقیم
 شد دلالت فارغ از حیم و نسیم
 ماندہ از ہجر کعبہ دل بد و نسیم
 ہم چنانی کنوں کہ گشتہ نسیم
 من ندانستہ ام صحیح و سقیم
 نشدی در مقام خوہ تقسیم
 محنت با دیہ خریدہ بہ نسیم

مے شنیدی نہ سخن و جواب
 گفت نے گفتش چو در عرفات
 عارف حق شدی و منکر خویش
 گفت نے گفتش چو مسرتی
 امین از شر نفس خود بودی
 گفت نے گفتش چو سنگ حمار
 از خود انداختی برون یکسو
 گفت نے گفتش چو مے کشتی
 قرب خود دیدی اول و کردی
 گفت نے گفتش چو گشتی تو
 کردی از صدق و اعتقاد یقین
 گفت نے گفتش بوقت طوفان
 از طواف ہمہ ملاسکیاں!
 گفت نے گفتش چو کردی سی
 دیدی اندر صفائی خود کوئین
 گفت نے گفتش چو گشتی با
 کردی آنجا بگو رمر خود را
 گفت ازین باب ہر چہ گفتی تو
 گفتے دوست پس نکردی حج
 رفتہ و مکہ دیدہ آمد باز

گر تو خدا ہی کہ حج کنی پس از این

اس جنیں کن کہ کر دمت تسلیم
۴۔ عبرت و نصیحت و صنایع قدرت -

بچشم نہاں میں نہاں جہاں را کہ چشم عیاں میں نہ بسند نہاں را

چکو نہ کند با قرار آسمانت چو خود نیست از بن قرار آسمان را

لینے دے آسمان تجھے چین کس طرح

ترجمہ خود بھی نہیں ہو جبکہ قرار آسمان کو

سراں جہاں نردبان میں جہاں است بسر بر شدت باید این نردبان را

دنیا کو تو وسیلہ عقبی قیاس کر

سیڑھی کی احتیاج ہو بیشک پچان کو

دریں بام گردوں دین بام ساکن بہ ہیں صنعت و حکمت غیب وال را

ان دونوں گنبدوں کے قرار و قرار میں

دیکھ آفریدگار کی صنعت کی شان کو

نیکہ کن کہ چون کر دی بیج حاجت، بحبان سبک بخت جسم گران را

کس طرح استخراج ثقیل و خفیف سے

ڈھالا ہے اس۔ نہ ہم سے تالاب میں جان کو

کہ آویخت است اندر میں سبز گنبد مرا یا سیرہ گوئے در شنت کلاں را

لٹکا دیا ہے سقف زبرد کے وسط میں

اک قمیے کی شکل میں اس خاکدان کو

پہ گوی کہ فرساید این چرخ گرداں چو جید دم بشر دم سالیان را

گردش سے چرخ گھس نہیں سکتا کسی طرح

کچھ اس پہ حق نہیں ہی مرور زمان کو
 نہ فسودنی ساختہ ہست این فلک را نہ آب رواں را و بادبزاں را
 فسوگی کی قید سے اس نے رہا کیا
 پانی کی اور ہوا کی طرح آسمان کو
 مکان و زمان ہر دو از بہر صنعت ازیں نیست حد سے زمین و زمان را
 یہ دونوں کر دگار کی صنعت پہ ہیں گواہ
 حد اس لیے نہیں ہی زمان و مکان کو
 اگر گوی این در قرآن نیست گویم ہمانا نیکو سے ندانی فتراں را
 جو یہ کہے نہیں ہا یہ قرآن میں کہیں
 اچھی طرح پڑھا نہیں اس نے قرآن کو
 قرآن را یکے خازنے ہست کا یزد حوالہ بد و کردہ مرہس و جاں را
 ہی خازن کلام الہی وہ ایک شخص
 جس کے سپرد اُس نے کیا اللہ جان کو
 تو برآں گزیدہ خدا و پیمبر گزیدی فلان و فلان و فلان را
 حکم خدا و حکم پیمبر کو چھوڑ کر
 کرتے ہو پیش قول فلان و فلان کو
 (ایڈریبلہ وغیرہ)

۱۰ امیر المؤمنین مستنصر باللہ فاطمی اسمعیلی مراد ہے۔

صوبہ خراسان میں ناصر خسرو کی تبلیغی خدمات اور ناکامی کے اسباب

۶ جمادی الثانی ۴۳۷ھ (۱۹ دسمبر ۱۰۴۵ء) میں ناصر خسرو سیاحت کو مرو سے روانہ ہوا تھا اور ۲۶ جمادی الثانی ۴۳۷ھ (۲۳ اکتوبر ۱۰۴۵ء) کو اپنے وطن بلخ میں داخل ہوا۔ اور کچھ مدت قیام کر کے بلخ سے مذہبی خدمات کے لیے پھر آٹھ کھڑا ہوا۔ اور خراسان کو روانہ ہوا کیونکہ اس صوبے کی خدمت (حجت) اسکو دربار خلافت قاہرہ سے مل چکی تھی لیکن تعجب ہے کہ سفر نامے میں مطلق صراحت نہیں ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اصفہان سے پہلے وہ گیلان اور رستم دار ہوتا ہوا، ماژندران و بلخا کو روانہ ہوا تھا لیکن اس دیار کے فقہانے اس پر زندقہ و الحاد کا الزام لگایا لہذا وہ چھپ کر خراسان چلا گیا چنانچہ اس دورے کا مختصر حال ہم لکھ چکے ہیں جس کے اعلائے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناصر نے عراق عرب کی سیاحت میں بغداد کا بھی ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ اس نے فرات سے بصرہ کو عبور کیا تھا اور نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی بھی زیارت کی تھی جس کے اشارے دیوان میں موجود ہیں ان واقعات کے مخفی رکھنے کا یہ سبب ہے کہ ان مشاہد کی زیارت شیعان علی سے مخصوص ہے اور عتبات عالیات کی جیہ سائی کے بعد وہ حاجی کے معزز خطاب سے ممتاز ہو جاتے ہیں اور یہ طرز عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اور تقریباً یہی طریقہ سنیوں کا ہے کہ باستانے شاذ وہ عراق سے کربلا و مشہد مقدس

کاسفر نہیں کرتے ہیں، لیکن ناصر نے جو کچھ کیا وہ سیاسی اسباب سے مجبور تھا مفصل حال درج روزنامہ کرنے سے وہ مزید آفات میں مبتلا ہو سکتا تھا سیاحت مذکور کی مدت تقریباً دو سال تھی جو ۱۲۵۵ھ میں ختم ہو گئی۔

اروضۃ الصفا، حبیب اسیر اور دبستان مذہب
دعوت خراسان کی روایت ہے کہ ناصر واپسی مصر کے بعد تبلیغ مذہب

فاطمیہ کے لیے خراسان گیا تھا اور کئی سال تک اضلاع خراسان کی خاک چھانتا پھرا، لیکن علمائے عصر کی مخالفت سے کہیں کامیاب نہیں ہوا اور ناکامی کا خاص سبب یہ ہے کہ اس کے پاس حسن صبح کی طرح دعاۃ اور فدائیوں کی فوج نہ تھی اور نہ اس کے پاس مصنوعی جنت تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو سبز باغ دکھا کر جاں نثار غلام بنا لیتا نہ مالی سرمایہ تھا اور وصول زکوٰۃ کا اہتمام نہ تھا، علاوہ بریں یہ ایک واقعہ ہے کہ حکیمانہ وعظ و پند اور فلسفیانہ دلائل سے عوام مستفید نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ طرز تبلیغ صرف اہل علم کے لیے ہے جس کی بہترین مثال ہندوستان میں قادیانی تحریک ہے۔

خراسان میں کس شہر کو ناصر نے مرکز بنایا تھا اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف اموار و دیار میں دورہ کرتا رہا اور شیخ ابو الحسن خرقانی کے مشورے سے وہ خراسان آیا تھا۔

فقہائے احناف خون ناصر کے پیاسے تھے اور اس کا سبب کیا تھا
 اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

الف - فقیہہ بخارا سے خطاب -

کان کور دل ندارد پز رفتن
 پندر سوار دلدل شہباز را
 حجت ز بہر شیعیت حید گفت
 این خوب خوش قضیہ غرار
 آنرا بد و بہل کہ ہی گوید
 من دیدہ ام فقیہ بخارا را
 از صفحہ ۱۷

چنین چوں گفتی اے حجت کہ بر جہال این ہمت

فرد بار دزخشم تو ہی اندوہ و طوفاں ہا
 صفحہ ۲۰

ب۔ حکام خراسان پر چوٹ۔

حاکم در جلوۂ خوباں بروز
 نیم شبان محاسب اندر شراب
 خون حسین آں بچشد در صومع
 وین بخورد ز اشتر صالح کباب
 صفحہ ۲۸

ج۔ فقہائے خراسان کی ہجو۔

این قوم کہ این راہ نمودند شمارا
 نری آتش جاوید دیلان شمارا
 این رشوت خواراں فقہا اند شمارا
 ابلیس فقیہ است گر اینہا فقہا اند
 از بہر قضا خواستن و خوردن رشوت
 فتنہ ہنگان در کتب سح و شہ اند
 صفحہ ۳۰

بر منبر سخن گویند مرہ باش را
 از بہت و خوردن و خوردن ہی ز انسان کند
 صفحہ ۸۱

د۔ نئمہ اربعہ پر ضرب کاری۔

جلد مقررند این خراب کہ خدا وند
 از پس احمد پیمبرے نفرستاد
 دانکہ تو گرد ز بو خیفہ بگردی
 بر فلک بہ برند لعنت و فریاد

دست بگیرد ز بو حنیفہ رسولت
 طرفہ تراست این سخن ز طرفہ بغداد
 (صفحہ ۹۲) (طرفہ بغداد و خلفائے عباسیہ)

(۸) شاعروں پر حملہ
 لے شعر فروشان خراساں بشاید
 این ژرف سخنہا سے مرا اگر شتر اید
 صفحہ ۹۸

(۹) علمائے خراسان سے دو دو باتیں۔

بر دروغ و زنا و موم خوردن
 روز و شب بھجوزاغ نا ہارند
 ورد و بیعت نہند مال یتیم
 نزد ایشان عنینت انکارند
 گردست مست قول محتزلہ
 این فقیہاں پہ جملہ کفارند
 صفحہ ۱۰۰

نہ صرف ماژندران و بلغار بلکہ بلخ، نیشاپور اور ہرات کے علماء و فقہا
 ناصر کی تلخ گوئی اور اُس کے الحاد سے آمادہ جنگ رہے تھے۔

بادۂ پختہ حلال است بنزد تو کہ تو بر مذہب بو یوسف و نسمانی
 کتب حیلت چون آب ز برداری منفی بلخ و نشاپور و ہری رانی
 رویت الف سے یاسی تختانی تک کلیات ناصر کا مطالعہ کیا گیا۔
 ناصر نے مذہبی نقطہ نظر سے گستاخی اور غوغائیاں ائمہ دین
 متین، علماء، فقہا اور حکام دولت سے کی تھیں۔ ایسی حالت میں وہ
 دیار خراسان میں کیونکر کامیاب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اخیر برسوں کی پریشانی
 کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مستقر خراسان سے فرار ہو کر درہ میکان میں چلا آیا

لہ خلفائے عباسیہ خود رکن شریعت تھے۔ ان کا مذہب قرآن و حدیث تھا لیکن عموماً حنفیت
 کے تابع تھے، امام ابو حنیفہ کے شاگرد و رشید ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے۔ ناصر تقلید امام
 ابو حنیفہ پر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

اور اسی جگہ سپردِ خاک کیا گیا۔ اور فرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعتِ نثر کے لیے دربارِ مصر سے بھی کسی اعانت کی خواہش نہیں کی گئی ورنہ کم از کم مال و دولت سے بے نیاز ہو جاتا اور فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا۔

۶۔ خانقاہِ میکان میں ناصر خسرو کا قیام

مصائبِ آلام کا، نجوم، یادِ وطن،

گوشہٴ عزت اور شاعری،

۴۴۷ھ سے ۴۸۱ھ تک ناصر خسرو کے واقعاتِ حیاتِ مجمل میں تاہم صحیح روایات، قرائن اور اس کی تصنیفات سے اس زمانے کی تقسیم اس طرح پر ہو سکتی ہے۔

سیاحتِ صوبہٴ خراسان } ۵۱ - ۴۴۷ھ ۵ سال خدماتِ تبلیغ
مطابق
۵۹ - ۶۱۰ھ

قیامِ میکان } ۸۱ - ۴۵۲ھ
مطابق
۸۸ - ۱۰۶۰ھ

میکان کے حالات میں فسانہ آمیز روایات بکثرت ہیں اور واقعات پر غیر سند سنہ و سال لہذا ناصر کے قصاید و مثنویات وغیرہ سے مستند حالات انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ میکان کا جغرافیہ | میکان کا رسم الخط "یمکان" (بمعنی ہزارکان) ہے کیونکہ

لے نگارستان فارس آباد، ادانار البلاد قزوینی مطبوعہ کاٹجن ۱۳۳۵ھ

اس علاقے میں جو اہرات و معدنیات کی کانیں بافراط ہیں۔

بدخشاں کی پہاڑیاں جو اہرات اور زکینوں کے لیے عہد قدیم سے مشہور ہیں خصوصاً بلخ (عل کی ایک خاص قسم ہے) ضرب المثل ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے

ہو وطن میں خاک میرے گوہر مضمون کی قدر

عل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر

فرہنگ انجمن آرائی ناصر کی تحریر ہے۔

یمکان قصبہ ایست از ولایت بدخشاں، بہ سمت کا شعر کہ

مدفن ناصر خسرو است، چونکہ از جانب شیعہ اہل علمہ براہل

خراسان حجت بود لہذا تخلص خود کردہ تیغ دیوان از یادگار است

شمس العلماء محمد حسین آزاد دہلوی تذکرہ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں

”یمکان ایک نہایت ٹھنڈا قطعہ ہے۔ فقط دو مہینے زمین

برف سے خالی نظر آتی ہے، انہیں تو کوہ و دشت سفید رہتے ہیں“

اور یقین ہے کہ یہ رباعی ناصر نے وہیں کہی ہوگی

دوشینہ شبے کہ برف تا دوشم بود زانو چو عروس نو در آغوشم بود

پوشیدنے بنو دغیر از چشم چیزے کہ بزیر سر نہم گوشم بود

قرذینی نے یمکان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ

میری یادداشت دیک کی خوراک بن چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔

”یمکان ایک مستحکم شہر ہے اور بدخشاں کے قریب پہاڑوں

کے وسط میں آباد ہے جس کا فتح کرنا بھی مشکل ہے، ناصر نے بلخ

سے آکر یمکان میں عجیب و غریب عمارتیں تیار کرائی تھیں جو

متحرک نظر آتی تھیں۔ باغ اسقدر وسیع تھا کہ تمام شب چلکر

اس کے اخیر تک پہنچے تھے۔

اور تمام عجایبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ بغیر دائے اجرت
 حامی خدمت کرتے تھے اور غسل کے تمام لوازمات (لنگی،
 آئینہ، کنگھی و صابون وغیرہ) موجود رہتے تھے۔ چنانچہ یہ آثار
 صدیوں تک باقی رہے۔

انسائیکلو پیڈیا کی روایت ہے کہ ناصر نے یکان میں داعی ہونیکا اعلان کیا تھا

۲۔ ناصر یکان میں | ناصر کی خود نوشت سوانح عمری جو دیوان (مطبوعہ
 بمبئی) کے ساتھ شایع ہوئی جو۔ اس میں یکان کی آمد
 کا ایک دلچسپ واقعہ ہے، جس سے ناصر کی مذہبی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔
 لکھا ہے۔

قہستان سے روانہ ہو کر میں نیشاپور کی ایک مسجد میں مقیم
 ہوا اور میرا ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ نیشاپور میں کوی مجھ سے
 واقف نہ تھا چنانچہ ایک دن میں سیر کو نکلا مساجد اور مدارس
 میں بھی گزر رہا تو میں نے سنا کہ ہر شخص میرے نام پر لعنت
 بھیجتا ہے اور میں کافر و زندقہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہوں
 ایک دن میں بازار کی سیر کر رہا تھا کہ ایک مصری باشندے
 نے مجھے پہچان لیا اور مخاطب کر کے کہا کہ آپ ناصر ہیں اور
 یہ آپ کا بھائی ابو سعید ہے!

میں نے بھی اقرار کیا اور اس شخص کو باتوں میں لگا کر قیام
 گاہ تک لے گیا اور کثیر مقدار میں سونا رطلا، دیکرا خفائے
 نام کی تاکید کی اور اس ترکیب سے نیشاپور میں محفوظ رہا!

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن جو تہ گھوٹوانے بازار گیا ہوا تھا، موچی اپنے کام میں مصروف تھا کہ یکایک شور بلند ہوا، موچی بھی بھاگا ہوا گیا کچھ دیر بعد دیکھا کہ ابوسعید تنہا چلا آتا ہے اور اس کے پیچھے موچی بھی سوتالی (دش) کی نوک میں ایک گوشت کی بوٹی لیے آ رہا ہے۔ حال پوچھا تو موچی نے کہا کہ ناصر خسرو کا ایک شاگرد کسی عالم سے مباحثہ کر رہا تھا۔ اس کی تقریر کو عالم نے روک دیا اور دلائل پیش کرنے کی ہدایت کی شاگرد نے اثبات دعوے میں ناصر کے ملحدانہ اشعار سنائے چنانچہ بنظر ثواب اس عالم نے شاگرد مذکور کو قتل کر دیا اور جسم کی بوٹیاں کر ڈالیں اور سب ایک ایک بوٹی تبرک کی طرح لے گئے اور دیکھو میں بھی یہ ایک بوٹی لایا ہوں۔“

یہ سنتے ہی میں اپنا جوتہ لیکر بھاگا کہ جس شہر میں میرے نام کے سبب سے شاگرد کا یہ حال ہوا تو میرا کیا ٹھکانا ہے؟ چنانچہ ابوسعید کے ہمراہ فرار ہو کر، جنگل اور پہاڑوں میں چھپتا ہوا۔ بدخشاں پہنچا۔ یہاں مجھ کو اس قدر آرام ملا کہ میں بغداد اور مصر کو بھی بھول گیا۔ کچھ مدت کے بعد حکیم نصر اللہ مادری جو سنی المذہب اور صوفی بھی تھا وہ میرا دشمن ہو گیا اور علی بن اسد علوی سے جو بدخشاں کا فرمانروا تھا، میرے قتل پر اصرار کیا۔ میں یہ خبر سنتے ہی بدخشاں سے یرکان چلا گیا۔ یہ سادات کی بستی تھی۔ عامل یرکان نے مجھے مہانوں کی

طرح رکھا لیکن فقہائے خراسان و بدخشاں ہنوز میرے
خلاف تھے یکان کی فضا مجھے بہت پسند آئی۔ لہذا سکونت کے لیے
میں نے غار میں مکان بنایا اور گوشہ گیر ہو کر مصروف
عبادت ہوا اور پچیس سال تک یکان میں قیام رہا۔

اسی سلسلے میں ناصر خسرو کے اشعار ذیل بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

گودیت فلاں کز چینیں سخن ہا	ماندہ است فلاں فلاں بہ یکان
منگر بہ سخن ہائے او ازیراک	ترکانش بر اندند از خراسان
نہ میر خراسان پسندد اورا	نہ شاہ سجستان نہ میر ختلان
طعنہ چہ زنی مر مر ابد اں کم	از خانہ بر اندند اہل عصیاں
زیراکہ بر اندند مصطفیٰ را	ذرت شیطان از اہل و اوطان
بر نوح نبی سرزنش نباید	کو رفتہ بہ کوہ از میان طوقان
در دیں بہ خراسان کہ شست بجزین	رخسارہ دعوی بآب برہاں !

من شیعۃ اولاد مصطفیٰ ام

در دیں نروم جز براہ ایشان

دیوان صفحہ ۲۳۹

۳۔ قیام یکان کے تاریخی اسناد | روضۃ الصفا وغیرہ کی روایت
ہے کہ ناصر بین سال تک یکان

میں رہا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ۴۵۲ھ میں وہ یکان میں داخل ہوا تھا اور
اسی جگہ ۴۸۱ھ میں فوت ہوا لہذا مستقل قیام ۲۸ سال تک قرار پاتا
ہے۔ جو میرے نزدیک صحیح ہے اور اختلاف سنین قابل لحاظ نہیں ہیں کیونکہ
ناصر کا یہ بھی اصول ہے کہ وہ اپنی نقل و حرکت کے سنہ و سال اشعار میں

ذکر کرتا ہے اور دو تین سال کے بعد اپنی عمر بھی ظاہر کرتا ہے چنانچہ ایک قصیدے میں لکھتا ہے۔

پانزدہ سال برآمد کہ بہ میکا نم
چون و از بہر چہ زیر اکہ بز ندا نم
صفحہ ۲۰۲

کائن علم و سخن حکمت میکان است تا من لے مرد خرد مند بہ میکا نم
ایک دوسرے موقع پر عمر کا اظہار اس طرح پر کیا ہے۔

شصت و دو سال است کہ گو بیدی روز و شبان در نلکے ہا و نم
چشم بھی دارم ہموارہ تا کہ بود از کوفتش رستم
توتامے با دیہی امی شب روز در ایں خانہ بر آمد سال ہفتاد

میکان میں پندرہ سال قیام اور ستر سال کی عمر کے بعد اور اشعار میں ملے، اس کے دو سبب ہیں یا تو بڑھاپے کی سبب سے ناصر نے شاعری ترک کر دی تھی یا موجودہ دیوان (مطبوعہ طہران) کلیات کا انتخاب ہے جس کا اخیر حصہ تلف ہو چکا ہے، کیونکہ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناصر نے پانچ دیوان یادگوار چھوڑے تھے اور جب یہ تحقیق ہے کہ ناصر، میکان میں پانچ توڑ کر بیٹھا اور خانقاہ میکان سے اس کا جنازہ اٹھا تو ایسی حالت میں قیام میکان کی تنقید کا فضول ہے۔ اور سنہ رحلت ۱۰۸۱ھ قطعاً صحیح ہے۔

۴۔ میکان میں ناصر خسرو کے مصائب و آلام | میکان پہنچ کر ناصر کو دشمنوں سے امن و امان

ملنا چاہئے تھا لیکن میکان بھی اس کے حق میں قید خانہ بن گیا۔

شمس العلماء عالی، مقدمہ سفر نامہ میں لکھتے ہیں۔

امیر ناصر چون از مصر مراجعت کرده باز بخراسان (بلخ وغیرہ) رسید مردم را بخلاف مستنصر (فاطمی) و روش سہیلیدہ دعوت میکر و اعدا قصد وے کردند۔ خوف و ہراس بر او ستیلا یافت و در جبلے از جبال بدخشاں پناہاں گشتہ، بہت سال بہ آب و گیاه قناعت نمود۔ “ (بحوالہ روضۃ الصفا وغیرہ) اما چنانکہ ذکر کردہ شد از این قدر انکار نتوان کرد کہ ناصر خسرو۔ رہ آور دے کہ از مصر برک اہل وطن آورد محبت علویہ مصر بود علی الخصوص از مناقب مستنصر باللہ سینہ و دل بہر نیر داشت۔۔۔۔۔ بہ دعوت روش سہیلیدہ و نشر مناقب قدام کردہ باشد۔

پس علمائے خراسان و ماوراء النہر کہ با خلفائے بغداد غایت عصبیت داشتند و علویہ مصر را غاصب خلافت و ضال مفضل مے شمردند البتہ این صدائے غریب را گوش کردہ با حکیم در آونجیۃ باشند و اہالی ملک و ولایۃ عہد را بخلاف وے بر اینکختہ۔

راس در رئیس مدعیان حکیم (ناصر) کے مفتی خراسان بود حنفی المذہب و دیگر حاکم بلخ کہ در اکثرے از اشعار وے روئے شکایت با ایشان است “

عنی زادہ جو پرو فیسر براؤن انگلشی کا شاگرد ہے۔ وہ سفر نامے کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ناصر از تمام دنیا قطع علاقہ نموده و خویشتن را بکلی وقف
مجادلات مذہبی کرده و یک داعی آتشین خلفائے مصر شدہ آت
و لے مشارالیه در تصانیف خودش تا آنجا کہ بنظر این بے مقدار
رسیدہ بی بیچ وجہ اسے از اسمعیلیہ بنزدہ بلکہ ہمیشہ خود را فاطمی و
حجت مستصری یا حجت خراسان یا اینکه تنہا حجت مے نامد
و گوید۔

۱۔ فاطیم، فاطیم، فاطمی تا تو بہ میری زغم لے ظاہری
۲۔ مرعظا را بحر اسان منم بر سفہار حجت مستصری

۳۔ لے حجت زمین خراسان تو ہر چند قہر کردہ غوغائی
۴۔ لے حجت علم و حکمت لقمان بگزار بلغظ خوب حسانی

بہ صورت پس از مراجعت ناصر خسرو بوطن خودش عقیدہ
جدید او کہ بایک حرارت فوق العادہ شروع بترویج و انتشار آں
کرد اصلًا برخلاف میل و مصلحت امرائے خراسان بر ضد عقائد
طائفہ علمائے اہل سنت بود و بدیں جہت در انظار خوش نہ نمود
وامرائے خراسان کہ متابع ظاہری خلفائے بغداد بودند و خود را
ہنوز مولیٰ امیرالمومنین نامیدند از پیشرفت نفوذ رواج امر فاطمی

مصر کہ پہاں اوقات در حوائی عمان و بصرہ و سواد کم کم بالامی
گرفت نیمیل اندیشہ داشتند و ہمیں سبب شد کہ ناصر خسرو
و بعد از مدت بسیار کمی مجبور تبرک دار و دیار خود گردید یعنی بتجید
کردند و شاید تجید او بامر و اشارہ خلیفہ بغداد بودہ است۔ چنانکہ
یکے از شعر ہائیش اشارہ بدان کردہ و گوید۔

اے خداوند این کہ بود خراس بر تو از بندہ صد ہزار سپاس
داد من بے گماں بحق بدہی روز حشر از بنیرہ عباس
اقتباس مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نے ایک آتشیں
مبلغ کی حیثیت سے امرار اور علماء اہل سنت و ملح و خراسان کے خلاف پرجوش
و عظ کہا اور مبادلہ مذہبی میں اپنی زندگی وقف کر دی اور ایک داعی کے لباس
میں اہلیلیہ یا فاطمیہ کے حق میں غیر معمولی طریقے سے تبلیغ کی جس کے باعث
وہ میکان میں گوشہ گیر ہو گیا۔ اور جب تک زندہ رہا اپنے مخالفین کو گالیاں
دیتا رہا اور میکان کو بجائے دوزخ کے جنت سمجھا۔

بجائے ملح کے اکثر و بیشتر ناصر خسرو خراسان کو مخاطب کر کے
۵۔ یاد وطن | اپنے دردِ دل کا اظہار کرتا ہے، اور اس میں کوئی مصلحت
ضرور ہوگی۔ لیکن خراسان سے بچنے کا اس کو مرتے دم تک افسوس رہا چنانچہ
کہتا ہے اور خود ہی دل کو تسکین دیتا ہے۔

۱۔ گر خاک خراسانت نہ پزیرفت مخور غم خوشنودی ایزد بہ از خاک خراسان
۲۔ کہ پرسد زین غریب خوار و محزون خراسان را کہ بے من حال توچوں
سلام کن زمن لے ہاد مر خراسان را بر اہل فضل و خرد را نہ عام و نادان را

لے صبا اہل خراساں کو سرا پہنچا سلام
 اہل علم و فضل ہیں اُس میں نہ جہاں و عوام
 خبر بیاور از ایشاں بہن چودادہ بوسے ز حال من بہ حقیقت خبر مرایشاں را
 آ کے اُن کی بھی حقیقت سے مجھے آگاہ کر
 نے پکے جس وقت جا کر ان کو یہ میرا پیام
 بلکوی شاں کہ جہاں سرو میں چو چنبر کرد بلکہ خویش خود این است کار گیہاں را
 وہ مر ابو ثاں سا قد جھک کر کیا وہ ہو گیا
 گردش گردون گرداں سے پڑا مجھ کو بھی کام
 ننگہ کہتاں ننگنہ غرہ عہد و پیمانہش کہ او وفا ننگنہ بیچ عہد و پیمانہ را
 عہد و پیمانہ پر زمانے کی نہ بھولو دوستو
 نقص عہد اُس کی ہر عادت بے وفا ہے اس کا نام
 ننگہ کنند کہ دردست این و آں چو خراہ بہ چند گو نہ بدید ند مر خراساں را
 اس خراساں ہی کی آخر پاتا ملی دیکھ لو
 آساں نے اس سے رہ رہ کر لیا ہی انتقام
 بلکہ ترک چراغہ اید یاد کنید جلال و دولت محمود زادستاں را
 غرہ ترکوں کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر
 یاد ہی محمود کا تم کو جلال و احتشام؟
 کجا است آنکہ فرینو نیاں زہمیت را زدست خویش بدادند گو رگوناں را
 (اہل فرغانہ)

لے مثل فرمانروایان کو خوش رکھنے کے لئے اہل فرغانہ شاہزادوں کو خود بھی
 جاگیریں دیا کرتے تھے۔

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریغونی امیر
 جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کے غلام
 چوہند را بہ سُم اسپ ترک ویراں کز پپائے پیلاں بسپرد خاکِ ختلان را
 خاکِ ختلان روند ڈالی جس کے پیل سستے
 ہند تک پہنچا تھا جس کا تو سن محشر خرام
 شام فریختگان پیش او ہی گفتید ہزار سال فزوں باو عمر سلطان را
 تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اسکے سامنے
 نے خدائے پاک سلطان کو حیات مستدام
 پریر قبلہ احرار ز اولستاں بود چنانکہ کعبہ است امر و اہل ایماں را
 ذکر کل کا ہر کہ غزنین قبلہ حاجات تھی
 اہل ایماں کیلئے جس طرح ہو بیت الحرام
 کجاست انہوں آں مرواں جلا و جا کہ زیر خویش ہی دید برج سرطاں را
 اب کہاں ہو اس کی سٹو اور کہاں ہکا شکوہ
 برج سرطاں سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام
 بترس سختی چو کار آساں شد کہ چرخ زود کس سخت کار آساں را
 خوب دشواری عنان گیر ہر آسانی ہوا
 اسلئے جمعیت خاطر ہی اک امید خام
 میں کند چو در آمد بچشم گشت زباں ز قصر قیصر را و ز خانماں خاں را!
 آساں نے اختیار قیصر و غفور سے
 دولت اقبال کی پل بھر میں چھینی ہر زمام
 بر آساں ز کسوف سیہ ہائش نیست مر آفتاب درخشان و ماہ تاباں را

آسماں پر بچ نہیں سکتے گہن کے داغ سے
 اس درخسانی پہ مہر انور و ماہ تمام
 زچیز ہائے جہاں ہر چہ خوار از لشد گراں شدہ شمار
 چیز خواہ اوزاں را
 ایک دن تقدیر گھوٹے کی بھی جاتی ہے پٹ
 آج جو رسوا ہو کل ہوگا اسی کا ہتھ رام
 میانہ کا لے باش ای لپسہ کمال بچے کہ مہ تمام نشد
 جز بہر نقصاں را
 چاند سے سیکھو کہ ہی اوسا طہا خیر الامور
 بدر کیوں گھنٹا اگر پہلے ہی رہتا نا تمام
 اگر شراب جہاں خلق را جو متاں کرد
 توشاں رہا کن چوں ہوشیا در متاں را
 بادہ پنڈار سے گراہل عالم مست ہیں
 دور ہی سے تجھ کو لازم ہی انہیں کرنا سلام
 نگاہ کہ بہ حیلست ہی ہلاک کند
 ز بہر پڑ نکوٹا و ساں پر آں را
 چونکہ ہیں طاؤس کے پردیدہ زیب و دل فریب
 کام کرنا ہی شکاری اس لیے اس کا تمام
 جہاں زمین و سخن و جانم و جانت دہقان
 ہرکشت باید مشغول بود دہقان را
 ہر زمین دنیا عمل بیج اور دہقان جاں تری
 چاہئے دہقان کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام
 ترا کنوں کہ بہار است جہداں بکنی
 کہ نانکے بگن آری مگر زمستان را
 خوشہ چینی آج کل کر لو کہ ہی فصل ریح
 تاکہ جاڑوں کے دنوں میں لٹے یہ سرمایہ کام

یہ واقعہ ہے کہ فقہائے خراسان نے ناصر کو بہت زیادہ بدنام کیا اور نہ وہ توحید رسالت، اور حشر و نشر کا مرتے دم تک قائل رہا اور اس کے قبل فلسفے کے اثر سے عقاید میں جو لغزشیں ہو گئی تھیں اُس سے تائب ہو گیا تھا البتہ فاطمی مذہب کا معتقد تھا اور یہی اس کا ایمان تھا چنانچہ اشعار ذیل میں عقائد کا اعلان کرتا ہے۔

بنالم ہولے قدیم و قدیر	ز اہل خراسان صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند	بہی خویش و بیگانہ بر خیر خیر
مقدم بہ فرمان پیغمبرت!	نہ انباز گفتم ترانے نظیر
ہامت رسانید پیغام تو	محمد رسالت بشیر و نذیر
نیاورد قرآن بہ پیغمبرت	مگر جبریل آں مبارک صغیر
مقرم بہ مرگ و بحشر و حساب	کتابت ز بردارم اندر ضمیر

۸۔ ملح مستنصر باللہ فاطمی | ناصر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب تک زندہ ہے، امام وقت کی مداحی میں اُس کا قلم چلتا رہے گا چنانچہ قیام یگان میں اُس نے جقدر قصاید لکھے ہیں، امیر المومنین مستنصر باللہ کی ملح میں وہ اشعار موجود ہیں جو مذہبی جذبات سے معمور ہیں اور دیگر قصاید نگار شعراء کی طرح مبالغہ آمیز تعریف سے خالی ہیں۔ سنداً اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

طلعت مستنصر از فدائے جہاں را ماہ منیر است و این جہاں شب تار است

صفحہ ۳۶

بشآب سوئے حضرت مستنصر	رہ راز فخر جز ثمرہ سپر
آنجاست دین و دنیا را قبلہ	و آنجاست عرو و دولت را مشر

معروف شد بہ علم تو دین زیرِ ا
دین عود بود و خاطر تو مجسم
صفحہ ۱۲

باطلت بہارک مسعود اذ سعد
خالی است مشتری را در قوس طلعتش
یارب بفضل خویش تو توفیق دہ مرا
تار و زو شب بدارم طاعت بہ طاعتش
مستنصر معالی و حکمت بہ نظم و نثر
بر آفتش کہ خواند الا کہ حجتش
صفحہ ۱۰۴

مستنصر باللہ کہ افضل خدای است
موجود و مجسم شدہ در عالم فانیش
در عالم دین او سوئے ما قول خدای است
تو لیکہ ہمہ رحمت و فضل ست معایش
صفحہ ۱۶۰

مستنصر از خداست و ہد نصرت
زین پس بہ اولیائے شیاطینم
خورشید پیشکار و قمر ساقی
لالہ سماک و زنگرس پر دینم
صفحہ ۱۹۱

بر جان من چون نور امام زمان بتافت
لیل السر را بودم و شمس الضحیٰ شدم
صفحہ ۱۹۳

ملک امامت سوئے کسے است کہ اور است
ملک سلیمان و علم و حکمت تقماں !
۹۔ خلفائے عباسیہ کی تحریک بر بادی
ناصر کو خلفائے عباسیہ
سے کس قدر عداوت

ہتی اس کا اندازہ اشعار ذیل سے ہو گا۔

گر بہ بند چشم تو فرزند زہرا پر مصر
آخرین از جاننت بر فرزند و بر ماورکنی
لے خداوند زمان و فخر آل مصطفیٰ
نجر کلکونت را کہ سر سوئے خاورکنی
جان اسکندر شادی سرگردون ہر
گر تو نعل سپ خویش از تلج اسکندر کنی

وقت آں مدکہ بوز کیس چو خاک کربلا
 آب را در دجله از خونِ عدو امر کنی
 لے بنیرہ آنکہ زد شد در جہاں خیر سیر
 دیز بر ناید کہ تو بعد او را خیر کنی
 منظر اعدا دین را بر زمین ہامون کنی
 منظر خویش از فراز برج دو پہر کنی
 دشمنان را در خور کردارشان بد ہی بدل
 عدل باشد چون بر خاک خاکستر کنی
 بندہ را سند بخشی پیش کاری را طراز
 کہتر سے را بر زمین باخا وراں ہتر کنی
 زیں جنیں پر زرد گوہر مدعا و حجت رفا
 گر تو جہاں دد رہین خویش را زیور کنی
 صفحہ ۳۱۳

۱۰۔ گوشہ عزت اور علم و عمل | ذیل کے قصیدے میں ناصر خسرو نے خانقاہ
 بیکان میں اپنی عملی زندگی کی اس طرح
 تصویر کھینچی ہے۔

تیز نہ گیر دجہاں شکار مرا
 نیست دگر با غمانش کار مرا
 شاید اگر نیست بر در ملکہ
 جز بہ در گاہ کردگار مرا
 قیصر و سلطان کی چوکھٹ پر نہ رکھوں گامیں
 میری پیشانی ہو وقف آستان کردگار
 بارخوہم سوئے کے کہ کند
 منت او پشت زیر بار مرا
 بھول کر بھی میں نہ جاؤں گا کبھی اسکی طرف
 بار احساں سے ہو جس کی پشت میری زیر بار
 خواندن فرقان دزدہد علم و عمل
 مونس جانند ہر چہاں مرا
 زہد اور تربیل قرآن علم اور اس کا عمل
 ہیں یہ چاروں میرے ہمدم اور میرے غم گسار

چشم و دل و گوش ہر یکے ہمہ شب پند دہد باتن نزار مرا !
 چشم گوش و دل کارائوں کو سنا کر تا ہی وعظ
 جسم بے طاقت میرا، از بسکہ ہوش بے ندہ دا

چشم ہی گوید از حرام و حرم بستہ ہی داز زینہار مرا
 آنکھ کہتی ہر بچا مجھ کو حرام و محشم سے
 سات پردوں کی طرح تو بھی ہو میرا پردہ دا

گوش ہی گوید از حال و دروغ راہ بکن سخت و استوار مرا
 کان کہتا ہے کہ مجھ کو لغو سے محفوظ رکھ
 جھوٹ اور غیبت نہ سننے دے مجھے تو زینہا

دل چہ کند گوید ہم ہی زہوا سخت نگہدار مرد دار مرا
 نفس امارہ کی گھاتوں سے ڈرا جاتا ہے دل
 اور ماں حرص و ہوا سے مانگتا ہے بار بار

عقل ہی گوید ہم موکل کرد برتن بر جاننت کردگار مرا !
 عقل کہتی ہے موکل جان اور تن کی ہوں میں
 مجھ کو یہ منصب ملا من جانب پروردگار

نیست ز بہر تو با سپاہ ہدا کار مگر حرب و کارزار مرا
 جنگ کرنے کو ہوں میں تیری طرف سے مستعد
 گر بڑھے فوج ہوا تو حرص بہر کارزار

سر ز کمند خرد چگونہ کنم فضل خسرد داد بر حمار مرا
 عقل کے احکام سے کس طرح سرتابی کروں
 جانور ہوں میں نہ ہو دانش اگر میرا شمار

دید ہی بستی بر قطار سرم عقل بر دل کرو از قطار مرا
 نفس امارہ مجھے کرنے کو تھا بے راہ رو
 عقل نے تھامی وہیں آکر مگردل کی ہما
 گرنہ خود بستندے ہمارم ازو دیوکشاں کردہ بد ہمارا
 عقل میری دست گیری گرنہ کرتی تنت پر
 بھوت میرے سر پہ آکر ہو گیا ہی تھا سوار
 غار جہاں گر چہ تنگ و تار شدہ است عقل پسندہ است یار غار مرا
 گر چہ دنیا ئے دنی کا غارتنگ و تار ہو
 کچھ نہیں ڈر مجھ کو جب ہو عقل میری یار غار
 سچ ممکن ہے پر زود ہر گلہ کز بے شکر است صد ہزار مرا
 مجھ سے ہو سکتا نہیں ہرگز زمانے کا گلہ
 بلکہ مجھ کو شکر کرنا چاہئے اس کا ہزار
 ہست بد گزشتہم و زبان و سخن ہر دو بدیں گشت پیش کار مرا
 ہر زمانہ میرے نطق اور میری ہستی کا کفیل
 کی اساس دین ان دونوں سے میں نے ہوا
 پیش روم عقل بود تا بہ جہاں! کرد بہ حکمت چنہین مشار مرا
 عقل کی غمخ ہدایت رہ ناما میری بنی
 میری حکمت کا دیا دنیا میں اس کے اختیار
 بر سر من تلج دیں نہادہ خرد دیں ہنرے کردو برد بار مرا
 میرے ہنر پر اس نے رکھا دین پیغمبر کا تاج
 باہنر اس کی بد دولت میں ہوا اور برد بار

چوں نہ کنم جان فدائے آنکہ بہ حشر آساں گردد بدوشمار مرا
 کیوں نہیں اس پر کروں قربان اپنی جان
 جس نے آساں مجھ پہ کردی شکل روز شمار
 لاجرم انوں جہاں شکا من است گرچہ ہی داشت ادغکار مرا
 ایک دن وہ تھا کہ میں تھا دام عالم میں سر
 ایک دن یہ ہو کہ خود دنیا ہوئی میرا شمار
 گرچہ ہمیں خلق را فگار کند کردنیار دجہاں فگار مرا
 گرچہ خلقت کا دل اس کے ہاتھ سے ہی لیش
 کر نہیں سکتا مگر مجھ کو زمانہ دل فگار
 جان من از روزگار برتر شد بسم نیاید ز روزگار مرا
 مجھ پہ آلام اور مصائب کا اثر ہوتا نہیں
 اس لیے مطلق نہیں ہی مجھ کو خوف روزگار

تصنیفات حکیم ناصر خسرو

مختلف تذکروں، تاریخوں، اور رسالہ ناصر خسرو کی ورق گردانی
 سے ثابت ہوا کہ اس نامور حکیم نے عالم شباب سے آخر درجیات تک
 چھوٹی بڑی بین کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض اس کی زندگی میں
 (محدانہ خیالات کی بنیاد پر) تلف کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد جو باقی
 رہیں ان میں سے بعض شرکت کا دیانی (برلن) طہران اور تبریز سے شائع
 کی گئیں، اور بعض قلمی نسخے یورپ کے لائبریریوں میں محفوظ ہیں جن کی

اشاعت کا ابھی کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے۔ اب نمبر وار ان کتابوں کی تفصیل لکھتا ہوں، جو طبع ہو چکی ہیں اور میرے پیش نظر ہیں۔

۱۔ سفر نامہ سیاحت مغرب

یہ وہی سفر نامہ ہے جو اس وقت آپ کے زیر مطالعہ ہے اور جس پر تفصیل سے تنقید ہو چکی ہے۔

۲۔ مثنوی روشنائی نامہ

خانقاہ یحکان میں گوشہ نشین ہو کر، ناصر خسرو اکثر غرور و فکر اور مکاشفے میں مشغول رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک دن یکایک انکار و خیالات سے بیدار ہو کر ناصر نے ایک مثنوی لکھنا شروع کی، اور چون کہ وہ عالم ظلمت سے نور کی طرف آیا تھا اس مناسبت سے مثنوی کا نام ”روشنائی نامہ“ رکھا۔ ۱۰

یہ مثنوی کس زمانے میں لکھی گئی، اس میں اختلاف ہے۔ مسٹر برٹش (BERTSCH) نے کتب

۱۔ سنہ تصنیف

فارسی موجودہ گو تھا (GOTHA) لائبریری کا جو کیٹلاگ (نہرست مکمل) مرتب کیا ہے، اُس کے صفحہ نمبر ۱۳ میں سنہ تصنیف ۱۰۲۹ھ

درج ہے اور نہرست برٹش میوزیم لندن جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۰۸ میں ۱۰۲۳ھ ہے۔ لیکن یہ سال قطعی غلط ہے، کیونکہ ناصر خسرو کی ولادت اصح روایات

کے مطابق ۱۰۲۹ھ میں ہوئی ہے علاوہ بریں میرے پیش نظر جو مطبوعہ

نسخہ برلن ہے۔ اس میں سال تصنیف ۱۰۲۸ھ درج ہے۔ لہذا صرف دو

سال تحقیقات طلب ہیں یعنی ۱۰۲۹ھ اور ۱۰۲۸ھ پہلا سنہ تو قابل لحاظ نہیں ہے کیونکہ یہ زمانہ ناصر خسرو کی تعلیم و تربیت کا تھا اور ابھی تک اُس نے شاعری شروع

بھی نہ کی تھی۔ باقی رہا ۱۰۲۸ھ یہ زمانہ اس کی سیاحت مصر کا ہے لہذا

۱۰ ناصر کے حالات شاعری میں بھی مثنوی کا ذکر ہو چکا ہے۔

۱۰ بعض نسخوں میں ۱۰۲۳ھ ہے۔

تادیلایا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حج کے بعد ہی ناصر نے یہ مثنوی لکھنا شروع کی ہوگی۔ جو زمانہ سیاحت میں ختم نہ ہو سکی لیکن یہ واقعہ ہے کہ مثنوی مذکور ایک کمرے کے اندر خانقاہ یمکان میں ختم کی ہو۔ اور ناصر ۳۵۲ھ میں داخل یمکان ہوا تھا، اور یمکان میں جس قدر قصاید وغیرہ ناصر نے لکھے ہیں ان سب میں لفظ حجت بطور تخلص استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ناصر اس مثنوی میں بھی فخریہ لکھتا ہے۔

زحمت این سخن را یادنی دار
کہ در یکان نشسته بادشہ دار

لہذا جو نظم لفظ حجت سے خالی ہے، وہ یکان کی پیداوار ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں مثنوی روشنائی نامہ ۳۵۲ھ یا اس کے بعد ہی تصنیف کی گئی ہے۔ اور مثنوی کی سند میں جو شعر موجود ہے۔ اس میں غلطی ہوئی ہے۔

۲۔ سبب تصنیف

کہ سفیم این مبارک در کمینوں	اما تم داد چندان دور گردوں
دو چشم از کار گیتی ماندہ خیرہ	شبے ہم چوں دل نا اہل تیرہ
کشادہ شب، کمیں بر لشکر رو	شدہ در پردہ ہر عالم افروز
خرد در کار و چشم از کار ماندہ	ہمہ در خواب و من بیدار ماندہ
ز جام منکر جام نشہ مخمور	ہی کر دم نظر و ظلمت و نور
کہے اندر خیا لات تدبیر	کہے مستغرق بحر تفکر

ملہ غنی زاوہ دیباچہ سفر نامہ میں لکھتا ہے۔ معلوم ہے کہ ناصر خسر و بعد از مراجعت از سفر مکہ ہدیت تفرض پیتویا یا ان و علمائے اہل سنت بودہ و در عین زرتروا یا متواری بودن خود در یکان بر ضد آنها اغلب باتندی و خشونت نوشتند است۔
۳۵۲ھ از صفحہ ۳۲ تا صفحہ ۳۵ روشنائی نامہ۔

گئے بودم بہ مشرق کہ بہ مغرب
 نہاوم این کتاب روح پرور
 بہ شعر خوب و شیریں ہاں فرایم
 رسیدہ جرم خور در برج ماہی
 کہ کردم ختم این فرخندہ دفتر
 خداوند کہ این نو بادہ بکرات
 نزدست ہیچ کس بر سر رسید است
 گئے بر ترز جہرام کو اکب
 کشادم بر دل اہل خورد در
 بہ حکمت در سخن معجز مناسیم
 گرفتہ در حل مہ باد شاہی
 بروں آوردم این پاکیزہ گوہر
 ز من زا دست و اورا دینہ فکر است
 بحر من رئے اورا کس دید است

ناصر کہتا ہے۔ کہ اس مثنوی کے جملہ مضامین اچھوتے ہیں۔ اور مجھ سے پہلے ان خیالات کو کسی نے ظاہر نہیں کیا ہے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر اتمی نے روشنائی نامے کو شائع کیا تھا۔ اور آخر میں شرکت کاویانی نے ۱۳۲۲ء میں سفر نامے کے ساتھ شائع کیا۔ اس مثنوی کی اشاعت پر علماء اس کے قتل کے درپے تھے کیونکہ اس کے بعض مضامین عفت یا اسلام کے خلاف تھے اور ناصر نے بھی فلسفہ مادیت پر زیادہ زور دیا تھا۔ مثلاً اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

ز اول عقل کل را گرد پیدا
 کجا عرش الہش گفت دانا
 گر وہے علت معینش گفتند

۳۔ در عقل کل و نفس کل
 گر وہے علت اولیش گفتند

لے ایک روایت یہ ہے کہ جب ناصر خسرو کے خیالات تصاید کی صورت میں بیکان سے شائع ہونے تو اس کے ملزمانہ خیالات پر علمائے عصر نے مختلف قسم کے ۹۱ سوالات لکھ کر اس کے پاس بھیجے جس کے جواب میں ناصر نے مثنوی روشنائی نامہ لکھی اور اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کیا۔ چنانچہ واقعات سے یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔
 لے صفحہ ۳۱۳ روشنائی نامہ۔

زاد عقل کل چون شد مشہر
 ز عقل کل وجود نفس کل زاد
 بدان گر جانت با عقل آشنا شد
 اگر معنی نامش باز دانی!
 ہم او شد فاعل افلاک و انجم
 ہم اولوح و ہم او کرسی یزداں
 از آن آمد فردغ عقل و دانائے

او را یک دوسرے مرتع پر کہتا ہر کہ

لیکن عقل را پروردگار بہت
 نہ گویم صانع ہفت چہاروست
 بد و منسوب نتواں کرد آن را
 صہ مقدر آفتاب و آسماں را
 ز خاک و آب و سنگ و کرد ظاہر
 چرا گوی زرد لعل و جواہر
 نشاید این جنین اورا صفت کرد
 نبات از گل تو گوی او بر آورد
 گل و غنشا در خاک او نگارد
 کہ ربح نامیہ این کار وارد
 مکن صورت پرستی پاد سہ صیت
 تو عقل و جان حق دانی سیم و پیر

ان مسائل کے بعد تخلیق و فطرت انسان کے متعلق ناصر کے خیالات یہ ہیں
 کہ رحم ماوریں انعقاد نطفہ کے بعد اس کی پرورش بسع سیاروں سے متعلق ہولہ
 چو خون ماکہ آن صہل حیاتست
 یکے فرزند حیوان و نباتست
 دگر بارہ مصفا کردہ آن خون
 وز آن خون سفید آید بہ بیروں
 وراخوانند نطفہ اہل معنی
 کہ پالودہ از آن خون است یعنی
 وزاں پس در شیمہ چو مک افاد
 نکلندش اوستاد چرخ بنیاد

دگر مہ مشریش تقویت کرد
 چہارم ماہ خور صورت نگارش
 در آنجا قوت جنسیدگی یافت
 عطار د با شدش ماہ ششم یار
 بہ شتم ز وصل آگاہ باشد
 بود جاننش میان آب و خون خوش
 برون آرد در زان راہ بستہ
 جہاں بیند خوش و خوب و دل آرائے
 ہوائی بس لطیف و خوب و دلکش
 اس مثنوی میں بھی ناصر نے پیشہ ور شعرا کی مذمت کی ہے۔ وہ ارباب

دولت کی مدح و ہجو دونوں کو برا جانتا ہے۔

خود بر مدح نا اہلن بہ خندد
 ترا از خویشتن خود شرم ناید
 بیایستادن و بر خواندن او
 بمدح و ہجو کس بکشائے لب
 زمینی جان ایساں را خبر نیست
 امیرن کلام اند اہل اشعار
 کسے برگردن خرمہرہ بسندد
 کہ ہر جاہیت دروغے گفت باید
 فردریز دوسرا سر آبت از رو
 مرغال خاطر ممسنی طلب را
 سخن شاں جو برائے سیم و ز زمیست
 خدا شاں تو بہ بد ہد از چین کارلہ

۳۔ مثنوی سعادت نامہ

شاعری کے تذکرے میں اس مثنوی کا بھی ذکر آچکا ہے۔ یورپ کے بعد

۱۱۱۱ ز اودش بزین خاموش و ز اوشش بروزن خامش نام کو کب شرمی (برہان قاطع)
 ۱۱۱۱ امیرالمومنین مستنصر بالله فاطمی سلمیلی مراد ہے۔

تیسری مرتبہ بہ ثنوی ۱۳۳۱ھ میں برلن سے سفر نامے کے ساتھ شائع ہوئی
ہے۔ اور اٹھارہ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

اس مثنوی کے مضامین فلسفیانہ مسائل اور عقاید اسماعیلیہ سے
خالی ہیں روزمرہ کی زبان میں سادہ اخلاقی امور بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً
سو خواروں کے حق میں لکھا ہے۔

ر باخوارہ ز اہل نار باشد	کجا از خلد بر خور دار باشد
بود باہر عزیز اہل ر باخوار	شرف دار دلبے سگ بر باخوار
چہ ایماں خواہی آکس را کہ خواہد	کہ تا نمانے خورد جانش بکاہد
مخور نانش اگر خود نفع جانست	کہ گرد آوردہ خول مفلست
زمین و چرخ با عارندازوے	خدا و خلق بیزارندازوے

۶ کند صد سال اگر دوزخ نشینی

نہ مالک بخشش آرد نے خزینی

اس مثنوی کے عنوان پر بجائے حکیم ناصر خسرو کے صرف "امیر سید
ناصر" درج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی عالم شباب کی یادگار ہے جو
غالباً مرو میں تصنیف ہوئی۔ شیخ سعدی شیرازی نے بوستان میں سعادت و
کاتبتیہ کیا ہے۔ اور یہ مثنوی اس قابل ہے کہ سرشتہ تعلیم کے اعلیٰ نصاب
فارسی میں داخل کی جائے۔

۴۔ زاو المسافرین

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ فرانس کے قومی کتب خانے میں موجود
تھا جس کو علامہ براؤن انگلشی اور ہندوستان کے مایہ ناز فرزند پروفیسر ڈاکٹر

محمد بذل الرحمن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (کینیڈا) نے تصحیح و تفسیر سے مزین کیا اور شرکت کاویانی (برلن) نے ۱۳۳۱ھ میں شائع کیا۔ چنانچہ یہ نسخہ میرے سامنے ہے۔

ناصر خسرو کی تصنیفات میں یہ کتاب سب سے بڑی اور مسایل اور فلسفہ و معقولات میں لاجواب سمجھی جاتی ہے۔ سب سے پہلے اس کتاب کا نام دیوان ناصر خسرو میں نظر آیا، فخریہ کہتا ہے۔

تصنیفات من زاد المسافر کہ معقولات راصل بہت قابل
اگر بر خاک فلاطون بخوانند شناخواندمر خاک فلاطون
چنانچہ ان اشعار کے حوالے سے کتاب کی تلاش ہوئی اور زاد المسافرین
کا قلمی نسخہ مل گیا۔ اس کتاب کا نسخہ تصنیف ۳۵۳ھ میں ہوا اور اسکو ناصر نے
امیر المومنین المستنصر باللہ فاطمی کے نام ہدیہ کیا ہے۔ جسکو وہ امام برحق اور
خداوند زمان سمجھتا تھا۔ یہ بھی یمن میں تصنیف کی تھی اور وقت رحلت
برادر عزیز عبدالجلیل کو وصیت کی تھی کہ اصل نسخہ سید الحکام عیسیٰ بن اسد علوی
فرما روئے بدخشاں کی خدمت میں بھیج دینا۔

ناصر اس کتاب کو توشیح آخرت سمجھتا تھا۔ یا یہ کہ محض بطور استعارہ
یہ نام رکھا تھا چنانچہ خود بھی لکھتا ہے۔

مقصود ما از تالیف این کتاب آنست کہ در آں مقصود بیان
از آں کہ نفس چرا بر مثال مسافر است اندرین عالم و از کجا ہستی

۱۔ دیوان مطبوعہ طهران صفحہ ۳۳۸۔
۲۔ مقدمہ سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۱۶۔ و زاد المسافرین مطبوعہ کا و بائی صفحہ ۲۸۰۔

آید و کجا ہی شود و اندریں سفر زاداد حصیت ؟

چنانچہ اس خیال کے مطابق زاد المسافرین بہت اچھا نام تھا۔ میرزا محمود ملقب بہ ملا عنی زادہ، مثنوی روشنائی نامہ پر رپویا کرتے ہوئے لکھتا ہے
 علاوہ بریں اشعار دیگر دروشنائی نامہ ہست کہ مدلل
 میدارند کہ مصنف آہنارادر موقعے کہ بامعارضین خود سخت
 مشغول مجادلہ بودہ است بہ نظم آوردہ و عیناً ہمان لحن قوی
 است کہ زاد المسافرین را نوشتہ (مثل)

۱۔ ہمین است اعتقاد اندر قیامت اگر چہ از خراں یا بم ملامت
 (نیز)

۲۔ زیبائی ولی بیدارشان را بجز انکار خاصان کارشان را
 بہر حال مثنویات ہوں یا زاد المسافرین ناظر نے ان کتابوں میں بہ حصوں
 پردل کھول کر چلے گئے ہیں۔ اور دل کے بنجارے کھائے ہیں۔
 یہ کتاب فلسفے میں ہے، جو فلاسفہ یونان کی کتابوں کے بعد لکھی گئی
 ہے۔ اس کے متعلق عنی زادہ کی رائے ہے کہ۔

از مطالعہ زاد المسافرین معلوم می گردد کہ توغل زیادہ با فلسفہ
 می داشتہ و اغلب کتب فلاسفہ یونان مثل سقراط و افلاطون
 و ارسطاطالیس و فلس (فالیس رومی) وغیرہم با دقت تتبع نمود
 و خود زاد المسافرین کہ تقریباً شاہکارا دست میرساند کہ ید طولی
 در فلسفہ داشتہ و خود از بزرگان فلاسفہ آل عصر بہ شمار می رفتہ

۱۔ دیباچہ سفر نامہ صفحہ ۲۱۔ ۲۲۔ روشنائی نامہ صفحہ ۱۸۔ ۲۱۔ ۲۲۔ اس نام کی ایک مشہور مثنوی اور بھی
 ہے۔ جو میر حسین بن عالم بن حسین غوری (متوفی ۱۰۱۰ھ) کی تصنیف ہے، فہرست برٹش میوزیم میں مثنوی
 ہنبر ۳۵۸، موجود ہے اور ۱۰۱۰ھ کی مکتوبہ ہے۔ ۲۔ مقدمہ سفر نامہ صفحہ ۱، مطبوعہ برلن۔

نامیدہ شدہ است“

عنی زادہ نے حکمائے یونان میں صرف تین فلسفیوں کے نام لئے ہیں۔ جو حقیقت میں ارکانِ فلسفہ تھے۔ چنانچہ فلسفہ یونان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس فلسفے کا بانی حکیم تھیلز (طالیں) تھا جو مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم پائی تھی۔ اس کا مذہب تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئی ہیں فلسفہ یونان کا یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک قائم رہا اور پھر اس میں متعدد شاخیں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ ان حکما میں سقراط افلاطون، ارسطو طالیں نہایت نامور فلسفی گزرے ہیں۔

۱۔ سقراط متوفی ۳۹۹ ق۔ م | یہ فلسفے کا باپ مشہور ہوا اور اس کے بیش قیمت لکچر رسائل کی صورت میں ہنوز یادگار ہیں جن کے عربی تراجم بھی موجود ہیں۔

۲۔ افلاطون متوفی ۳۲۷ ق۔ م | اپنے استاد کی رحلت پر مصر جا کر شاگردانِ فیثاغورث

سے بھی تعلیم حاصل کی اور ایک نئے فلسفے کا موجد قرار پایا۔ مصر سے واپسی پر ایتھنز میں دارالعلوم قائم کر کے فلسفے پر لکچر شروع کئے۔ اس نے فلسفے کے علاوہ دیگر علوم فنون میں۔ بھی کتابیں تصنیف کیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں یہ حکیم کتاب کے مطالب کو جان بوجھ کر نہایت ادق اور پیچیدہ عبارت میں لکھتا تھا اور اسی وجہ سے خود یونانیوں نے مطالب میں غلطیاں کی ہیں لیکن یونانیوں پر معلم ثانی ابو نصر فارابی کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے افلاطونی فلسفے کو صحتِ خوبی سے حل کیا۔

۳۔ ارسطو طالیں المتولد ۳۸۴ ق۔ م | یہ حکیم افلاطون کا شاگرد تھا۔

متاخرین میں ارسطاطالیس امام الفلسفہ تھا۔ علمائے اسلام نے اس کے فلسفے کو بہت پسند کیا اور غالباً منجملہ دیگر سبب کے اس اعتقاد کا یہ سبب تھا کہ فلسفہ ارسطاطالیس، فلسفہ اسلام کے مماثل تھا۔

یہ حکیم توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، حشر و نشر، عذاب و ثواب کا قائل تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس نامور حکیم کے جملہ تصانیف کو عربی قالب میں ڈھالا جس سے اہل یورپ اب تک مستفید ہو رہے ہیں۔ ارسطاطالیس کے شاگرد، خدا کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں مانتے تھے۔ ساروں کو روحانی اجسام تسلیم کرتے تھے اور خدا کے مدبر عالم ہونے کے قائل تھے شرح حکمتہ الاشراق مصنفہ ابو لفر فارابی میں استاد اور شاگرد کے فلسفہ (جمع آرا) کو دیکھنا چاہیے۔ الغرض مامون الرشید عباسی کی خلافت تک علمائے اسلام ان ارکانِ ثلاثہ کے فلسفے سے واقف ہو چکے تھے۔ ناصر خسرو نے صہل یونانی اور تراجم سے استفادہ کیا تھا جس کی تصدیق مضامین زاد المسافرین سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ناصر نے اپنے نفسیاتی خیالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن یہ مضامین منتشر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک مضمون کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ وہ ایک خاص انداز کا داعی تھا، لہذا اپنے خیالات کو حسب موقع بیان کر جاتا ہے۔ تاہم طرز بیان اس درجہ صاف ہے۔ کہ اس کا تعلیمی مقصد کہیں فوت نہیں ہوتا ہے۔

بہت نفس کلی | مکمل بحث تو زاد المسافرین میں ہے لیکن متنوی روشنائی بہت اور دیوان میں بھی جملہ اظہار خیال کیا ہے۔

۱۔ بیدان حکمت برہ سپ فصاحت مکن جز بہ تنزیل و تاویل جولال

لہ تفصیل تراجم کے لئے طبقات ابن ابی اصبہ دیکھنا چاہے۔

- ۲۔ مدویابی از نفس کلی بہ حجت کہ جوئی بدل نصرت اہل ایماں
 ۳۔ نہ بینی کہ پولاد در اچوں بسترد
 ۴۔ ترانس کلی چویشناسی اورا
 ۵۔ ہر انسان کہ زنجیں گل ویاہیں را
 ۶۔ زروسیم وگوہر شدار کان عالم
 کہ جوئی بدستہ شد نفس کلی بہ ارکان

۷۔ اگر جاں نہ بودے پسیم وزراندر

بصد من درم کس ندائے کیے ناں

زاد المسافین کی اشاعت میں پروفیسر بذل الرحمن ہندی کی عالمانہ کوشش کا ذکر ہو چکا
 ہے، لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کے چھوٹے بھائی پروفیسر متضد
 ولی الرحمن ایم اے استاد انبیاء جامعہ عثمانیہ نے رسالہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۳ء میں انبیاء
 ناصرہ و مفصل تبصرہ کیا ہے۔ جو فلسفہ قدیم و جدید پر مشتمل ہے۔ ارباب شوق اسے مطالعہ فرمائیں۔

ناصرہ و کی یہ کتاب علم الفقہ میں ہے، جس میں مذہب
 ۵۔ وجہ دین | اسماعیلیہ کے مطابق وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں

مسائل حل کرتا ہے جس کا اصطلاحی نام، تنزیل اور تاویل ہے اس کتاب کا
 سنہ تصنیف تحقیق نہیں ہوا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ واپسی حج کے بعد جب وہ
 یمن میں گوشہ نشین ہوا ہے، اسی زمانے میں یہ کتاب بھی لکھی گئی ہے اور بغیر
 کسی شک و شبہہ کے ”وجہ دین“ ناصرہ ہی کی تصنیف ہے۔ کیونکہ دسویں صدی
 ہجری کی بعض تصانیف (بیان الادیان) میں وجہ دین کا حوالہ موجود ہے اور
 مزید ثبوت یہ ہے کہ اس کتاب کے دو نقلی نسخے بخارائے قدیم سے حاصل ہوئے ہیں
 (اسماعیلی فرقے کے اکثر اشخاص اس ملک میں پائے جاتے ہیں) اور ایک روسی عالم

مہ مخضر مقدم کتاب وجہ دین - صفحہ ۲ مطبوعہ برلن۔

نے یہ نسخے بخارا سے لاکر کتب خانہ پٹر و گراڈ میں داخل کئے ہیں اور انہیں
نسخوں سے صحت کر کے شریکت کا دیانی نے ۱۹۲۳ء میں یہ کتاب شائع
کی ہے۔

اور اس کتاب کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے۔ کہ اس کی عبارت
زاد المسافرین اور سفر نامے سے ملتی ہوئی ہے۔ اور جو اصحاب ناصر کے
طرز انشاء سے واقف ہیں وہ ایک صفحہ پڑھ کر وجہ دین کی صحت تسلیم کر لیں گے
یہ کتاب کیا ون گفتار (اقوال) پر ختم ہوئی ہے۔ اور ہر گفتار (قول)
میں ایک مذہبی مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور ناصر نے دباچے میں لکھا
ہے۔ کہ ”وجہ دین میں اکاون گفتار کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ مسلمان
دن رات میں جو نمازین پڑھتے ہیں ان کی رکعات کی تعداد بھی اکاون ہے۔
اور اس کتاب سے ان کو ہر عمل شرعی کی تاویل ظاہر ہو جائے گی متوسط
تقطیع کے ۴۰۰ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

منجملہ کیا ون مقالات کے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ پر ناصر نے جن
خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اکثر عقائد اسلام کے خلاف ہیں لہذا ایسے
مضامین کافی زمانہ شائع کرنا باعث فتنہ و فساد ہوگا۔ شایقین اصل
کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

ناصر کی نثر نگاری کا کوئی مکمل نمونہ
ناصر خسرو کی انشاء کا نمونہ (باستثنائے چند سطور سفر نامہ) اس
وقت تک پیش نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا وجہ دین سے ایک اقتباس پیش
کیا جاتا ہے جس سے علاوہ طرز انشاء کے یہ بھی واضح ہوگا کہ فقہ کے
مسائل کو وہ قرآن و حدیث سے کیونکر اخذ کرتا ہے۔

گفتاری و ششم، اندر تاویل واجب طاعت

امام زمان و بیان آں

گوئیم بتوفیق خدائے تعالیٰ که مردم گوهریست لطیف بر خسته
 هر گوهر کثیف و مرکب است از دو عالم محسوس و معقول. یکی
 جسم مردم که دیدنی و شنودنی است و دیگر نفس مردم که دیدنی
 و شنودنی نیست. و جسم مردم که دیدنی و شنودنی است ہی
 ساخته نشود مگر بمیانجی و هم جنس که او سوم ایشان است
 که آن پدر و مادر اوست پس لازم آید که آن گوهر
 لطیف که با این گوهر کثیف جفت است اندرین کالبد آراسته
 و ساخته نشود مگر بدو هم جنسی که او سوم ایشان است چون جسم را
 تمامی اندر آن بود که بخورشهای این جهانی برسد از لذات جمائی
 میانجی پدر و مادر گفتیم که تمامی نفس نیز اندر آن باشد که او
 بلذات عالم روحانی برسد میانجی پدر و مادر نفسانی پس
 بحدکه ضرورت اثبات شد نفس مردم را از پدری و مادری
 هم چنان که جسم مردم را از پدر و مادر چاره نیست و چون پدر جسمانی
 مردم فایده دهنده بود و مادرش فایده پذیرنده بود گفتیم که پدر روحانی نیز فایده
 دهنده باشد پس گفتیم که آن پدر دینی که او نفس مومن را بجل پدر است
 رسول است صلی الله علیه و آله و سلم و آن مادر دینی که او
 نفس مومن را بجل مادر است وصی اوست و تنزیل ناطق
 مرصورت نفسانی مومن را بر تبه نطفه پدر است و تاویل وصی مرآں

صورتِ نفسانی را بر تہمتِ نطفہ ماوراست و بفران آمدن دو
 نطفہ جسمانی بر آراستہ صورتے پدید آید مر عالم جسمانی را و گواہی دہد
 بروستی این حال گفتار رسول علیہ السلام کہ گفت انا وانت
 یا علی ابواکم الموصین۔ گفت یا علی من و تو پدر و مادر مومنانم
 و استوار کرد مرا این خبر را قولِ خداے تعالیٰ کہ گفت النبی
 او لی بالموصین من انفسہم و از واجہ امہاتہم گفت
 پیغمبر سزاوارتر است بگرویدگان از نفسہائے ایشان بدیشان
 و زنان او مادران ایشانند و چون زنان پیغمبران مادر مومنان
 باشند پیغمبر پدر ایشان باشد چنانکہ رسول علیہ السلام گفت
 الارض احکم و حہی بکم برآء یعنی زمین مادر شماست و او
 بہ شما نیکو کردار است پس بحکم این حدیث درست شد کہ
 رسول آسمانست و او پدر است مومنان را از بہر آنکہ زنان
 پیغمبر اخدائے تعالیٰ مادر مومنان گفت و پیغمبر گفت مادر شما زمین است
 پس درست شد کہ رسول آسمان است و پدر است و زنان او مثل
 زمین اند و مادر مومنانند نیکوی کہ باشند و نیکوی جز از خرد منداں
 نیاید و اگر بیاید مر آنرا نیکو گویند۔

اس کتاب میں جس قدر ابواب ہیں اور ان میں جن آیات قرآنی اور

طہ لہ حدیث این طور کہ در متن است از حیث عبارت بسیار نیک و از اسلوب عرب بہ
 کلی دور و نحو غلط یا ضعیف است چہ اضافت و مضاف بیک مضاف الیہ باہج جائز نیست
 و مشہور نزد شیخہ تہن این حدیث است "انا و علی ابواھذا الامۃ"

(از ویجاہہ نگار و جہ دین)

تہ این حدیث باندک اختلافی در نہایا ابن اثیر و لسان العرب بے را دہد و مذکور است

احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان سب میں تاویل سے کام لیا گیا ہے اور یہی ناصر کا دین اور ایمان ہے۔ وہ ہر آیت سے پیغمبران ناطق ایسے مجبان اور داعیان مذہب کا وجود ثابت کرتا ہے اور جملہ مسائل میں ناصر کا طرز تحریر فلسفیانہ ہے۔

۶۔ **دیوان عربی** ناصر کا ایک بھی عربی شعر کسی تذکرے میں درج نہیں ہے۔ اگر وہ دیوان فارسی میں عربی دیوان کا اشارہ نہ کرتا تو پھر عربی کلام کا ثبوت بھی مشکل تھا۔ چنانچہ دیوان فارسی میں اشعار ذیل قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ بخوان ہر دو دیوان من تا بہ بینی یکے گشتہ باغ نصری بختی را

۲۔ اشعار بپارسی و تازی بر خواں دیدار یادگارم

۳۔ نظم سخن را خداوند گہاں دل غصری داد و طبع جریم

ناصر جریر اور بختی کو اپنا مد مقابل سمجھتا ہے۔ لہذا اس دعوے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کا عربی کلام کس پائے کا ہوگا؟

۷۔ **دیوان فارسی** ناصر کی وصیت کے مطابق یہ دیوان جہاں شاہ بن کیو حاکم میکان کے پاس ہدیہ روانہ کر دیا گیا تھا۔

اس دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ مسائل حکمت و فلسفہ سے مالا مال ہے، غزل ایک بھی نہیں ہے۔ لہذا تمام دیوان عاشقانہ جذبات اور موسیقی کی چاشنی سے خالی ہے۔ لوزخیز ایرانیوں کے لئے ناصر کا کلام ہونگ کی ابالی کچھڑی کے برابر ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جملہ قصاید ایسے اظہار اور امیر المؤمنین مستنصر باللہ کی مدح میں ہیں اور کسی بادشاہ کی شان میں ایک رباعی یا قصیدہ بھی نہیں ہے۔ اور چونکہ ناصر فاطمین مصر کا داعی ہے۔ لہذا اکثر

قصاید میں مذہبی عقاید اور اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے اور دیوان میں اس قسم کے جو مسایل ہیں اس کی تفصیل زاد المسافرین میں ہے۔

مشرقیں یورپ میں سے جو اہل کی رلے کے مطابق شاعری کو گوشہ نشین کا ثمرہ سمجھتے ہیں وہ ناصر کے دیوان کو غور و فکر سے مطالعہ کرتے ہیں کتب متذکرہ کے علاوہ جو دوسری کتابیں ناصر خسرو سے منسوب ہیں اور ان کے قلمی نسخے یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۸۔ المستوفی | فقہ میں یہ بڑی کتاب تھی جو حج کے بعد ہی تصنیف کی گئی تھی لیکن ناصر کے حیات ہی میں فقہار کے مہجور کرنے پر نذر آتش کر دی گئی۔

۹۔ کسیر اعظم | صاحب آتش کدہ آذر نے لکھا ہے کہ یہ کتاب فلسفے میں ہے اور سرگزشت ناصر کی صراحت کے مطابق منطق اور حکمت میں ہے۔

۱۰۔ قانون اعظم | یہ کتاب سحر اور علوم فوق الطبیعہ میں ہے ناصر نے وصیت کی تھی کہ یہ کتاب اس کے چچا زاد بھائی منصور کے پاس روانہ کر دی جائے۔

۱۱۔ دستور اعظم | یہ کتاب بھی فقہ میں تھی جو حسب وصیت قاضی نصر اللہ بدخشی کے پاس ہدیہ بھیجی گئی، رضاقلی خان نے تذکرۃ مجمع الفصحاء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ تفسیر القرآن | سرگزشت ناصر میں لکھا ہے کہ "شاہ ملاعدہ (ماژندران) کے حکم اور جان کے خوف سے عقاید سہیلیہ کے

مطابق یہ تفسیر القرآن لکھی گئی تھی اور اس کی دو تین نقلیں بھی شایع ہو چکی تھیں۔“

لیکن تاریخی نقطہ نظر سے یہ واقعہ محض غلط ہے۔ زمانہ مابعد میں اس کتاب کا فرضی اضافہ اُس کی تصنیفات میں کیا گیا ہے جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ناصر کے زمانے میں بمقام ماژنرران، ملاحظہ کی گوی حکومت قائم نہ تھی بلکہ ناصر کی رحلت (۶۸۱ھ ہجری) پر ۶۸۲ھ میں حسن صباح نے قلعہ الموت (نواح گیلان) میں ایک شان دار حکومت قائم کی تھی۔ اور علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث نے جو حسن صباح کے جانشینوں میں تھا۔ علامہ نصیر الدین محقق طوسی کو قلعے میں مہمان رکھ کر اپنے عقاید کے مطابق ایک تفسیر لکھوائی تھی چنانچہ پروفیسر براون نے کامل تحقیقات کے بعد لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ روایت اس واقعے کی مسخ شدہ صورت ہے جو حقیقت میں حکیم نصیر الدین طوسی مشہور ہریت دان کو پیش آیا تھا۔ یعنی اسے ملاحظہ نے بہ جبر اپنا مہمان بنایا تھا اور نصیر الدین نے اپنی کتاب اخلاق ناصری فرقہ حناشین کے آخری سردار رکن الدین خورشاہ کے نام سے معنون کی تھی چنانچہ اخلاق ناصری کے بعد کی اشاعت میں وہ اس واقعے کے لحاظ سے معذرت ہی کرتا ہے۔“

میری تحقیقات کے مطابق بھی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ علامہ نصیر الدین - علاء الدین مذکور کے عہد (۶۱۶ھ لغایت ۶۵۲ھ) میں داخل قلعہ ہوئے تھے اور رکن الدین خورشاہ کے زوال حکومت (۶۵۴ھ) پر قلعہ الموت سے نکل کر وطن کو روانہ ہوئے۔ تھے۔

لے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب نظام الملک طوسی تذکرہ حسن بن صباح۔

۱۳۔ **بستان الحقول** | اس کتاب کا دوسرا نام بستان لعقل بھی ہے۔
 زاد المسافرین (صفحہ ۳۳۹) میں ناصر نے اس
 کتاب کا ذکر کیا ہے مستشرقین یورپ اور سالنامہ پارس کی روایت ہے کہ یہ کتاب
 بھی مفقود الاثر ہے۔

۱۴۔ **خوان احوال** | مسجد اباصوفیہ (استنبول) کے کتب خانے میں اس کتاب
 کا ایک نسخہ بہ نمبر ۱۷۷۸، درج فہرست ہے جو ۱۲۶۲ھ کا
 خطوطہ ہے۔ اور غالباً یہ نسخہ بھی بلحاظ نوعیت فرد ہے۔

۱۵۔ **دلیل المتحیرین** | ناصر کی کسی تصنیف میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن بعض
 تذکروں میں یہ نام ہے اور ایک مستشرق روس کو اس کا
 ایک نسخہ ناحیہ سمنگان (بخارا قدیم) میں ملا ہے جو کتب خانہ سنڈیٹ پیٹرس برگ میں
 داخل ہے۔

۱۶۔ **رسالہ در علوم یونان** | یہ رسالہ علوم یونان پر تھا جس کو عبد الجلیل
 نے ناصر کی اجازت سے جلا دیا تھا۔

۱۷۔ **رسالۃ الندامہ فی زاد القیامہ** | یہ رسالہ ذات القیامہ کے نام سے
 بھی مشہور ہے۔ آزاد دہلوی تذکرہ
 نگارستان فارس میں لکھتے ہیں کہ نواح یکان میں تین کتابیں ذات القیامہ،
 مجموعہ فضاہ اور اشہار پائی جاتی ہیں۔ اخیر نام قطعاً غلط ہے تقی الدین محمد
 قاجی نے روسی ترجمے کے ساتھ یہ رسالہ شایع کیا ہے۔ دوئٹری روایت یہ ہے
 کہ عربی سے فارسی میں اس رسالہ کا جو ترجمہ ہوا ہے وہی سرگزشت ناصر خسرو ہے۔

۱۔ نگارستان صفحہ ۲۹ مطبوعہ لاہور۔

۲۔ سالنامہ پارس مطبوعہ ۱۳۳۵ھ

۱۸۔ کنز الحقائق | یہ رسالہ بھی مذہبی تحقیقات میں ہے۔ اکثر تذکروں میں اس کا نام آیا ہے۔

۱۹۔ آفاق نامہ | یہ رسالہ تصوف میں ہے۔ اور صرف سالنامہ پارس میں اس کا ذکر ہے۔

۲۰۔ رسالہ سرگزشت ناصر خسرو | اس رسالے پر تفصیل سے ابتدائی اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔

۸۔ ناصر خسرو کی وفات

تاریخ اور تذکروں میں ناصر خسرو کے سنہ ولادت میں حسب قدر اختلاف ہے، اس سے زیادہ سنین وفات مختلف فیہ ہیں لہذا ان اقوال کا نقل کرنا ہی بیکار ہو البتہ جس طرح سنہ ولادت کا فیصلہ اس کے دیوان سے ہوا، اسی طرح سنہ حلت کی بھی تنقید کی جاگی۔

اس کے قبل لکھا جا چکا ہے۔ کہ ناصر سنہ ولادت اور سنہ وفات | اس کی ولادت ۳۹۲ھ میں ہوئی ہے اور

مستشرقین یورپ نے تقویم التواریخ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ وہ ۳۸۵ھ میں فوت ہوا، اس حساب سے ناصر کی عمر ۸۷ سال قرار پاتی ہے۔ اور بقیہ وایا ۱۲۵ یا ۱۲۰ سال کی محض غلط ہیں۔

ایک خاص اصول | ناصر کی عادت ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سنین کو مسلسل بیان کرتا ہے، چنانچہ جب اس کی عمر ۵۷ سال کی ہو گئی تو اشعار ذیل لکھے۔

بس کن آن قصہ رباب کنوں | زرد و نالاں شدی چور و درباب
چوں نہ بینی کہ مے بدرندت | طمع و حرص و خوئی بد چوکلاپ

پس خویشت کشید پنچہ سال
برامید شراب و آب سراب
گر نئی مست وقت آں آمد
کہ بدانی سَراب راز شراب

اس دور کے بعد جب بڑھاپے کا آغاز ہوا تو حسرت سے کہتا کہ
شصت بار آمدہ نور و زمر جہاں جن سماں نیست اگر شش صد بار آید
اور جب ساٹھ سال سے کچھ اور زیادہ عمر ہو گئی اس وقت یہ شعر کہا
بآب پسند باید شست دل را چو سالت برگزشت از شصت و از اند
اس کے بعد ۶۲ سال کے بھی مختلف اشعار ہیں اور اس اخیر عمر کے بعد خانقاہ
میکان میں وہ مسلسل پندرہ سال مقیم رہا جس کا تذکرہ حالات میکان میں
ہو چکا ہے چنانچہ اس تفصیل کے مطابق ناصر کی عمر ستتر سال کی ہوتی ہے لیکن
یہ تاریخی فیصلہ ہے کہ میکان کے داخلے کے بعد پھر ناصر خانقاہ سے باہر نہیں نکلا
لہذا سب سے پہلے ۸ سال کے صرف دست سال کی تصدیق دیوان سے نہ ہو سکی
چنانچہ اس کا وہی جواب ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یعنی یا ضعف پیری کی وجہ سے
ناصر شاعری سے تائب ہو گیا تھا یا دیوان کا آخری حصہ تلف ہو چکا ہے۔ لہذا
۱۱۰۸ء میں اس کا فوت ہو جانا یقینی ہے۔

ناصر خسرو کی تجہیز و تکفین کے جو حالات سرگزشت
تجہیز و تکفین کا فسانہ ناصر میں درج ہیں وہ عجائب پرستی کا ایک دلچسپ
مجموعہ ہیں۔ چنانچہ یہ روایت اس طرح شروع ہوئی ہے کہ ناصر نے اپنی موت سے

لے اندکے "قدسے زاید" مراد ہو۔ اور بعض اوقات ۳ سے ۹ سال کی مدت شمار کی جاتی ہے۔
سے مذہبی عقاید و خیالات کے علاوہ جو حصہ جنہ (جمع جن) اور ما فوق الفطرت واقعات سے متعلق
ہو وہ سب فرضی اور الحاقی ہے جس کو دور حاضرہ کی تحقیقات نے غلط ثابت کیا ہے۔ خصوصاً غار
میکان کے اندر سے نالکھ اور قبر کا غائب ہو جانا۔

ایک دور روز قبل اپنے چھوٹے بھائی خواجہ ابوسعید کو بلا کر حسب ذیل تقریر کی۔
 برادر م سید! حق سبحانہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور تمام صفات
 کمال سے موصوف ہے اور اس کی ذات زوال و نقصان سے
 منزہ ہے۔

آسمانی کتابیں اور ملائکہ برحق ہیں، محشر اجساد اور
 یوم الحساب بھی برحق ہے اور خدا جزئیات و کلیات کا خالق ہے
 جبرئیل امین کا وحی لے کر آنا اور میدان قیامت میں
 اعمال کی جانچ ہونا اور صراط مستقیم کا قلم ہونا بھی سچ ہے۔
 اور عذاب قبر بھی مسلم ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فضل انبیاء ہیں اور خلق کے
 راشدین میں میرے بزرگوار علی بن ابی طالب علیہ السلام سب سے
 اکرم، فضل اور اشجع (بڑے بہادر) ہیں برادر عزیز! ہاتھ
 نیچب آواز دے رہا ہے کہ میری عمر میں اب صرف ڈیڑھ (۱۶) دن
 اور باقی ہے۔ لہذا یہ میری مدد کا وقت ہے خدا سے دعا کر کہ وہ میری
 مغفرت کرے۔

مجھے اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات مجاہدات پر ذرہ
 برابر بھی بھروسہ نہیں ہے۔ اور نہ میں ان اعمال پر مغرور ہوں اب
 تو صرف رب العالمین سے امید ہے کہ وہ مجھے نہ تو ضایع کرے گا
 نہ میری آبروریزی کریگا۔ کیونکہ خود اس کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَضِيعُ
 أَجْرُ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ اور میں نے اعمالِ حیات میں ایمان
 سب سے بالاتر ہے۔

برادر عزیز! جب میری روح قالب سے پرواز کر جائے اور جب تک تو اپنے ہاتھ سے غسل نہ دے چکے، اس وقت تک میری موت کا اعلان نہ کرنا اور میری قبر اسی غار (کوہ یکان) کے اندر بنانا اور یہ بھی یاد رکھ کہ جس وقت تو گورگنی میں مصروف ہو گا اس وقت دو نفر جن (جو عالم فاضل بھی ہیں) تیرے پاس حاضر ہوں گے وہ ہر تم کی امداد کریں گے تو ان سے کسی مہم کی مخالفت نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ہر مصیبت میں رفیق کار ہوں گے اس کے بعد یکان کے علماء، فضلاء، اور عوام کو میری موت سے آگاہ کرنا نمازِ جنازہ کے بعد جب سب لوگ چلے جائیں تو میری میت کو جنوں کی مدد سے قبر میں اتارنا اور عجز و انکسار سے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنا کہ، "اے میرے مولا! تیرا گناہ گار بندہ در دولت پر حاضر ہو۔ اُس پر اپنی رحمت نازل فرما اور قبر میں اتارتے وقت کہنا: **بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلَىٰ صَلٰتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ**" اس کے بعد قبر کو بند کر دینا۔

برادر عزیز! تجھیز و تکھین کے بعد فوراً یکان کی سکونت

ترک کر دینا۔ اور جانے سے قبل غار کے دروازے پر ۱۳×۱۳ (سیزدہ درسیزدہ) کا نقش کھینچنا اور یہ شیشہ جو میں تیرے سپرد کرتا ہوں، اس میں سے تھوڑا پانی لیکر دروازے پر چھڑک دینا اور شیشہ توڑ ڈالنا اس وقت تجھ کو قدرتِ خداوندی کا کرشمہ نظر آئے گا۔

ابو سعید کہتا ہے کہ وصیت کے بعد ناصر نے ایک لمبی مناجات

شروع کی، جب وہ خاتمے پر پہنچی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
 تَوَكَّلْتُ عَلَىٰ رَبِّ السَّمَاءِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ
 میں نے بھی کئی مرتبہ ان کلمات کا اعادہ کیا اب میں اس امید
 میں تھا کہ غیب کے واقعات مشاہدہ کروں گا۔ لیکن بھائی جان!
 مناجات کے بعد خاموش ہو گئے اور میری طرف مطلق التفات
 نہیں کیا، کیونکہ اب اُن پر عالم نزع طاری تھا۔ موتیوں کی طرح
 پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا اور آنکھیں بند ہوتی جاتی
 تھیں کہ اسی حال میں ناصر نے پھر آنکھیں کھولیں اور ایک قہقہہ
 لگایا اس کی بے ساختہ ہنسی سے میں بہت مسرور ہوا اس کے بعد
 ناصر نے میری طرف شفقت آمیز نظروں سے دیکھا جیسے کوئی
 عاشق اپنے محبوب کو دیکھتا ہو۔ پھر کلمہ طیبہ پڑھا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلَىٰ وَٰلِي اللَّهِ" پھر اس کی آنکھوں سے آنسو
 جاری ہو گئے میں نے غور سے دیکھا تو روح تن سے جدا ہو چکی ہو
 یہ حال دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا، کچھ وقفے کے بعد جب ہوش
 آیا تو وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین میں مصروف ہوا، اور وہ
 تمام واقعات رونما ہوئے جن کی برادر رحم نے اطلاع دی تھی
 چنانچہ بعد فراغ تجہیز و تکفین، میں بھائی کی قبر سے لپٹ کر خوب

لے عجائب خانہ لندن میں ہمہ تن ضرر شدہ جو مریضی کپڑوں کے ٹھیلے سے ہیں اس میں ولی اللہ کے
 بعد صل... مستنبر باللہ امیر المؤمنین۔ صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آباءہ الاکرام میں بطاھر
 وابتداء الملتظرین کے الفاظ موجود ہیں جس ظاہر سے کہ آئینہ سلف کے بعد ان پر درود پڑھا جاتا تھا۔
 رائل ایشیاٹک جرنل مطبوعہ اپریل ۱۹۰۸ء لندن ۱۹

رویاء اور نصحت کے وقت غار کے دروازے پر تیرہ کا نقش
کندہ کیا اور شیشے سے پانی چھڑک کر اسی جگہ نیشہ توڑ دیا اس
وقت مجھے نظر آیا کہ گویا صبح صادق کا وقت ہے۔

غار کا دروازہ نظر سے اوجھل ہو گیا اور پہاڑوں کی قدرتی
دیوار نے قبر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

یہ دلچسپ کہانی ناظرین کی تفریح کے لئے لکھی گئی ہے اور صبح واقعہ یہ ہے جو شمس العلماء
محمد حسین آزاد و طہوی کے الفاظ میں تحریر کیا جاتا ہے۔

راقم نے سفر بدخشاں (۱۸۸۵ء) میں ناصر کی قبر کو خود جا کر دیکھا
ایسی دلچسپ اور دل فرما جگہ ہے کہ وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا
فیض آباد دار الخلافہ بدخشاں سے یہ مقام دو منزل کنارہ جنوب
و مشرق میں ہے۔ یہ علاقہ میکان کہلاتا ہے، جہاں ناصر کی اولاد
موجود ہے اہل بدخشاں اور درو دراز ملکوں کے لوگ ناصر سے بہت
اعتقاد رکھتے ہیں اور خود بادشاہ وقت نقد و جنس گھوڑے
وغیرہ (قبر پر) نذر چڑھاتا ہے۔

ناصر خرد کو فوت ہوئے آج تک آٹھ سو اٹھتر سال گزر چکے اور ہنوز اس
کی قبر زیارت گاہ فلاقی ہے۔ آزاد کی غیبی شہادت کے بعد روایت مذکورہ بالا
کی غلطی ظاہر ہے اور میری رائے میں یہ مخصوص روایت (قبر کا غائب ہو جانا)
سرگزشت ناصر خرد میں الحاقی ہے، کیونکہ اس عہد میں بزرگان دین اور صدیق
کرام کے حالات میں خرق عادت اور کرامات کا لکھنا لازمی تھا۔

خَاتَبَةُ

شبِ فِتْ حَدِيثِ مَا بِيَايَا نَرْسِيدِ
 شبِ رَاچِهْ كُنْدِ حَدِيثِ مَا بُو دُورَا زِ

حکیم ناصر خسرو علوی، اخیر چوتھی صدی ہجری کی سعدی پیداوار میں ایک درخشاں اور بے بہا کوہ نور تھا، یہ وہ دور تھا کہ حکیم ابو علی سینا کے فضل و کمال کا آفتاب بڑھاپے سے، خراسان میں مائل بہ غروب تھا۔ اور ناصر عالم شباب کی منزلیں طر کرنا ہوا، مجلس حکما میں داخل ہو رہا تھا اور یہ واقعہ جو کہ پانچویں صدی میں اس کا فلسفہ اور شاعری ایک زندہ علمی قوت تھی۔ جس کی بدولت عہد ماضی کی آج یہ شاندار یادگار قائم ہو رہی ہے۔ اور نظام عالم یہی ہے کہ بقائے دوام کے دربار میں جب ایک کرسی خالی ہوتی ہے، تب دوسرا باکمال باستحقاق اس پر متمکن ہوتا ہے۔

ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مجھے برسوں ناصر خسرو سے شرف ہم کلامی (یہ معنوی نسبت تھی) حاصل رہا ہے، لیکن کچھ مدت کے لئے گفت و شنود کا دروازہ بند ہو گیا تھا، مگر الحمد للہ کہ وہ سالہ میں گم شدہ رُسنیق مل گیا۔ اور علمی صحبتیں از سر نو گرم ہو گئیں اور میری فرمائش پر اس غریب وطن حکیم نے اپنی عبرت انگیز سوانح عمری سنائی جو اس کے الفاظ میں تحریر کی گئی ہے۔

لے تصنیفات ناصر مراد ہیں جو مقدمے کا ماخذ ہیں۔

اس موقع پر میرا یہ بھی فرض ہے کہ مستشرقین یورپ کی علمی زندگی اور قد زانی کا شکریہ ادا کروں کیونکہ جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا وہ انہوں نے کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں ناصر خسرو کو سب سے پہلے پروفیسر ریو اور برٹش نے زندہ کیا اور اس کی بعض تصنیفات پر ریو لیکر تے ہوئے ناصر کا اہل مشرق سے تعارف کرایا، اس کے بعد پروفیسر شیفر نے سفر نامہ مغرب کا فرینچ میں ترجمہ کر کے نوٹا دیوایخ کے ساتھ شایع کیا۔

ادمان فاگنان فرانسوی اور استاد ہرمان آتہ ڈیٹھی نے مثنوی سعادت

نامہ اور مثنوی روشنائی نامہ کو فرینچ اور جرمنی میں اصل متن فارسی اور سوانح کے اشاعت کی اور ایٹھی نے برٹش میوزم کی فہرست کتب فارسی مرتب کرتے وقت دیوان ناصر خسرو کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کر کے سب سے اول یہ ثابت کیا کہ اس کی ولادت ۱۲۹۹ھ میں ہوئی ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ براؤن انگلشی نے زاد المسافرین کو تصحیح کر کے طبع کرایا اسٹیملا گارڈ اور ڈی ساسی نے ناصر خسرو کے قیام مصر کے مکمل حالات، اور عقاید باطنیہ لکھے افسوس ہے کہ میں مغربی زبانوں سے محروم ہوں بدیں و جہان عالمانہ اور محققانہ تبصروں سے مستفید نہ ہو سکا اور مجبوراً ناصر کی سوانح حیات خود لکھنا شروع کی، اس وقت میرے سامنے شمس العلماء عالی کا ایک مختصر مقدمہ موجود تھا اور اس کے علاوہ حسب ذیل قدما کی تصنیفات پیش نظر تھیں۔

۱۔ جامع التاریخ رشید الدین فضل اللہ مطبوعہ پیرس

۲۔ حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم مطبوعہ بمبئی

۳۔ دبستان مذاہب جلد دوم مطبوعہ کلکتہ

۴۔ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی مطبوعہ ہالینڈ۔

۵۔ آتش کردہ آذر۔ مطبوعہ بمبئی

لیکن ان کتابوں میں بھی ناصر کی حیات کا سرمایہ بہت ہی قلیل تھا۔ چنانچہ اس ضرورت سے تصانیف ناصر خسرو فراہم کی گئیں جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سفر نامہ ناصر خسرو مترجمہ پروفیسر شیفر بزبان فرینچ مطبوعہ پیرس

۲۔ سفر نامہ قلمی کتب خانہ لوہارو۔

۳۔ سفر نامہ مع مقدمہ خواجہ حالی مطبوعہ دہلی۔

۴۔ سفر نامہ مطبوعہ طہران

۵۔ سفر نامہ مطبوعہ برلن (جرمنی)

۶۔ ترجمہ انگریزی سیاحت مصر و شام مترجمہ GUYLE-STRANGE

مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء

۷۔ سفر نامہ قلمی ایشیا ننگ سوسائٹی کلکتہ

۸۔ مثنوی روشنائی نامہ مطبوعہ برلن۔

۹۔ مثنوی سعادت نامہ مطبوعہ برلن۔

۱۰۔ زاد المسافرین مطبوعہ برلن۔

۱۱۔ وجہ دین

۱۲۔ دیوان ناصر خسرو فارسی مطبوعہ طہران ۱۳۱۲ھ

۱۳۔ منتخب دیوان ناصر خسرو مطبوعہ بمبئی

۱۴۔ سرگزشت ناصر خسرو (جو شامل دیوان مطبوعہ بمبئی ہے) ان کتابوں

لئے ان سات سفر ناموں کے علاوہ دو قلمی نئے موجودہ پیرس لاٹیری بھری ۱۵۲۳ء و ۱۵۲۴ء

بھی گویا اپنی نظر تھے۔ کیونکہ سفر نامہ مطبوعہ برلن میں ان نسخوں سے حرف بحرف مقابلہ کر کے اختلاف

نسخ حاشیہ پر لکھوایا گیا ہے چنانچہ میں نے ترجمہ کرتے وقت ان حواشی سے بھی فائدہ

اٹھایا ہے۔

کے مطالعے کے بعد یہ رائے قائم ہوئی کہ ناصر کے سوانح حیات کی بنیاد خود اسی کی تصانیف پر رکھی جائے اور جو کچھ میں نے لکھا ہے بقدر امکان اس کی تصدیق دوسری کتابوں سے بھی کی جائے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ جو اصول قائم کیا گیا تھا اس میں کامیابی ہوئی اور ایک سہ ماہی کی محنت میں مقدمہ مکمل ہو گیا، جو سوانح عمری کی شکل میں نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ تذکرہ مکمل ہے۔ البتہ آئندہ زمانے میں ناصر کی بقیہ قلبی تصنیفات شایع ہوں تو اس وقت حیات ناصر خسرو پر کسی قدر اضافہ ممکن ہے، لیکن یہ اضافہ بھی مذہبیات تک محدود رہے گا۔

اب انجمن ترقی اردو ہند کی جانب سے علمائے یورپ کی خدمت میں یہ ناچیز ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ ع

گر قبول افت رز ہے عود و شرف

خاتمے پر میں اپنے عزیز دوست مولوی محمد حسین محوی لکھنوی کا شکر یہ ادا کرتا ہوں جن کی تحریک پر ترجمہ سفر نامہ بعد تکمیل شایع کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد مگر می ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکر پٹری انجمن ترقی اردو کا بھی شکر گزار ہوں جن کی ذات گرامی تمام ہندوستان میں خدمات اردو کے لئے ایک مستقل اکاڈمی کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر مولانا کی علمی قدر وانی میری دستگیر نہ ہوتی تو برسوں کے لکھے ہوئے اجزاء اردیک کی نذر ہو جاتے، اب خدائے عجل سے یہ دعا ہے کہ مثل ”البراکہ“ و ”نظام الملک طوسی“ کے الممالک (ترجمہ سفر نامہ) کو بھی ملک میں شرف قبولیت حاصل ہو۔ آمین۔

المرقوم ۲۰۰۰ شوال یوم پنجشنبہ ۱۳۵۹ھ
مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۴۳ عیسوی

خاکسار: محمد عبدالرزاق مترجم و محقق سفر نامہ
ہتم تاریخ گورنمنٹ بھوپال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ دولت سلجوقیہ کا آغاز
ناصر خسرو کی ملازمت

ابو معین الدین ناصر بن خسرو قبادیانی، مرفزی
(خدا اس کو توبہ کی توفیق دے) عرض کرتا ہے
کہ میرا اصلی پیشہ محترمی (ملازمت دفتر انشا)

ہی اور من جملہ ملازمان مالی و ملکی کے میں بھی (صدر) دفتر مال کا ایک عہدہ دار
تھا۔ اور عرصہ تک خدمت مقررہ (مستوفی الملک) پر ممتاز رہ کر میں نے اپنے
ہم عصروں میں بھی خاص شہرت حاصل کی تھی، بعد ازاں ربیع الآخر ۴۳۷ھ (اکتوبر ۱۰۴۵ء)
میں افسر مال (دعالم) ہو کر دار الحکومت مرو (شاہ جان) سے روانہ ہوا، اور
پنج دہائی (مضافات مرو رود) میں قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ابوسلیمان چغری بک
داؤد بن میکائیل بن سلجوق صوبہ خراسان کا والی (گورنر) ہے۔

میں جس روز پنج دیہ پہنچا ہوں، وہ راس من شترمی کے قرآن کا دن تھا۔
(نجومی کہتے ہیں کہ اس ساعت میں جو مراد مانگو، باری تعالیٰ پوری کرتا ہے) لہذا میں
نے بھی ایک گوشہ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ ”خدا دندا! مجھے
بھی اصلی دولت سے مالا مال کر دے۔“

(نماز سے فارغ ہو کر) جب میں جلسہ احباب میں آیا تو ایک صاحب
فارسی شعر گنگنا رہے تھے، اس وقت مجھے بھی ایک شعر یاد آیا اور جی چاہا کہ اس

لے عہدہ کی تشریح ناصر خسرو کی سوانح حیات میں موجود ہے اور الفاظ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

کے پڑھنے کی فرمائش کروں اس لیے ایک کاغذ پر میں نے وہ شعر لکھا۔ لیکن ہنوز
پرچہ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ میرے دوست نے وہی شعر پڑھنا شروع
کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو میں نے اپنے حق میں مبارک فال سمجھا اور خیال کیا کہ
”خداوند تعالیٰ نے میری آرزو پوری کر دی۔“ پھر میں بیچ ویسے سے جوڑ جانان
ردانہ ہوا اور یہاں تقریباً ایک مہینہ قیام کیا۔

۲۔ ناصر خسرو کا ایک خواب | میں شراب نوشی کا عادی تھا، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
تَوَلَّوْا الْحَقَّ وَكُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ
اور
نئی زندگی کا آغاز

سچی بات کہو اگرچہ وہ تمہارے حق میں مضر ہی کیوں نہ ہو۔
ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے کہ رہا ہے کہ ”ناصر!
یہ شراب جو انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، کب تک پیسے جاؤ گے؟ اگر آپ
میں رہو تو بہتر ہے۔“

میں نے جواباً عرض کیا کہ ”شراب کے سوا حکمانے کوئی ایسی شے ایجاد
ہی نہیں کی جو غم غلط کرنے والی ہو۔“ جواب دیا کہ ”بیخودی اور بے ہوشی میں
بھی کہیں راحت ملتی ہے؟ تم اس کو حکیم مت کہو جو ہوشیاروں کو متوالا
بنادے بلکہ حکیم سے ایسی شے مانگو جو عقل و ادراک میں اضافہ کر دے۔“ تب
میں نے سوال کیا کہ ”وہ شے کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے؟ فرمایا ”جو ڈھونڈتا
ہو وہ پایا جاتا ہے۔“ اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے چُپ ہو رہا۔

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو رات کا سماں مین نظر تھا اس لیے

لے ناصر خسرو افسر مال ہو کر جوڑ جانان آیا تھا۔ لیکن خواب دیکھتے ہی وہ مکہ معظمہ کو روانہ ہوا اور
ملازمت سے استعفا دے دیا۔

مجھ پر پورا اثر ہوا اور دل میں فیصلہ کیا کہ جب میں شب گزشتہ کے خواب سے جاگ
 بچکا ہوں تو خواب چہل سالہ سے بھی آنکھیں کھولنا چاہیے۔ غور کرنے سے سمجھ میں آیا
 کہ جب تک میں قدیم عادتیں نہ چھوڑوں گا، کبھی روحانی مسرت حاصل نہ ہوگی۔
 پنجشنبہ کے دن پھٹی تاریخ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ (دسمبر ۱۹۱۵ء)
 مطابق نصف دو سال تیز و جردی (سنائے فارسی) کو میں نے غسل کیا اور
 مسجد میں جا کر نماز پڑھی اور دعا کی کہ:-

”او بزرگ و برتر خدا! مجھے توفیق دے کہ واجبات ادا

کروں اور منہیات شرعیہ سے باز رہوں، کیونکہ تیرا حکم بھی یہی ہے“
 پھر جو زجانان سے شب بٹورغان واپس ہوا، رات کو موضع باریاٹ (فاریاب)
 میں قیام کیا۔ یہاں سے سنکلاں دطالقان ہو کر مرو رود آیا اور اس منزل
 سے روانہ ہو کر مرو (شاہ جان) میں داخل ہوا۔ اور ملازمت سے استفادے کے
 جمع خرچ بچھا دیا اور پوچھنے والوں سے کہ دیا کہ خانہ کعبہ کا عزم ہی چنانچہ اسباب
 معیشت سے بقدر ضرورت لے کر باقی سب چھوڑ دیا۔

۳۔ ناصر خسرو کی سیاحت کا آغاز | تیسویں شعبان ۱۳۳۷ھ (فروری
 ۱۹۱۶ء) کو سفر نیشاپور کا قصد کر کے مرو (شاہ جان) سے رخصت ہوا۔ اور
 تیس فرنگ طو کر کے سرخس میں پہنچا۔ یہاں سے نیشاپور کا فاصلہ چالیس فرنگ
 ہے۔

۴۔ نیشاپور | شنبہ کے دن گیا اڑھویں شوال (اپریل) کو نیشاپور میں
 داخل ہوا۔ اس مہینہ کے آخری چار شنبہ کو سورج گہن پڑنے والا تھا۔ طغرل
 بک محمد برادر چغری بک داؤد بہ حیثیت فرمانروا حکمران تھا۔ اور اس کے حکم
 سے بازار سترجان کے قریب ایک نئے مدرسہ کی عمارت بن رہی تھی۔

اور وہ خود پہلی مرتبہ اصفہان کی مہم پر گیا ہوا تھا۔

قوس | دوسری ذیقعدہ (مئی) کو نیشاپور سے خواجہ موقوف (متمد دارالانشا سلطان طغرل بک سلجوقی) کے ہمراہ کوئٹہ کے راستہ سے قوش میں آیا اور حضرت شیخ مایزید البٹامی قدس اللہ روحہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔

جمعہ کے دن ۸۔ ذیقعدہ کو قوس سے دامنغان روانہ ہوا اور غرہ ذی الحجہ ۳۳۷ھ (جون) کو آب خوری و چاشت خوران کے راستہ سے سمنان میں داخل ہوا اور یہاں عرصہ تک قیام رہا۔

علی نسائی اور ناصر خسرو کی گفتگو | سمنان میں (لطف صحبت کے لیے) اہل علم کی جستجو کرتا رہا، لوگوں نے

ایک شخص کا پتہ بتایا جو استاد علی نسائی کے نام سے مشہور تھا۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا یہ ایک جوان آدمی تھا، کاکلیں شانہ پر پڑی ہوئی تھیں اور دیلمی لہجہ میں فارسی بولتا تھا، سامنے طلبہ کا ہجوم تھا۔ ایک جماعت اقلیدس پڑھ رہی تھی، دوسری طب، تیسری حساب۔ اور دورانِ تقریر میں یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ ”میں نے استاد ابو علی سینا رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح پڑھا ہے اور یوں ہی سنا ہے“ اس جملہ سے حضرت کی یہ غرض تھی کہ مجھے معلوم ہو کہ وہ حکیم ابو علی سینا کا شاگرد ہے۔ استاد علی نسائی سے جب میرا مباحثہ شروع ہوا، تو کہنے لگا کہ میں مطلق حساب نہیں جانتا ہوں، اس لیے آرزو ہے کہ کسی قدر حساب پڑھوں۔ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا اور حلقہ درس سے اٹھ کر چلا آیا اور خیال کیا کہ جب یہ خود ہی کچھ نہیں جانتا ہے، تو وہ دوسروں کو کیا سکھائے گا؟

میرے تخمینے کے مطابق بلخ سے رتے تک ساڑھے تین سو فرسنگ کی مسافت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رے سے سادہ تین سو فرسنگ ہے اور سادہ سے

ہمدان بھی اسی قدر ہے اور رے سے سپاہان (اصفہان) پچاس فرسنگ ہے اور آمل سے تین فرسنگتے ہی۔ رے اور آمل کے مابین کوہ دماوند مثل ایک گنبد کے نمایاں ہے جس کو لواسان کہتے ہیں (دماوند یا لواسان کوہ البرز کی شاخ ہے)

معدنیات دماوند بیان کیا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک کنواں ہے جس سے نوشادر (نوسادر) نکلتا ہے اور گندھک

بھی۔ ملکی باشندے بیل کا چرسہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس میں نوشادر بھر کر پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلکا دیتے ہیں، کیونکہ پہاڑی راستہ سے اس کا لانا غیر ممکن ہے۔

پانچویں محرم ۳۲۸ھ (جولائی ۹۳۶ء) مطابق مرداد ۳۱۱ھ کو میں جانب قزوین روانہ ہوا۔ اور موضع قوتہ میں پہلی منزل ہوئی۔ اس زمانہ میں یہاں قحط تھا، پونے دو سیر جو کی روٹی ڈلو درہم آٹھ آنے کو بچتی تھی۔

قزوین یہاں سے آگے بڑھا۔ نویں محرم کو قزوین پہنچا۔ اس شہر میں باغات کی افراط ہے مگر باغوں میں چار دیواری (فصیل) کا دستور نہیں ہے۔ اور نہ کانٹوں کا جنگلہ (خار بندی) لگایا جاتا ہے، لیکن باغات کے اندر جانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی۔

قزوین خوبصورت شہر ہے جس کی فصیل مضبوط ہے اور اس پر کنگرے بنے

۱۔ اصلی جلد یہ ہے کہ ”آنجا یک من نان جو بد درہم میدادند“ عراق عجم میں من کی مقدار ناصر خسرو کے زمانہ میں ۱۳ پونڈ (پونے دو سیر) تھی۔ اور تمام سفرنامہ میں ہزاروں من کی مقدار اسی حساب سے ہے۔ لہذا جہاں ضرورت ہو اسی معیار سے حساب لگایا جائے۔ ایران میں ایک نجر یا گدھا ستا من بوجھ لے جاتا ہے جس کو خروار، خربار یا باخر کہتے ہیں۔ شہد ہیں

۴۳۹ پونڈ، ۳۲۴ سیر یا آٹھ من ۴ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ (ازخیا بن فارس)

۱۔ ایک درہم کم از کم چار آنے کا تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ تقریبی سکے تھے۔

ہوئے ہیں، بازار بھی اچھے ہیں، البتہ پانی کی قلت ہو اور کاریزوں (زمین دوزنہری) پر بہم رسی منحصر ہو۔ حاکم شہر ایک علوی تھا اور ضاعون میں سب سے زیادہ جوتے بنانے والے تھے۔

بارھویں محرم ۳۳۵ھ کو درہیل و تبن کے راستے سے) ایک بقال کی احمقانہ گفتگو

میں قزوین سے روانہ ہوا، اور ایک موضع میں جس کو خرزویل کہتے ہیں پہنچا۔ میرا چھوٹا بھائی (خواجہ ابوسعید) اور ایک ہندوستانی چھوکر اساتھ تھا۔ سامان خوراک میں کمی ہو گئی تھی لہذا ابوسعید بقال سے کچھ چیزیں خرید کرنے کے لیے گاؤں میں گیا۔ ایک شخص نے کہا میں بقال ہوں، فرمائیے! ابوسعید نے کہا ہم مسافر ہیں، سب ہی چیزوں کی ضرورت ہے، پھر کھانے کی ایک چیز کا نام لے کر دریافت کیا تو جواب دیا کہ ان میں سے تو کچھ بھی نہیں ہو۔ اس کے بعد جہاں کہیں کوئی شخص ایسی باتیں کرتا تو ہم یہی کہتے کہ یہ خرزویل کا بقال ہو۔

خرزویل سے آگے کا راستہ بہت ڈھلوان تھا، تین فرسنگ کے بعد طارم | علاقہ طارم کا ایک گاؤں ملا جس کا نام ہرز الخیر تھا، یہ گرم سیر مقام تھا انار و انجیر کے درخت بکثرت تھے۔ جن میں سے اکثر خود رو تھے۔ یہاں سے چل کر ایک ندی ملی، جس کا نام شاہ رود تھا اور اس ندی کے کنارے گاؤں آباد تھا، جس کو خنداں کہتے تھے۔ یہاں محصول لیا جاتا تھا، یہ علاقہ ملک الملوک راز خاندان سلاطین و علم کے قبضے میں تھا۔

دریائے آبکون کی مشہور ندیاں اور جزیرے شاہ رود، خنداں سے

۱۰ ملک ایران میں بقال بمعنی سبزی فروش ہے۔ اور ہندوستان میں غلہ فروش کو کہتے ہیں

حالانکہ اس معنی میں صحیح لفظ بڈال ہے۔

لگے بڑھ کر دوسری ندی میں مل جاتی ہے جس کو سپیڈ وو کہتے ہیں اور یہ دونوں ندیاں مل کر ایک پہاڑی درے میں گرتی ہیں جو کہ گیلان کے پورب جانب واقع ہے اور گیلان سے آگے چل کر یہ ندیاں دریائے آبسکون میں مل جاتی ہیں۔ مشہور ہے کہ چودہ سو ندیاں، آبسکون میں گرتی ہیں اور یہ دریا بارہ سو فرسنگ تک بہتا ہوا چلا گیا ہے جس میں جزائر بھی ہیں اور بڑی آبادی ہے۔ میں نے یہ روایتیں متعدد اشخاص سے سنی ہیں۔ (اب میں پھر اپنے سفر کی داستان شروع کر کے کام میں مصروف ہوتا ہوں)۔

شمیران | خنداں سے شمیران تک تین فرسنگ کا ایک چھوٹا سا جنگل ہے جو بالکل پتھر پلا ہے اور شمیران، علاقہ طارم کا ایک قصبہ ہے۔ آبادی کے کنارے ایک بلند قلعہ ہے، جس کی بنیاد ایک پہاڑی چٹان پر ہے اور اس کے گرد تہری فصیل ہے اور قلعہ کے وسط سے ندی کے کنارے تک آب رسانی کے لیے ایک کاریز کاٹ کر لے گئے ہیں۔ اور اس قلعہ میں سرحدی قبائل کے سرداروں کے ایک ہزار (۱۰۰۰) کے (بطور رعنا یا اول) موجود رہتے ہیں تاکہ کوئی سردار بغاوت نہ کر سکے۔ ولایت ولیم میں اس امیر کے بہت سے قلعے بیان کیے جاتے ہیں، انصاف اور امن و چین کا یہ حال ہے کہ تمام ملک میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ کسی سے جبراً کچھ وصول کر سکے اور جامع مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں وہ سب مسجد کے باہر جتے چھوڑ آتے ہیں اور کوئی جوڑا چوری نہیں جاتا۔

امیر ابراہیم ملقب بہ جستان | یہ امیر اپنا نام کاغذات سرکاری میں والی جبال طبرستان | اس طرح پر لکھتا ہے۔ مرقہ بان الدلیلم

لے مساجد سے جوڑوں کی چوری زمانہ قدیم سے جاری ہے اور ہندوستان میں یہ چوری عام طور سے ہوتی تھی تاہم خرد کے نزدیک مسجد کے باہر سے جوئے چوری نہ جانا بہترین سیاست اور انتظام حکومت ہے۔

خیل جیلان ابوصالح مولی امیر المومنین۔ اور امیر کا نام جستان ابراہیم ہے۔
 شمیران میں ایک مرد صالح سے ملاقات ہوئی جو در بند کا باشندہ تھا
 اس کا نام ابوالفضل خلیفہ بن علی الفیلوف تھا۔ یہ بہت خلیق تھا، جس نے
 میرے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ میرا اس کا مباحثہ بھی ہوا کرتا تھا اور باہم
 دوستی ہو گئی تھی، ایک دن مجھ سے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا ”خانہ
 کعبہ کی نیت کر چکا ہوں“ یہ سن کر بولا ”میری آرزو ہے کہ واپسی کے وقت اسی
 راستہ سے جانا کہ دوبارہ لطف ملاقات حاصل ہو“ پھیسویں محرم کو شمیران سے
 چل کر چودہ صفر کو شہر سمراب میں داخل ہوا اور سوٹھویں صفر کو یہاں سے
 روانہ ہو کر سعید آباد کے راستے سے بیسویں صفر ۳۳۸ھ (اگست ۱۰۲۶ء)
 کو تبریز پہنچا، آج شہر لوریزد جری (دستبر) کی پانچویں تاریخ تھی۔

تبریز صوبہ آذربائیجان کا ایک شہر ہے۔ اور خوب آباد ہے۔ میں نے
 اس کی پیمائش کی تو طولاً و عرضاً چودہ سو قدم تھا۔

ملک الملوک امیر ابو منصور
 فرما زوائے آذربائیجان کا نام خطبہ میں
 اس طرح پڑھا جاتا ہے۔ ”الامیر الاجل
 سیف الدولہ، شرف الملة ابو

منصور ہسودان بن محمد مولی امیر المومنین ؑ

باشندگان شہر سے معلوم ہوا کہ پچھنہ کی رات میں نماز عشا کے بعد
 ستر ٹھوس تاریخ رجب الاول ۳۳۸ھ (اکتوبر ۱۰۲۶ء) کو (ایام مشترکہ
 میں یہاں زلزلہ آیا تھا جس میں شہر کا کوئی حصہ تو تباہ ہو گیا تھا اور کوئی حصہ محفوظ
 رہ گیا تھا، تاہم بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسان ہلاک ہوئے تھے۔

۱۰۲۶ء کے لیے نوٹ ۱۵۔ سنہ یزد جری ملاحظہ ہو

قطران شاعر | تیرز میں قطران شاعر سے ملاقات ہوئی۔ یہ شعر تو خوب کہتا
سے ملاقات | تھا مگر فارسی زبان اچھی نہیں جانتا تھا۔ جب مجھ سے ملنے
آیا تو دیوان منجیکٹ اور دیوان وقیقہی کے ساتھ ہٹنا چنانچہ ان میں سے اشعار سنائے
اور شکل الفاظ کے معنی حل کر کے لکھ لیے اور اپنے شعر بھی سنائے۔

چودھویں ربیع الاول (ستمبر ۱۲۶۷ء) کو ^{۵۱}مرد کے رات سے امیر دہسودان
کی فوج کے ہمراہ روانہ ہوا اور خمی پہنچ کر ایک رہ نما کے ہمراہ برکری تک آیا خمی
سے برکری تین فرسنگ ہی۔

بارہویں جمادی الاول (نومبر) کو میں برکری میں داخل ہوا (صوبہ آذر
باجان ختم ہو گیا) اور یہاں سے ^{۵۲}وان اور دستان میں پہنچ گیا۔

وان | بازار میں برکری کے گوشت کی جگہ ^{۵۳}سور کا گوشت فروخت ہو رہا تھا اور
شراب کی دکانوں پر مرد اور عورتیں علانیہ شراب نوشی میں مصروف تھیں، یہاں
سے چل کر اٹھا رھویں جمادی الاول کو اخلاط پہنچا۔

اخلاط | اسلامی اور ارمینی علاقہ کا ^{۵۴}اخلاط سرحدی شہر ہے۔ برکری سے یہاں
تک انیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اخلاط میں ایک امیر رہتا تھا جس کو نصر الدولہ کہتے
تھے اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی اور کثیر الاولاد تھا اور ہر لڑکے کو جدا گانہ
شہروں کی حکومت دے رکھی تھی۔

اخلاط میں عربی، فارسی، ارمینی تینوں زبانیں بولی جاتی تھیں اور میرا
گمان ہے کہ اخلاط زبان کی وجہ سے اس شہر کا نام اخلاط ہے، یہاں لین دین پول
سے ہوتا ہے اور رطلی کی مقدار تین سو درہم ہے۔

بیسویں جمادی الاول کو اخلاط سے چل کر ایک جہان خانہ (رباط) میں ٹھہرا
برف گر رہی تھی اور شدت کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ شہر سے نکل کر جنگل میں تھوڑے تھوڑے

فاصلہ پر زمین میں لکڑیاں گڑھی تھیں تاکہ برف باری اور کھڑکے دن مسافر اسی نشان پر چلیں۔

بَطْلِس | اخلاط سے بطلس میں آیا، یہ شہر ایک پہاڑی درے میں آباد کیا گیا ہے یہاں میں نے تین من تین سیر شہد ایک دینار میں خرید کیا اور یہ وہ نرخ ہے جس پر میرے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا، لوگوں کا بیان تھا کہ اس شہر میں ایک تاجر ہے جو تمام سال میں تین چار سو شکس شہد بھر لیتا ہے۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہونے راستہ میں ایک قلعہ دیکھا جس کو قِفُّ الطر کہتے تھے، یہاں سے چل کر ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک مسجد تھی اور جس کی نسبت مشہور تھا کہ وہ حضرت اولیس قرنی قدس اللہ روحہ کی تعمیر کردہ ہے۔

عریاسرو کوہی | اس نواح میں دیکھا کہ لوگ پہاڑوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور ایک لکڑی جو درخت سرو سے مشابہ تھی کا ٹکڑا جمع کرتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کس کام آتی ہے؟ جواب دیا کہ ہم اس کو ایک سرے سے جلاتے ہیں جس کے دوسرے سرے سے قطران (روغن چیر) نکلتا ہے جس کو اول ہم ایک حوض میں جمع کرتے ہیں پھر برتنوں میں بھر لیتے ہیں اور فروخت کے لیے) دوسرے شہروں میں لے جاتے ہیں۔

اخلاط کے بعد جن مقامات کا یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے وہ سب علاقہ مینا قارقین میں داخل ہے۔

ارزن | یہاں سے شہر ارزن میں آیا، یہ خوبصورت اور آباد شہر ہے۔ پانی کے چشمے، باغات اور درختوں کی کثرت ہے اور بازار بھی اچھے ہیں۔ ماہ آذر (دسمبر) میں سات من دو سیر انگور ایک دینار میں فروخت ہوتے ہیں۔

لہ اس کا لفظی ترجمہ فارسی میں بالیست ونگرہ اور اردو میں ٹھیر، دیکھ۔

جس کا نام رزائے مانوش (قیصر مانوش کا انگور) ہے۔

ازرن سے متیقار قین میں داخل ہوا، اخلاط سے مینا فار قین
مینا فار قین تک اٹھائیس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور بلخ سے مینا فار قین جس
 راستے میں آیا تھا، تک پان سو باون فرسنگ کی مسافت ہے۔

جمعہ کا دن اور چھبیسویں تاریخ جمادی الاول کی تھی ان دنوں میں درختوں
 کے پتے سبز تھے۔ ایک زبردست فصیل سنگ سفید کی بنی ہوئی تھی جس کا ہر پتھر
 وزن میں تقریباً ۱۹ من ہوگا اور ہر سچاس گز کے فاصلے پر مذکورہ بالا پتھر کا ایک بڑا
 برج بنا ہوا تھا اور تمام کنگروں کی کلسیاں برقرار تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
 ابھی معمار کام کر کے اٹھا ہے۔

شہر میں جانب مغرب آمد درفت کے لیے ایک ہی دروازہ ہے جس میں
 پتھر کی ایک شاندار محراب ہے اور لوسے کا پھانک نصب ہے جس میں لکڑی کا نام
 نہیں ہے اور جامع مسجد بھی ہے۔ اگر اس کی تعریف لکھوں تو طوالت سے خالی نہیں
 مختصر یہ ہے کہ مسجد کا وضو خانہ اس قدر بڑا ہے جس میں چالیس سے زیادہ حجرے
 ہیں۔ شہر کے ہر گھر میں دو بڑی نہریں جاری ہیں، ایک کا پانی اوپر کے کاموں میں
 صرف ہوتا ہے اور دوسری نہر زمین کے نیچے بہتی ہے جو تہ نشین اشیا اور حوضوں
 لے عرب اور عجم میں ہر مسجد کو جامع کہتے ہیں اور ہندوستان میں جامع مسجد سے صرف وہ مسجد مراد ہوتی ہے جہاں
 جمعہ کی نماز ہوتی ہو، لہذا مسجد آدینہ کا ترجمہ ہر گجہ جامع مسجد کیا گیا ہے۔

لے اصل عبارت یہ ہے "بالجملہ متوضانے درآن مسجد ساخته اند کہ چہل حجرہ درمیش است" یہ وضو خانہ
 ایک بڑے والان کے اندر ہوگا جس میں پانی کی حفاظت کے لیے غسل خالوں کی طرح جوڑیاں چڑھی ہوں گی
 اور کھلا ہوا حوض ہوگا جیسا کہ جامع مسجد دہلی وغیرہ میں ہیں یا حوض بند ہوگا اور اس میں وضو کے لیے
 ٹونیاں لگی ہوں گی۔ بہر حال مسجد کے اندر وضو خانہ ایک مستقل عمارت کی شکل میں تھا۔ مترجم

کو صاف کرتی ہو اور فصیل کے باہر بھی سرایتیں بازار اور حمام موجود ہیں اور ایک دوسری مسجد ہے جہاں جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے اور شمال کی طرف ایک اور آبادی ہے جس کو محدثہ دنیا شہر) کہتے ہیں اور اس میں بھی خاص ترتیب سے بازار اور مسجد اور متعدد حمام موجود ہیں۔

امیر ابو نصر احمد کردی حمیدی فرماں رواںے دیار بکر
 فرماں رواںے دیار بکر
 جاتا ہے۔ الامیر الاعظم عز الاسلام
 سعد الدین نصر الدولہ و شرف الملة

ابو نصر احمد سلطان کی عمر ستوبیس کی ہے۔ یہاں کا آٹھ رطل چار سو اسی درہم کے برابر ہے۔ مینا فارقین سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر سلطان نے ایک نیا شہر آباد کیا ہے جس کا نصریہ نام رکھا ہے اور آندے مینا فارقین تک ۹ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

ادی (جنوری) کی چھٹی تاریخ کو میں شہر آمد میں پہنچا۔ یہ پورا شہر ایک پتھر کی
 آملہ چٹان پر آباد ہے جو طولاً و عرضاً دو ہزار قدم ہوگا اور فصیل سیاہ پتھر کی ہے
 جس میں تین من سے ستیس من تک کے ترشے ہوئے پتھر لگے ہیں۔ اکثر یہ پتھر اس
 طرح وصل ہیں جن میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی کا پتہ نہیں ہے۔

دیوار کی اونچائی بیس ماٹھ اور عرض دس ماٹھ ہے اور ہر سو گز کے فاصلہ پر
 ایک برج بنایا ہے جس کا نصف دائرہ اسی گز کا ہے اور اسی سیاہ پتھر کے کنگرے
 بھی ہیں۔

لہ ناصر نے ماٹھ کے معنی میں آرش کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی مقدار کہنی سے انگلیوں تک ہے اور (ارش)
 عربی گز (دو اہ) کے مطابق ہے۔ لیکن عمارتوں کی پیمائش میں ذراع سے مکتب مراد ہے یعنی طول، عرض
 و ارتفاع۔ ملاحظہ ہو تفصیل عمارت بیت المقدس۔ مترجم

شہر کے اکثر مقامات پر پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، جن کے ذریعہ سے فصیل پر چڑھ سکتے ہیں۔ اور ہر برج پر لڑائی کے مورچے تعمیر ہیں۔ شہر میں چار دروازے ہیں جن میں خالص لوہے کے پھانک نصب ہیں اور ہر دروازہ کا رخ جنوب میں سے ایک سمت کی طرف ہے۔ چنانچہ مشرقی دروازہ کا نام باب الدجلہ، مغربی کا باب الروم، شمالی کا باب الامن۔ اور جنوبی کا باب التل ہے۔ اور اس دیوار کے باہر دوسری فصیل بھی اسی پتھر کی موجود ہے، جس کی اونچائی دس گز ہے۔ پوری دیوار پر کنگورے ہیں۔ اور پھر کنگوروں کے اندر سے ایسا راستہ بنایا ہے۔ جس میں سے مسلح سپاہی نکل جاتا ہے۔ اور کھڑا ہو کر آسانی سے لڑ سکتا ہے۔

اس دوسری بیرونی دیوار میں بھی لوہے کی جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں جس کے دروازے اندر دنی دروازوں کے مخالف سمت پر نصب ہیں لہذا جب پہلی دیوار کے دروازوں سے داخل ہوں تو اول فصیل کے ایک حصہ کو طر کرنا پڑتا ہے اس کے بعد دوسری دیوار کے دروازہ تک پہنچتے ہیں اور اس فصیل کی جوڑائی پندرہ گز ہے۔ شہر کے اندر پانی کا ایک خوش نما چشمہ ہے جو ایک چٹان سے نکلتا ہے جس کا محیط پانچ چکیوں کے برابر ہو گا ریا یہ کہ اس میں پانچ چکیاں چل سکتی ہیں مگر کسی کو علم نہیں ہے کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے اور شہر کے تمام باغات کا نشوونما اسی چشمہ سے ہے۔

امیر نصر الدولہ مذکور کا ایک لڑکا شہر کا حاکم ہو۔ میں نے عرب، عجم،

لہ اکثر ایشیا کے شہروں کی آبادی اس طرح پر تھی کہ ایک شہر فصیل کے اندر آباد ہوتا تھا اور دوسرا فصیل کے باہر اور فصیل کہیں ایک ہوتی تھی اور کہیں دو تین اور ہر ایک کے اندر جداگانہ آبادی ہوتی تھی جس کی تصدیق اس سفر نامہ سے بھی ہوتی ہے۔

تلہ صل عبارت یہ ہے ” چشمہ ایست کہ از سنگ خارا بیرون آید مقدار پنج آسیا گردا ہے ؟“

ہندوستان اور ترکستان کے بکثرت شہر و قلعے دیکھے ہیں لیکن اطراف عالم میں آمد سے بہتر کوئی شہر نظر نہیں آیا۔ اور نہ کسی سیاح نے مجھ سے بیان کیا کہ آمد جیسا شہر کہیں اور بھی ہو۔

آمد کی مسجد | مسجد بھی اسی سیاہ پتھر کی ہے، جس سے زیادہ سڈول اور مضبوط ہونا غیر ممکن ہے۔ اس مسجد میں کچھ اور دو تلو پتھر کے ستون ہیں اور ہر ستون ایک ڈال پتھر کا ہے، پھر ہر ستون پر سنگی محراب ہے اور پھر ان سنگی محرابوں پر بھی چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو پہلی قطار سے چھوٹے ہیں، اس کے بعد بڑی محراب پر ایک دوسری قطار اور ہے اور یہ دو منزلی مسجد (باستثنائے پشتے) پٹی ہوئی ہے اور مسجد میں جس قدر کڑی دپتھر کا کام ہے وہ سب نقشی و روغنی ہے۔ صحن مسجد میں ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہے جس کے اوپر ایک بہت بڑا گول، سنگین حوض تراش کر رکھ دیا ہے جس کی اونچائی ایک قد آدم اور محیط دس گز ہے اور وسط حوض میں پتیل کی ٹونٹی لگی ہوئی ہے جس سے صاف ستھرا پانی بذریعہ فوارہ نکلتا رہتا ہے۔ اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے اور کدھر جاتا ہے۔ مسجد کا وضو خانہ نہایت وسیع ہے اور ایسا خوبصورت بنایا ہے کہ اس سے بہتر ہونا مشکل ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آمد کی تمام عمارتیں سنگ سیاہ کی ہیں اور میتا فارقین کی سنگ سفید کی۔

آمد کا کلیسا | مسجد کے قریب ایک بڑا گرجا ہے جس کی پوری شاندار عمارت پتھر کی ہے اور فرش بھی سنگ مرمر کا ہے جس پر نقاشی کی گئی ہے اور قربان گاہ

(محل عبادت) پر لوہے کا ایک جالدار دروازہ لگایا ہے جس سے زیادہ خوبصورت دروازہ میں نے کہیں نہیں دیکھا ہے۔ شہر آمد سے حزان کو دو سڑکیں جاتی ہیں، ان میں سے ایک تو بالکل ویران ہے جس کی مسافت چالیس فرسنگ ہے اور دوسری

صلحہ یہ دو منزلی مسجد ہوگی جس طرح بمبئی وغیرہ میں دو منزلی مساجد موجود ہیں۔

آبادی جس کے کنارے بکثرت مواضع ہیں اور ان میں اکثر عیسائیوں کی آبادی ہے۔ اس سڑک کا طول ساٹھ فرسنگ ہے۔ میں اسی آباد راستہ سے ایک قافلہ کے ہمراہ گیا تھا۔ جگل تو ہموار تھا مگر پتھروں کی یہ کثرت تھی کہ بار برداری کے جانور ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔

جمعہ کے دن پچیسویں جمادی الآخر ۳۳۸ھ کو حُرّان میں داخل ہوا۔ وہی **حُرّان** جنوری کی دوسری تاریخ تھی، لیکن پھر بھی یہاں ایسی ہوا چل رہی تھی جیسے خراسان میں بزمانہ نوروز چلا کرتی ہے۔

حُرّان سے رخصت ہو کر شہرِ قردی میں پہنچا اور ایک فیاض شخص کا مہمان ہوا۔ یہاں ایک بددی عرب میرے پاس آیا جو ساٹھ برس کا بوڑھا **قردی** حُرّانٹ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ قرآن پڑھا دو۔ میں اس کو "قتل عوذ برب الناس" پڑھاتا تھا اور وہ میرے الفاظ دہراتا تھا۔ جب میں نے کہا "من الجنة والناس" تو کہنے لگا کہ "اس کے بعد ادایت الناس بھی کہوں" میں نے کہا کہ یہ سورۃ صرف اسی قدر ہے۔ پھر پوچھا کہ "نقالت الحطب" کون سورۃ ہے؟ کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ سورۃ تبت میں حالۃ الحطب ارشاد ہوا ہے، نہ کہ نقالت الحطب۔ چنانچہ تمام رات میں یہ ساٹھ برس کا بوڑھا بد و سورہ قتل اعوذ برب الناس یاد نہ کر سکا۔

جمعہ کے دن دوسری رجب ۳۳۵ھ (۲ جنوری ۱۲۴۶ء) کو شہرِ سروج میں **(۵) ناصر خسرو ملک شام میں** میں داخل ہوا۔

سروج و منبج اور دوسرے دن دریائے فرات سے پار اتر کر منبج پہنچا۔ شام کے شہروں میں یہ سب سے پہلا شہر ہے، بہمنِ فردی کا ابتدائی زمانہ تھا، ہوا

نہایت خوشگوار تھی، شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہ تھی، بیچ سے حلب کو روانہ ہوا۔
میا قارقین سے حلب تک ستو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

حلب حلب مجھے خوبصورت نظر آیا، اس کی فصیل زبردست ہے جس کی بلندی تقریباً پچیس ہاتھ ہوگی۔ اور ایک زبردست قلعہ پہاڑی چٹان پر ہے، حلب چھاونی بلخ کی طرح خوب آباد ہے اور عمارتیں گنجان ہیں۔ ممالک شام، روم، دیار بکر، اور عراق کا یہ شہر پرمت خانہ (کسٹم ہاؤس) ہے اور ان حملہ ممالک سے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ حلب میں چار دروازے حسب ذیل ہیں۔ باب الیہود، باب اللہ باب الجنان، باب الناکبہ۔ یہاں کا بازاری باٹ یعنی رطل ظاہری چار سو آستی درہم (تقریباً ۱۳ پونڈ) کا ہے۔ اور حلب سے جب جنوب کی طرف جاؤ تو میں فرسنگ پر حماہ ملتا ہوں، بعد ازاں حمص اور حلب سے دمشق تک پچاس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور حلب سے انطاکیہ بارہ فرسنگ ہے اور اسی قدر طرابلس (ٹری پولی) ہے۔ کہتے ہیں کہ حلب سے قسطنطنیہ دو سو فرسنگ ہے۔

سرسین گیارھویں رجب (۱۱ جنوری) کو میں شہر حلب سے روانہ ہوا، تین فرسنگ کی مسافت پر ایک گاؤں ملا جس کو جند قنسرین کہتے ہیں۔ دوسرے دن چھ فرسنگ چل کر شہر سرسین میں پہنچا، جس میں فصیل نہ تھی۔

پھر چھ فرسنگ آگے بڑھ کر معرۃ النعمان ملا، جس کی فصیل پختہ تھی، یہ آباد شہر ہے۔

معرۃ النعمان شہر کے دروازہ پر ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، مگر رسم خط عربی نہ تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو طلسم گشردمی کہتے ہیں جس کی وجہ سے

لہ دفتر سائر، چونگی اور کردگیری بھی کہتے ہیں۔

بچھو اس شہر میں نہیں آتا ہے اور اگر باہر سے لاکر یہاں چھوڑ دیں تو بھاگ جاتا ہے اور پھر پلٹ کر شہر میں نہیں آتا۔ اس پتھر کا طول تقریباً دس ماٹھ ہوگا۔ بازار بہت آباد ہیں، جامع مسجد وسط شہر میں بلندی پر واقع ہے جس میں ہر سمت سے نمازی داخل ہوتے ہیں، تیرہ سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ صرف گیہوں کی کاشت ہوتی ہے اور افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ انجیر، زیتون، پستہ، بادام، اور انگور بکثرت ہوتا ہے۔ شہر والے برسات (حوضوں میں جمع کیا جاتا) اور گتوں کا پانی پیتے ہیں۔

نامور ادیب و شاعر
ابوالعلماء معری

اس شہر میں ایک نابینا تھا جس کو ابوالعلماء معری کہتے تھے، اور وہی شہر کا حاکم تھا۔ مال و دولت غلام اور کارندے بکثرت تھے، بلکہ یوں کہنا

چاہیے کہ سارا شہر اس کا غلام تھا، درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، لباس میں ایک کملی مٹی، اور غذا میں تین پاؤ (قدرے زائد) جو کی روٹیاں۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتا تھا، اور گھر میں بیٹھا رہتا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، نائب اور نوکر شہر کا انتظام کرتے ہیں صرف اہم معاملات میں مشورہ کر لیتے ہیں۔ اس کی دولت وقف عام ہے، اور ذاتی حالت یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات عبادت کرنا اور دنیا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا۔

ابوالعلماء فن شعر اور ادب میں کامل ہے۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علما مقرر ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پد نہیں ہوا اور نہ ہی وقت موجود ہے اس کی ایک کتاب الفصول والغایات ہے جس میں رمز و اشارات ہیں اور فصیح و غریب الفاظ میں مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ہر شخص برائے نام مسائل کتاب سے واقف ہو سکتا ہے، اور کل کتاب پر عبور نہیں ہو سکتا، البتہ وہ شخص کہ جو خود اس سے پڑھے،

نہایت خوشگوار تھی، شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہ تھی، منج سے حلب کو روانہ ہوا۔
میا قارقین سے حلب تک سٹو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

حلب حلب مجھے خوبصورت نظر آیا، اس کی فصیل زبردست ہے جس کی بلندی تقریباً پچیس ہاتھ ہوگی۔ اور ایک زبردست قلعہ پہاڑی چٹان پر ہے، حلب چھاؤنی بلخ کی طرح خوب آباد ہے اور عمارتیں گنجان ہیں۔ ممالک شام، روم، دیار بکر، اور عراق کا یہ شہر پرٹ خانہ (کسٹم ہاؤس) ہے اور ان حملہ ممالک سے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ حلب میں چار دروازے حسب ذیل ہیں۔ باب الیہود، باب اللہ باب الجنان، باب الناکیہ۔ یہاں کا بازاری باٹ یعنی رطل ظاہری چار سو آستی درہم (تقریباً ۱۳ پونڈ) کا ہے۔ اور حلب سے جب جنوب کی طرف جاؤ تو میں فرسنگ پر حماہ ملتا ہے، بعد ازاں حمص اور حلب سے دمشق تک پچاس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور حلب سے الناکیہ بارہ فرسنگ ہے اور اسی قدر طرابلس (ٹری پولی) ہے۔ کہتے ہیں کہ حلب سے قسطنطنیہ دو سو فرسنگ ہے۔

سمرین گیارھویں رجب (۱۱ جنوری) کو میں شہر حلب سے روانہ ہوا، تین فرسنگ کی مسافت پر ایک گانو ملا جس کو جند قنسرین کہتے ہیں۔ دوسرے دن چھ فرسنگ چل کر شہر سمرین میں پہنچا، جس میں فصیل نہ تھی۔
پھر چھ فرسنگ آگے بڑھ کر معرۃ النعمان ملا، جس کی فصیل پختہ تھی، یہ آباد شہر ہے۔

معرۃ النعمان شہر کے دروازہ پر ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، مگر رسم خط عربی نہ تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو طلسم گشردمی کہتے ہیں جس کی وجہ سے

ملہ دفتر سائر، چونگی اور کرد گیری بھی کہتے ہیں۔

بچھو اس شہر میں نہیں آتا ہے اور اگر باہر سے لا کر یہاں چھوڑ دیں تو بھاگ جاتا ہے اور پھر پلٹ کر شہر میں نہیں آتا۔ اس پتھر کا طول تقریباً دس ماٹھ ہو گا۔ بازار بہت آباد ہیں، جامع مسجد وسط شہر میں بلندی پر واقع ہے جس میں ہر سمت سے نمازی داخل ہوتے ہیں، تیرہ سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ صرف گھوڑوں کی کاشت ہوتی ہے اور افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ انجیر، زیتون، پستہ، بادام، اور انگور بکثرت ہوتا ہے۔ شہر والے برسات (حوضوں میں جمع کیا جاتا ہے) اور گتوں کا پانی پیتے ہیں۔

نامور ادیب و شاعر | اس شہر میں ایک نابینا تھا جس کو ابو العلامعری
ابو العلامعری کہتے تھے، اور وہی شہر کا حاکم تھا۔ مال و دولت غلام اور کارندے بکثرت تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارا شہر اس کا غلام تھا، درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، لباس میں ایک مکلی مٹی، اور غذا میں تین پاؤ (قدرے زائد) جو کی روٹیاں۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتا تھا، اور گھر میں بیٹھا رہتا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، نائب اور نوکر شہر کا انتظام کرتے ہیں صرف اہم معاملات میں مشورہ کر لیتے ہیں۔ اس کی دولت وقف عام ہے، اور ذاتی حالت یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات عبادت کرنا اور دنیا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا۔

ابو العلافن شعر اور ادب میں کامل ہے۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علما مُقر ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہوا اور نہ ان وقت موجود ہے اس کی ایک کتاب الفصول والغایات ہے جس میں رمز و اشارات ہیں اور فصیح و غریب الفاظ میں مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ہر شخص برائے نام مسائل کتاب سے واقف ہو سکتا ہے، اور کل کتاب پر عبور نہیں ہو سکتا، البتہ وہ شخص کہ جو خود اس سے پڑھے،

اور اسی وجہ سے ابو العلاء پر اتہام لگایا گیا ہے کہ اس نے یہ کتاب قرآن پاک کے جواب میں لکھی ہے۔ ابو العلاء کے درس میں دو سوطلبہ اطراف و جوانب سے اگر علم ادب اور فن شعر کی تکمیل کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ اس کے اشعار ہیں۔ ابو العلاء سے کسی نے پوچھا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اس قدر دولت و نعمت دے رکھی ہے پھر اس کا کیا سبب ہے کہ اوروں کو دیتے ہو اور خود نہیں کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ جس قدر کھاتا ہوں اس سے زیادہ میری قسمت میں نہیں ہے۔ جب میں معرہ پہنچا ہوں اس وقت ابو العلاء زندہ تھا۔

پندرہویں رجب ۳۸۵ھ (۱۵ جنوری ۱۰۲۷ء) کو میں معرۃ النعمان سے کویاٹ میں داخل ہوا اور یہاں سے حماۃ پہنچا یہ بہت آباد شہر ہے۔

حماۃ اور نہر عاصی (اوران ش) کے کنارے آباد ہے اور عاصی (گنہگار) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نہر روم کی طرف بہتی ہے۔ یعنی بلاد اسلام سے نکل کر کفرستان میں جاتی ہے۔ اس نہر کے کنارے بکثرت رہت چلتے ہیں۔ حماۃ سے دو سڑکیں جاتی ہیں، ایک مغربی شام کو (جانب بحر الروم) اور دوسری دمشق کو (دیہ جنوب کے رخ ہے) میں نے بحر الروم کے راستہ سے سفر کیا تھا۔ پہاڑیں ایک چشمہ دیکھا جس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال نصف شعبان کے بعد پانی جاری ہوتا ہے اور صرف تین دن بہتا ہے پھر دوسرے سال تک ایک قطرہ نہیں نکلتا۔ اس چشمہ کی زیارت کے لیے لوگ بکثرت آتے ہیں اور تقرب الہی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس پہاڑ پر متعدد حوض اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عرقہ حماۃ سے چل کر ایک ایسے جنگل میں گزر ہوا جہاں نرگس کے تختے کھلے ہوئے تھے اور سارا جنگل ان پھولوں سے سفید نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس

صحرا سے نکل کر میں اس شہر میں پہنچا جس کو عرقہ کہتے تھے اور جب عرقہ سے دفرنگ آگے بڑھا تو بحر الروم کے کنارے پر تھا اور ساحل سے دکھن کی طرف پانچ فرسنگ طر کیے تھے کہ شہر طرابلس آگیا۔ جس راستہ سے میں آیا ہوں یہاں سے حلب چالیس فرسنگ ہے۔

طرابلس پنجشنبہ کے دن پانچویں شعبان (۶ فروری) کو میں طرابلس پہنچا۔ حوالیے شہر میں کھیت، باغات اور ہر قسم کے درخت تھے۔ مگر ایچہ (گنایا پونڈا) کے کھیت بہت زیادہ تھے۔ نابیح (ٹارنگی) چکو ترہ، کیلہ، لیموں اور کھجور کے بھی درخت تھے اور اس زمانہ میں ایچہ کا رس نکالا جاتا تھا۔

شہر طرابلس اس طرح آباد کیا گیا ہے جس کے تین جانب بحر الروم ہے، اس لیے جب دریا بڑھتا ہے تو کسی قدر پانی فصیل شہر پر چڑھ جاتا ہے اور جس طرف خشکی ہے اُدھر ایک زبردست خندق ہے اور اس پر لوہے کا ایک مضبوط پھانک ہے۔ شرقی دیوار پتھر تراش کر بنائی گئی ہے جس پر گنگرے اور تولپوں کے جھوکے ہیں اور بروجیوں پر عدا سے دایک قسم کی چھوٹی منجینق چڑھے ہوئے تھے کیونکہ روم والوں (ملک اٹلی) کی طرف سے خطرہ رہتا ہے، جو جہازوں کے ذریعہ سے حملہ کرتے ہیں۔ شہر کی پیمائش ہزار مربع گز ہے۔ (جملہ مکانات) چو منزلہ، بلکہ چھو منزلہ ہیں۔ گلیاں اور بازار ایسے صاف ستھرے ہیں، گویا ایک سجا ہوا محل ہے۔ ہر قسم کی غذا میں، میوے اور ماکولات جو میں نے ایران میں دیکھے تھے وہ سب یہاں موجود ہیں، بلکہ اس سے سٹو گنا زیادہ ہیں اور وسط شہر میں جامع مسجد بہت ہی خوبصورت اور مضبوط موجود ہے اور صحن مسجد میں ایک بڑا قبہ بنایا ہے جس کے نیچے سنگ مرمر کا حوض ہے اور وسط حوض میں ایک پتیل کا فوارہ ہے۔

بازار میں ایک سیبل (مشرعہ) ہو جس میں پانچ ٹونٹیوں سے بکثرت پانی نکلتا ہو۔ جو لوگوں کے کام آتا ہو۔ اور زائد پانی زمین کے اندر ہی اندر سمندر میں چلا جاتا ہو۔ شہر کی مردم شماری بیس ہزار بیان کی جاتی ہو اور طرابلس میں قصبات و دیہات بہت ہیں۔ یہاں مثل سمرقند کے کاغذ اچھا بنتا ہے، بلکہ اس سے بہتر ہوتا ہے۔ طرابلس سلطان مصر کا مقبوضہ ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں رومیوں نے طرابلس پر حملہ کیا تھا اور یہاں کے مسلمانوں نے لڑ کر رومی فوج کو شکست دی تھی۔ اس صلہ میں سلطان نے خراج معاف کر دیا تھا اور ہمیشہ سلطانی فوج یہاں رہتی رہی جس پر ایک افسر ہوتا ہے تاکہ شہر کو دشمن سے محفوظ رکھے۔ یہ پرمٹ خانہ ہے کیونکہ یونان، فرنگ، اندلس (اسپین) اور ملک مغرب سے جس قدر تجارتی جہاز آتے ہیں وہ سلطان کو عشر (دسواں حصہ) ادا کرتے ہیں اور اس آمدنی سے فوج کی تنخواہ ادا ہوتی ہے۔ اور سلطان کے ذاتی جہاز بھی ہیں جو روم (جزیرہ صقلیہ) (سسیلی) اور ملک مغرب کو تجارتی سامان لے جاتے ہیں۔

باشندگان شہر عموماً شیعہ ہیں اور شیعوں نے ہر شہر میں خوبصورت مسجدیں تعمیر کی ہیں اور ہر مسجد کے ساتھ مثل رباط کے مکانات بھی ہیں، لیکن وہاں کوئی ٹھیکر تانہ نہیں ہے اور ان مکانات کو مشہد^{۹۵} کہتے ہیں۔ شہر کے باہر کوئی مکان نہیں ہے مگر دو تین مشہد، جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

پھر میں نے طرابلس سے مثل سابق بحر الروم کے کنارے کنارے کے
طرابلس | سفر شروع کیا، چنانچہ جنوب کی طرف ایک فرسنگ کے

لہ آب نوشی کے لیے خاص خاص مقامات پر آبدار خانے بنائے جاتے تھے۔ اس پر گنبد ہوتا تھا، یہ آبدار خانہ جو بحر الروم کے کنارے تھا لہذا نل کے ذریعہ سے پانی آتا تھا۔ اور ہندوستان کی اصطلاح کے مطابق ہم نے مشرعہ کا سیبل ترجمہ کیا ہے۔

فاصلے پر ایک قلعہ دیکھا جس کو قلمون^{۹۶} کہتے ہیں۔ اس کے اندر پانی کا چشمہ تھا۔ یہاں سے میں طرابرزن کو روانہ ہوا۔ طرابلس سے اس کا فاصلہ پانچ فرسنگ ہے۔ وہاں سے شہر جبیل میں داخل ہوا۔ یہ شہر یہ شکل مثلث (سہ گوشہ) **جبیل** واقع ہے جس کا ایک گوشہ بحر الروم کی طرف ہے اور اس کے گرد ایک بہت بلند اور مضبوط دیوار کھچی ہوئی ہے۔ اطراف شہر میں کھجور اور دوسری قسم کے گرم سیر درخت بکثرت ہیں۔ ایک لڑکے کو میں نے دیکھا کہ سرخ اور سفید گلاب کا پھول لیے پھرتا ہے، حالانکہ ماہ اسفندارند (مارچ) کی پانچویں تاریخ تھی اور قدیم سنہ فارسی یزدجردی ۱۱۱۱ھ تھا۔

بیروت جبیل سے بیروت آیا، پتھر کی ایک محراب اس قدر بڑی نظر آئی جس کے اندر سے سڑک جاری تھی، اونچائی اس محراب کی میں نے پچاس گز اندازہ کی اور محراب کی بلندی دیواروں میں سنگ سفید کی سلیں نصب تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً کچھ اوپر ستیس^۳ من ہوگا۔ سطح زمین سے بیس گز تک اینٹوں کی دیوار ہے جس کے اوپر سنگ مرمر کے ستون کھڑے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کا دور آٹھ گز ہے جن کو دو آدمی بہ مشکل ہاتھوں کے حلقے میں لے سکتے ہیں، پھر ان ستونوں پر دونوں جانب سڈول پتھر کی محرابیں ہیں جس میں چونہ اور مٹی کا میل نہیں ہے۔ پھر ان ستونوں کے اوپر وسط میں ایک بڑی محراب اور ہے جس کی اونچائی پچاس ہاتھ ہے اور پتھر کی ہرسل جو محراب میں لگی ہوئی ہے قیاساً اس کا طول آٹھ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہے اور ہر ایک پتھر وزن میں تقریباً دو سو ہاتھ من ہوگا اور ان پتھروں میں اس درجہ جگہ کاری و نقاشی کی گئی ہے جو کڑی میں بھی اس حُسن کے ساتھ کمتر ہی ہو سکتی ہے۔ اس نواح میں اب صرف یہی ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون مقام ہے؟ لوگوں نے کہا

ہم یوں سنتے آئے ہیں کہ یہ فرعون کے باغ کا دروازہ ہو اور نہایت قدیم ہو۔ اس نواح کے جنگل میں سنگ مرمر کے ایسے ستون بافراط بکھرے پڑے ہیں جن کے سر بند اور تنے سب منقش ہیں اور ان میں گول، چوکھٹے، چھوگوشے اور ہشت پہل ہر قسم کے پتھر ہیں اور اس قدر سخت ہیں کہ لوہے کے آلات بھی اس پر کام نہیں دیتے اور اس نواح میں کسی جگہ پہاڑ نہیں ہو جس پر یہ گمان کیا جائے کہ یہ پتھر وہاں سے تراش کر لائے گئے ہیں اور دوسرے پتھر بھی تھے جو معجونہی مصنوعی رنگ یعنی لوہے کے رنگ سے ملتا جلتا نظر آتے تھے اور نواح شام میں اس قسم کے پانچ لاکھ ستون مع سر بند اور ڈالوں کے بکھرے پڑے ہیں اور کسی مخلوق کو خبر نہیں ہو کہ وہ کیا تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

بیردت سے میں شہر **صیدا** میں آیا۔ بحر الروم کے کنارے ایک کھیت تھی۔ فصیل سنگین و مضبوط ہو جس میں تین پھاٹک ہیں، جامع مسجد بھی بڑی دلکش ہو جس کے اندر پھول دار چٹانیاں بھی ہوتی ہیں۔ بازار خوب سجا ہوا ہو، اس آرائش کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ شاید سلطان کی آمد آمد ہو جس کے اعزاز میں شہر کی آئینہ بندی کی گئی ہو، جب لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہو بلکہ یہ شہر ہمیشہ یوں ہی سجا رہتا ہو، پھولاریاں اور باغ ایسے تھے گویا کسی بادشاہ نے اپنے دلی شوق سے لگائے ہیں اور اس میں محل بنایا ہو۔

صو صیدا سے پانچ فرسنگ چل کر میں **صو** میں پہنچ گیا۔ یہ شہر بھی بحر الروم کے کنارے ہو اور ایک نوکیلی چٹان پر اس طرح آباد کیا گیا ہو کہ شہر بننا کی دیوار تنوگ سے زیادہ خشکی پر ہو اور باقی پانی میں ڈوبی ہوئی ہو اور پتھروں سے بنائی گئی ہو جس کی درزوں کو قیر سے وصل کیا ہو، تاکہ پانی اثر نہ کرے۔ شہر کی پیمائش قیاساً ہزار مرتبہ تھی۔ تمام عمارتیں پانچ چھو منزل کی ہیں، قوارے بکثرت

ہیں، خوبصورت بازار مال سے پٹے پڑے ہیں۔ شہر صور شام کے ساحلی شہروں میں دولت مندی کے لحاظ سے ضرب المثل ہے۔ باشندے اکثر شیعہ ہیں، قاضی شہر سنت و جماعتہ تھا جو ابو عقیل کا بیٹا کہلاتا تھا۔ یہ ایک وجہ اور مال دار شخص تھا۔

دروازہ شہر پر ایک مشہد ہے جس کو شیعوں نے بنایا ہے اور اس کو نرسہ قندیل اور طلائی اور نقری فیتیل سوزوں سے آراستہ کیا ہے۔ شہر بلندی پر آباد ہے اور پانی شہر میں پہاڑ سے آتا ہے۔ شہر کے دروازہ پر سنگین محرابیں ہیں جس کی پشت پر سے (نہر کی طرح) شہر میں پانی آتا ہے۔ اس پہاڑ میں شہر کے سامنے ایک ڈرہ ہے اگر اس کی سیدھ سے جانب مشرق چلیں تو اٹھارہ فرسنگ کی مسافت پر شہر مشق آجاتا ہے یہ درہ دراصل وادی لطاف ہے۔

عکہ جب میں صور سے سات فرسنگ چلا تو شہر عکہ میں پہنچ گیا۔ اس ملک والے مدینہ حکما لکھتے ہیں۔ عکہ بلندی پر آباد ہے۔ کچھ زمین اتار چڑھاؤ کی ہے، باقی ہموار ہے۔ سمندر کے کنارے جب تک بلندی نہ ہو کوئی شہر آباد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ پانی کی طغیانی اور لہروں کی ٹکڑ سے کناروں کو ہر وقت خدشہ رہتا ہے۔ جامع مسجد وسط شہر میں ہے اور یہ شہر کا سب سے بلند حصہ ہے۔ مسجد کے تمام ستون سنگ مرمر کے ہیں اور قبلہ کے دائیں ہاتھ پر مسجد کے باہر صہالح پیغمبر علیہ السلام کی قبر ہے اور مسجد کے صحن کے ایک حصہ میں سنگی فرش ہے اور کھلی ہوئی زمین میں سبزی بوتی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی تھی۔ میں نے شہر کی پیمائش کی، طول دو ہزار ہاتھ اور عرض پانسو ہاتھ تھا۔ تفصیل بہت مضبوط ہے۔ عکہ کے مغرب اور جنوب میں بحر الروم ہے اور جنوب کی طرف ^{۱۵} **میتنا** (بندر گاہ) ہے۔

بندر گاہ تمام ساحلی شہروں میں میتنا ہوتا ہے اور میتنا اس جگہ کا نام ہے جو جہازوں کے قیام کے لیے مثل صطبل کے بنائی جاتی ہے جس کی پشت شہر کی طرف

اور بغلی دیواریں سمندر کی جانب ہوتی ہیں۔ مینا کی دیواریں سمندر کے کنارے تک ہیں اور ایک دروازہ پچاس گز بلند بنا کر چھوڑ دیا ہے اور کوئی دیوار نہیں ہے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ایک زنجیر کھینچی ہوئی ہے چنانچہ جب جہاز کو مینا میں لانا چاہتے ہیں تو زنجیریں ڈھیلی کر دیتے ہیں تاکہ وہ پانی کے نیچے چلی جائیں اور جہاز زنجیروں کے اوپر ہی اوپر پانی سے گزر جاتا ہے۔ پھر زنجیریں کھینچ لی جاتی ہیں تاکہ مخالف ان جہازوں پر قبضہ نہ کر سکے۔

چشمہ عین البقر | مشرقی دروازہ کے بائیں ہاتھ پر ایک چشمہ ہے جس میں پھیلے ہوئے سیڑھیاں اترنے کے بعد پانی ملتا ہے۔ اس چشمہ کا **عین البقر** نام ہے۔ روایت ہے کہ یہ چشمہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکالا ہوا ہے اور آپ اسی چشمہ سے اپنے بیلوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ اسی لیے اس چشمہ کو عین البقر کہتے ہیں۔

جب عکہ سے مشرق کی طرف سفر کریں تو ایک پہاڑ ملتا ہے جس میں انبیا علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ لیکن رملہ جانے والوں کو عام راستے سے یہ مقام ذرا ہٹ کر پڑتا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان متبرک مزاروں کو جا کر دیکھوں اور خداوند تعالیٰ سے وہاں کے برکات کا خواستگار ہوں، مگر عکہ والوں نے کہا کہ راستہ میں مفسدوں کی آبادی ہے جو مسافروں کو چھیڑتے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ چھین لیتے ہیں چنانچہ میں نے اپنا زادراہ مسجد عکہ میں رکھ دیا اور مشرقی دروازے سے روانہ ہوا۔

شنبہ کے دن تیسویں شعبان ۱۳۵۸ھ (۲۲ فروری ۱۹۴۷ء) کو اول وقت عک (ازنسل عدنان) کی قبر کی زیارت کی جو شہر عکہ کا بانی ہے اور جس کا شمار صلحا میں کیا جاتا ہے۔

دامن کوہ عکہ کے مشہور مقدس مقامات

میرے ہمراہ کوئی رہ نما نہ تھا اس لیے میں متحیر تھا کہ
یکایک بفضلہ تعالیٰ اسی دن ایک عجیبی سے ملاقات
ہوئی جو آذربائجان کا باشندہ تھا اور اس سے قبل

بھی ایک مرتبہ وہ ان مقدس مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا تھا اور
اب بقصد زیارت یہ اس کا دوسرا سفر تھا۔ اس عطیہ خداوندی پر میں نے
دو رکعت نماز پڑھی اور شکر کا سجدہ ادا کیا کہ جس ارادہ سے نکلا تھا، اس
کی خدانے مجھے توفیق دی اور وہ پورا ہوا۔

ایک گاؤں میں پہنچا جس کا نام بروث تھا۔ وہاں عیص^{۱۰۹} اور سمعون^{۱۱۰} علیہما السلام
کی قبر کی زیارت کی۔ پھر یہاں سے میں ایک غار میں داخل ہوا جس کو دامن^{۱۱۱}
کہتے تھے، یہاں ذوالکفل^{۱۱۲} علیہ السلام کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس
جگہ سے موضع اعلمین^{۱۱۳} میں آکر مزار ہو^{۱۱۴} علیہ السلام پر فاتحہ خوانی کی، اس حظیرہ
کے اندر خرتوت^{۱۱۵} کا ایک درخت تھا جس کے نیچے عزیر^{۱۱۶} نبی علیہ السلام کی قبر تھی۔
(اس زیارت سے فارغ ہو کر) جنوب رو یہ چل کر میں ایک دوسرے موضع میں پہنچا
جس کو حظیرہ کہتے تھے اور اس گاؤں کے مغرب میں ایک ڈرہ تھا جس کے
اندر صاف پانی کا چشمہ تھا جو ایک پتھر سے نکلا تھا اور چشمہ کے متصل ایک
مسجد تعمیر کی گئی ہے جس میں دو سنگی حجرے تھے اور چھت بھی پتھر کی تھی اور ایک
کھڑکی نصب تھی جس میں سے آدمی بہ شکل نکل سکتا تھا اور اس کے اندر برابر
برابر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک شعیب^{۱۱۷} علیہ السلام کی ہے اور دوسری
آپ کی بیٹی (صفورہ) کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ گاؤں
والے مزار اور مسجد کی اچھی خدمت کرتے ہیں دیبئی جھاڑ دیتے ہیں اور چرغ

۱۱۵ (خرتوت) شہتوت کی ایک خاص قسم ہے جو ملک شام سے مخصوص ہے اور یہ بہت بڑا ہوتا ہے۔

جلاتے ہیں۔

ظہیرہ سے چل کر موضع اربل (اردب) میں پہنچا، اس گانو کے قبلہ رخ ایک پہاڑ ہو اور اس کے اندر ظہیرہ (سنگی کٹہرہ) ہو جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی چار قبریں ہیں۔

اربل سے آگے بڑھ کر ایک ٹیلہ نظر آیا، جس کے نیچے غارتھا اور اس میں والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر تھی۔ اس زیارت سے مشرف ہو کر میں آگے بڑھا۔ ایک درہ ملا اس کے اخیر میں ایک چھوٹی سی جھیل (بحیرہ طبریہ) نظر آئی، جس کے کنارے شہر طبریہ آباد ہو، اس کا طول تقریباً چھو فرسنگ اور عرض تین فرسنگ ہو اور پانی بھی خوشگوار ہو۔

شہر طبریہ کی آبادی جھیل کے مغربی جانب ہو، تمام شہر کے تمام اور ان کا **طبریہ** مستعمل پانی جھیل میں گرتا ہو اور شہر و مضافات کے باشندے دجو کنارے پر آباد ہیں) اس جھیل کا پانی پیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں کے ایک حاکم نے حکم دیا تھا کہ شہر کا جس قدر گندہ پانی اس جھیل میں گرتا ہو اس کا رخ پھیر دیا جائے چنانچہ تعمیل حکم کی گئی، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جھیل کا پانی گندہ ہو گیا اور پینے کے قابل نہیں رہا مجبوراً حکم دیا کہ گندے نالے بدستور گرائے جائیں۔ چنانچہ جھیل کا پانی اصلی ذائقہ پر آ گیا۔

شہر طبریہ کی دیوار مستحکم ہو جو جھیل کے کنارے سے شروع ہو کر تمام شہر کے گرد پھیلی ہوئی ہو البتہ پانی کی طرف دیوار نہیں ہو اور اکثر عمارتیں پانی کے اندر ہیں کیونکہ زمین پتھریلی ہو اور سنگ مرمر کے ستونوں پر خوش نما عمارتیں قائم ہیں اور یہ تمام ستون پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور طبریہ میں جھیل کی افراط ہو۔ وسط شہر میں جامع مسجد ہو اور مسجد کے دروازہ پر ایک چشمہ ہو اور چشمہ کے اوپر حمام بنایا ہو

جس کا پانی اس قدر گرم ہو کہ جب تک ٹھنڈا پانی نہ ملائیں بدن پر ڈالنا دشوار ہے، یہ
 تمام حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے
 بھی اس حمام میں غسل کیا تھا۔

طبریہ میں ایک مسجد ہے جس کو مسجد یاسمن کہتے ہیں۔ مسجد
 کے مغرب جانب ایک بلند چبوترہ ہے جس پر محرابیں
 بنی ہوئی ہیں اور اس کے چاروں طرف یاسمن
 گنج شہید اور

(چنبیلی) کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی بنا پر اس کو مسجد یاسمن کہتے ہیں۔
 اور مسجد کے جانب مشرق ایک برآمدہ ہے جس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام
 کی قبر ہے جس کے چبوترے کے نیچے ستر پیغمبروں کے مرقد ہیں، جن کو بنی اسرائیل نے
 شہید کیا تھا۔ شہر کے جنوب میں دریائے لوط (بحر المیت) ہے جس کا پانی تلخ ہے۔
 دریائے لوط بھیل طبریہ کے جنوب میں ہے اور بھیل طبریہ بھی دریائے لوط میں آکر
 گری ہے اور شہر لوط اسی کے کنارے آباد ہے، جس کے نشانات بھی اب باقی نہیں
 ہیں۔ میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ دریائے لوط کے پھین سے ایک سیاہ چیز پیدا
 ہوتی ہے جو شکل و صورت میں گیند سے مشابہ ہوتی ہے۔ بظاہر مثل پتھر کے ہے مگر
 حقیقت میں سخت نہیں ہے۔ (اور دریا میں تیرتی رہتی ہے) لوگ اس کو جمع کرتے
 ہیں اور مکھڑے کر کے شہروں شہروں لے جاتے ہیں، جس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر اس کا
 ایک ٹکڑا کسی درخت کے نیچے دفن کر دیں تو پھر کبھی اس میں کیرا نہیں لگتا ہے،
 اور نہ یہ کیڑے درختوں کی جڑوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور باغ ہر قسم کے
 کیڑوں (حشرات الارض) سے محفوظ رہتے ہیں، مگر اس جھوٹ سچ کا راوی ذمہ دار
 ہے، اس کو عطار بھی خرید کرتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ مشربت وغیرہ میں جو کیرا
 پڑ جاتا ہے اور جس کو نقرہ یا کتہ کہتے ہیں وہ بھی دفع ہو جاتا ہے۔

طبرہ میں چٹائی بناتے ہیں جو مصلے کا کام دیتی ہے اور جس کو باشندگان طبرہ پانچ دینار مغربی (تیس روپی) میں خرید کرتے ہیں۔ شہر کے جانب مغرب ایک پہاڑ ہے جس پر سنگ خارا کی دیوار ہے اور دیوار پر عبرانی خط میں لکھا ہے کہ "اس تحریر کے وقت ثریا، برج حمل میں تھا"

شہر کے باہر قبلہ رخ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مزار

ہے۔ لیکن کوئی شخص زیارت کو نہیں جاتا ہے، کیونکہ یہ آبادی شیعوں کی ہے، جب کوئی زیارت کو جاتا ہے تو لڑکے شور و غل کر کے پریشان کرتے ہیں اور پتھر پھینکتے ہیں۔ اس لیے میں بھی زیارت سے محروم رہا۔ یہاں سے پلٹ کر میں موضع کفر کثہ میں پہنچا، جس کے جنوب میں ایک پہاڑی ہے اور اس کے اوپر عیسائیوں کی ایک خوبصورت خانقاہ بنی ہوئی ہے جس کا دروازہ مضبوط ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کی قبر اس کے اندر ہے اور خانقاہ کے دروازہ پر ایک کتواں ہے جس کا پانی میٹھا ہے۔ اس زیارت سے فارغ ہو کر میں عکہ کو واپس آیا خانقاہ سے عکہ چار فرسنگ ہے۔ چنانچہ عکہ میں ایک دن بھٹیکر موضع حیفہ میں آیا، یہاں تک راستہ میں بالو بکثرت تھی۔ عجم میں سناروں کے لیے یہ کار آمد شے ہے جس کو ریگ مکی کہتے ہیں۔

حیفہ بحر الروم کے کنارے آباد ہے جس میں نخلستان اور دوسرے درخت بافراط ہیں۔ یہاں کشتی ساز رہتے ہیں جو بڑی کشتیاں

لے کوئی ماہر فن حساب کر کے یہ بنا سکتا ہے کہ آج تک کس قدر مدت ہوئی اور ثریا برج حمل

میں کس مدت کے بعد آتا ہے۔ مترجم

لے یہ قدیم قلعہ تھا جس کے آثار باقی ہیں۔ اب عرب اس کو "قصر بنت الملک" کہتے ہیں۔ ترجمہ

انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو۔

بناتے ہیں اور ان سمندری کشتیوں کو **خودی** کہتے ہیں۔

الکنیسہ ^{۱۲۹} ایک فرسنگ کی مسافت طو کر کے میں حیفا سے دوسرے گاؤں میں پہنچا جس کا کنیسہ نام تھا، یہاں سے دریائی سڑک (یعنی وہ سڑک جو بحر الروم کے کنارے کنارے گئی ہے) گھوم کر جانب مشرق ایک پہاڑ کے اندر چلی گئی ہے، یہ حصہ جنگل اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جس کو وادی تاسیج (گھڑیال) کہتے ہیں۔ دو فرسنگ کے بعد پھر دریائی سڑک آگئی ہے جس کے کنارے جسری جانوروں کی ہڈیاں بکثرت نظر آئیں جو مٹی میں گھل مل کر پتھر کی طرح سخت ہو گئی تھیں اور یہ لہروں سے ٹکرانے کا نتیجہ تھا۔

قیساریہ ^{۱۳۰} وادی مذکور طو کر کے میں قیساریہ پہنچا جس کا فاصلہ عکہ سے سات فرسنگ ہے، قیساریہ خوبصورت شہر ہے جس میں نہر جاری ہے، نخلستان (کھجوروں کے درخت) نارنگی اور ترنج کے درختوں کی افراط ہے۔ فصیل مستحکم ہے، دروازہ آہنی ہے، شہر میں پانی کی نہریں جاری ہیں، جامع مسجد خوبصورت ہے اور صحن مسجد میں بیٹھ کر بحر الروم کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس مسجد میں سنگ مرمر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا جس کا منہ چینی کے مرتبان کی طرح تنگ تھا جس میں تین من سے زیادہ پانی آتا تھا۔

شنبہ کا دن اور شعبان کی آخر تاریخ (۲۹ فروری) تھی کہ قیساریہ سے روانہ ہوا۔ ایک فرسنگ تک برابر ریگ مٹی پر چلنا پڑا، اس مرتبہ بھی انجیر اور زیتون کے درخت بکثرت نظر آئے۔ پہاڑ اور جنگل کا تمام راستہ درختوں سے

لے کسی زمانہ میں یہاں بحر الروم ہوگا جو زلزلہ سے غائب ہو گیا ہے اور زمین برآمد ہو گئی ہے جس میں سے گھڑیال کی ہڈیاں نکلتی ہیں اسی وجہ سے وادی کی ہے۔ اب اس جگہ نہر ازرق (نہر نیلگوں) رواں ہے یعنی کے نقشہ میں یہ وادی درج ہے۔

گھرا ہوا تھا۔

کفرسابا اور کفرسلام
چند میل چل کر ایک شہر میں پہنچا، جس کو کفرسابا اور کفرسلام
کہتے تھے، یہاں سے رملہ تین فرسنگ تھا۔ تمام راستہ درختوں
سے بھرا پڑا تھا جیسا کہ اول لکھ چکا ہوں۔

۳۳۴ رملہ یا فلسطین
یک شنبہ غرہ رمضان دیکھ ماہِ پانچ کو رملہ میں داخل ہوا،
قیساریہ سے رملہ کا فاصلہ آٹھ فرسنگ ہے۔ رملہ بہت بڑا
شہر ہے، جس کی اونچی اور مستحکم فصیل پتھر اور چونہ سے بنائی گئی ہے اور لو تہے کے
پھاٹک لگے ہوئے ہیں۔ شہر سے بحر الروم تین فرسنگ ہے۔ رملہ کے باشندے
برساتی پانی پیتے ہیں۔ ہر مکان میں حوض موجود ہے جس میں بارش کا پانی کھیر لیتے
ہیں، جامع مسجد میں بھی ایک بڑا حوض ہے، جب یہ لبریز ہوتا ہے تو جس کا دل
چاہے پانی بھر لے جائے۔ مسجد کا رقبہ تین سو قدم سے دو سو قدم تک ہے۔
(۲۰۰ × ۳۰۰) ایک برآمدہ پر لکھا ہوا تھا کہ ۱۵ محرم ۴۲۵ھ (۱۰ دسمبر
۱۰۳۳ء) کو یہاں ایک بڑا زلزلہ آیا تھا جس نے بکثرت عمارتیں ڈھا دی تھیں
لیکن کسی شخص کو صدمہ نہیں پہنچا تھا، اس شہر میں سنگ مرمر بافراط ہے، اکثر
عمارتیں اسی پتھر کی ہیں جس میں تکلفات اور نقاشی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ نرم
سنگ مرمر آہ سے تراشا جاتا ہے جس میں دانتے نہیں ہوتے اور ریگ کی درزوں
میں ڈالتے جاتے ہیں اور کٹڑی کی طرح طول کی جانب سے آہ کو کھینچتے ہیں۔
اور عرض کو چھوڑ دیتے ہیں اور پتھر کے تختے بنا لیتے ہیں، میں نے یہاں رنگ
برنگ کے پتھر دیکھے۔ سبز، سرخ، سیاہ، سفید لیکن یہ سب مصنوعی رنگ تھے۔
یہاں ایک خاص قسم کا انجیر پیدا ہوتا ہے جس سے بہتر اور کہیں نہیں ہوتا
اور ملکوں ملکوں جاتا ہے۔ رملہ کو ممالک شام اور مغرب میں فلسطین کہتے ہیں۔

تیسری رمضان (۳ مارچ) کو رملہ سے چل کر موضع لثرون^{۱۳۴} پہنچا، اور یہاں سے قَرْيَةَ الْعَنْبِ (انگور کا گانو) میں آیا۔ راستہ میں خود روسداب (دو دینہ کی طرح کی ایک گھاس کا نام ہے) بکثرت دیکھنے میں آئی جو پہاڑ اور جنگل میں اگی ہوئی تھی۔ اس گانو میں ایک خوبصورت چنمہ پانی کا دیکھا جو ایک چٹان سے نکلا تھا اور یہاں لوگوں نے (سیاحوں کے قیام کے لیے) مختصر مکانات بنا دیے ہیں۔ یہاں سے سامنے کے رُح پر چلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور جب نیچے اتریں گے تو کوئی شہر ملے گا لیکن ذرا لمبندی پر چل کر ایک بڑا جنگل ملا جس کی زمین کہیں سخت اور کہیں نرم تھی اور پہاڑ کی چوٹی پر شہر بیت المقدس آباد ہے، ساحل طرابلس سے بیت المقدس تک چھپن فرسنگ اور بلخ سے بیت المقدس تک آٹھ سو چھتر فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

۶۔ بیت المقدس

سیاحت کا دوسرا سال | پانچویں رمضان ۴۳۵ھ (۵ مارچ ۱۰۴۴ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا۔ گھر سے نکلے ہوئے آج پورا ششماہی سال ہو گیا تھا اور روزمرہ کے سفر سے کسی جگہ قیام و آرام نصیب نہیں ہوا تھا۔

شامی اور اس نواح کے باشندے بیت المقدس کو قدس کہتے ہیں، شامیوں میں سے کوئی حج کو نہیں جاتا ہے بلکہ ایام حج میں یہ لوگ قدس شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور موقف میں ٹھہر کر دستور کے مطابق عید کی قربانی کرتے

اصل نسخہ میں خاتون ہے۔ یہ غلط ہے صحیح نام لثرون ہے۔ نوٹ ملاحظہ ہو۔

۱۳۴ھ ناھر خرد ۲۳ شعبان ۴۳۵ھ کو مرد شاہ جان سے روانہ ہوا تھا اور سلخ شعبان ۴۳۵ھ میں قیام سے قدس کو روانہ ہوا۔ اس حساب سے سیاحت کا ایک سال ختم ہوا اور رمضان ۴۳۵ھ سے دو مہر سال شروع ہوا۔

ہیں۔ کسی سال ذی الحجہ کی ابتدا میں بیس ہزار سے زیادہ زائرین یہاں آتے ہیں اور اپنے بچوں کے ختنے کراتے ہیں اور ممالک روم اور دیگر مقامات سے بکثرت عیسائی اور یہودی یہاں کے گرجاؤں اور ہیکلوں کی زیارت کو آتے ہیں۔

(بیت المقدس کے بڑے گرجا کے حالات اپنے موقع پر تحریر ہوں گے۔)

شہر بیت المقدس اور اس کے نواح کا علاقہ کوہستانی ہے۔ تمام زراعت اور زیتون و انجیر کے درخت آبپاشی سے محروم ہیں تاہم ایشیا کی افراط ہے اور زرخ ارزاں ہے، دولت مندوں میں سے بعض ایک ہزار آٹھ سو کچھتر من (تقریباً ۱۶۸۰۰ گیلن) روغن زیتون حوض اور چالٹ میں بھری لیتے ہیں۔ پھر اس کو دوسرے ملکوں میں (تاجرانہ حیثیت سے) لے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک شام میں کبھی قحط نہیں پڑا ہے اور ثقہ لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا تھا کہ ”یا رسول اللہ! معاش میں ہماری اعانت فرمائیے“ ارشاد ہوا کہ ”روٹی اور روغن زیتون میرے ذمہ ہے“ اب میں شہر بیت المقدس کا حال لکھتا ہوں۔ یہ شہر پہاڑ پر آباد ہے اور اس میں صرف بارش کا پانی رہتا ہے البتہ دیہات میں پانی کے چشمے ہیں۔ شہر میں کوئی چشمہ نہیں ہے کیونکہ شہر پہاڑ پر آباد کیا گیا ہے اور شہر کے گرد پتھر اور چونہ کی مضبوط دیوار ہے اور لوہے کے پھاٹک ہیں۔ آبادی میں کسی درخت کا پتہ نہیں ہے۔ بیت المقدس بڑا شہر ہے اور فی زمانہ (عہد سیاحت ناصر خسرو) اس کی مردم شماری بیس ہزار ہے۔ بازار خوبصورت اور عمارات بلند ہیں۔ شہر میں پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ اور جہاں پہاڑ تھا اس کو کاٹ کر ہموار کر دیا ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر تمام شہر دھل کر صاف ہو جاتا ہے۔

شہر میں دستکاروں کی افراط ہے اور ہر پیشہ ور (صناع) کے بازار

جُدا گاتے ہیں، فصیل شہر کی جو مشرقی دیوار ہے، وہی جامع مسجد کی دیوار ہے۔
سناہرہ | جب جامع مسجد سے آگے بڑھو تو مسلسل ایک بڑا جنگل ملتا ہے جس کو
 ساہرہ کہتے ہیں اور مشہور ہے کہ یہی میدان قیامت ہے اور یہی محشر خلاق ہوگا۔
 اور محض اسی خیال سے اطراف عالم سے اگر لوگ یہاں قیام کرتے ہیں تاکہ اس
 مقدس سرزمین میں اُن کا انتقال ہو۔ اور جب خدا کا وعدہ پورا ہو تو مقام
 موعود پر حاضر ہو جائیں۔ خدا وندا! بندوں کو اس دن تو اپنی پناہ میں
 رکھنا اور ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ آمین یا رب العالمین۔

اس جنگل کے کنارے ایک بڑا مقبرہ ہے اور بکثرت مقدس مقامات
 ہیں جہاں حاضر ہو کر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور حاجت براری کی دعائیں
 مانگتے ہیں اور خدا ان کی دعائیں پوری کرتا ہے۔ اللہم تقبل حاجاتنا واغض
 ذنوبنا وسیئاتنا وارحمننا برحمتک یا ارحم الراحمین۔ دای خدا!
 ہماری مرادوں کو پورا کر اور ہمارے گناہوں اور بد اعمالیوں کو معاف فرما اور
 اسی سب سے بڑے رحم کرنے والے اپنی رحمت سے ہم پر رحم کر۔

مسجد اور دشت ساہرہ کے مابین نشیب میں ایک وادی ہے اور پھر اس
 وادی میں جو بطور خندق کے ہے قدیم طرز کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ ایک
 مکان کے اوپر میں نے دیکھا کہ پتھر کا ترشا ہوا گنبد رکھا ہے جو بالکل ہی عجیب
 و غریب تھا اور سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اپنی جگہ سے وہ کیوں نکرا اٹھا گیا ہے۔ لیکن
 یہ روایت زباں زد ہے کہ یہ فرعون کا محل تھا۔ اور وادی مذکور یہی وادی
 جہنم ہے۔

میں نے دریافت کیا کہ اس جگہ کا یہ نام کس نے رکھا ہے؟
وادی جہنم | لوگوں نے بیان کیا کہ امیر المؤمنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ

کے عہد خلافت میں یہاں (دشت ساہرہ) فوج کا قیام ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادی کو دیکھ کر اس کا نام وادی جہنم رکھا تھا۔ عوام کا بیان ہے کہ جو شخص اس وادی کے سرے تک جائے تو اس کو دوزخیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میں اخیر تک گیا لیکن میں نے تو کچھ نہیں سنا۔ شہر سے جنوب کی طرف نصف فرسنگ چلنے پر جب نشیب میں اتریں تو چشمہ

عین سلوان ملتا ہے۔ یہ چشمہ ایک پتھر سے نکلا ہے جس کے

عین سلوان

کنارے بکثرت عمارت ہیں اور اسی چشمہ سے گائیں پانی جاتا ہے۔ یہ آباد موضع ہے جس میں باغات لگائے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس چشمہ میں غسل کرنے سے امراض کہنہ دُور ہو جاتے ہیں اور اس چشمہ کے متعلق کثرت سے اوقاف ہیں۔

بیت المقدس کا شفاخانہ (بیمارستان) اچھا ہے اور مصداق کے لیے بڑی جاہلاد وقف ہے اور بکثرت لوگوں کو ہر قسم کی دوائیں اور مشروبات مفت ملتے ہیں اور شفاخانے کے

شفاخانہ

طیب وقف کی آمدنی سے تنخواہ پاتے ہیں۔ اور شہر کے مشرقی کنارہ پر جامع مسجد (مسجد اقصیٰ) ہے، جس کی ایک دیوار وادی جہنم کے کنارے ہے۔ جب مسجد کے بیرونی رخ سے اس دیوار کو دیکھیں تو وہ تقریباً سو گز کی معلوم ہوتی ہے جو بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے اور جس میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی نہیں ہے اور صحن مسجد سے تمام دیواروں کی چوٹیاں ایک سیدھ میں نظر آتی ہیں اور یہ مسجد اقصیٰ محض سنگ صخرہ کی وجہ سے بنائی گئی ہے۔

لہ شفاخانہ کا نام بیمارستان اس لیے ہے کہ اس میں مریضوں کے قیام کے لیے وارڈ

ہوتے تھے اور یہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔

صخرہ مبارک
اور
مسجد اقصیٰ

یہ سنگ صخرہ وہی ہے جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ تم اس کو اپنا قبلہ بناؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمان خداوندی کے مطابق اس کو قبلہ بنایا تھا، لیکن اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہو گیا اور عمر نے وفات کی، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک یہی سنگ صخرہ قبلہ بنا رہا لہذا اس کے گرد مسجد تعمیر ہوئی۔ چنانچہ صخرہ وسط مسجد میں آگیا اور وہی مخلوق کا قبلہ قرار پایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو قبلہ جانتے تھے اور اسی طرف سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایزد تبارک تعالیٰ کا فرمان صادر ہوا کہ تمہارا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ (تفصیلی بیان اپنے موقع پر آتا ہے) میں مسجد کی پیمائش کرنا چاہتا تھا پھر خیال آیا کہ اول غور سے مسجد کی شکل و صورت دیکھ لوں اس کے بعد پیمائش کر لی جائے گی۔ چنانچہ اس خیال سے مدتوں مسجد میں چل پھر کر دیکھتا رہا تو جانب شمال، قبہ یعقوب علیہ السلام کے قریب ایک حراب میں کتبہ ملا جس میں لکھا تھا کہ طول اس مسجد کا سات سو چار ہاتھ اور عرض چار سو پچیس ہاتھ ہے۔ یہ پیمائش گز ملک کے مطابق ہے اور یہ دہی گز ملک ہے جس کو خراسان میں گز شاخگاں کہتے ہیں اور یہ گز پیمائش میں ڈیڑھ ہاتھ سے کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ (نومٹھی، ابن حوقل)۔

مسجد کا فرش سنگین ہے اور پتھر کی درزوں کو رنگ سے بند کیا ہے اور مسجد شہر و بازار کے مشرق جانب واقع ہے۔ کیونکہ جب بازار سے مسجد میں داخل ہوں تو مشرق سامنے پڑتا ہے، ایک بڑا خوبصورت دروازہ ہے جو بیس گز اونچا اور بیس گز چوڑا ہے جس میں دو بنگلی کھڑکیاں نکالی ہیں، چنانچہ دروازہ اور کھڑکیاں اوہ ایوان طرح طرح کے نقش و نگار اور مینا (شیشے پر سبز لاجوردی کام کو مینا کہتے ہیں) کے کام سے آراستہ ہیں اور یہ کام پلاستر کے اوپر بنایا گیا ہے جس کے دیکھنے

سے آنکھوں کو چکا چوند ہوتی ہے اور دروازے پر جو کتبہ لگایا ہے وہ بھی مینا کار ہے جس پر سلطان مصر کا لقب لکھا ہوا ہے جب سورج کی کرنیں اس دروازے پر پڑتی ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور سڈول پتھر کا ایک گنبد اس دروازہ کے اوپر ہے۔

اور دروازے پر تکلف ہیں جس کے اوپر دمشق کا پتیل (جو بعبینہ سونا معلوم ہوتا ہے) جڑا ہوا ہے، جس پر سونا گھوٹ کر بے شمار بیل بوٹے بنائے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک پندرہ گز اونچا اور آٹھ گز چوڑا ہے اور اس دروازہ کا نام باب داؤد ہے۔ جب اس دروازہ سے نکلیں تو داسٹے ہاتھ پر دو بڑے دالان ملتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں انتیس ستون سنگ مرمر کے ہیں اور ہر ستون کا بالائی جوڑ

یعنی سر بند اور نیچے کے پائے (گرسیاں) رنگین سنگ مرمر کے ہیں اور درزوں کو قلمی سے بند کیا ہے اور ستون کے اوپر پتھر کی محرابیں ہیں جس میں گارے اور چونہ

کا نام نہیں ہے بلکہ تلے اوپر پتھر رکھ دیے گئے ہیں چنانچہ کسی محراب میں چار پانچ پتھر سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ سلسلہ عمارت مقصورہ تک ہے۔ جب اس دروازہ

سے بائیں ہاتھ پر جائیں (یہ مسجد کا شمالی حصہ ہے) تو ایک لانا دالان ملتا ہے جس میں چونسٹھ محراب ہیں اور سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ اور اس دیوار کے

قریب ایک دوسرا دروازہ ہے جس کو باب السقر کہتے ہیں اور طول مسجد اقصیٰ کا شمال سے جنوب کی طرف ہے اور چونکہ اس رخ سے مقصورہ تراش لیا ہے، لہذا

صحن مرتب ہو گیا ہے اور قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اور شمال کی طرف یکے بعد

دیگرے دروازے ہیں جن میں سے ہر ایک سات گز چوڑا اور بارہ گز اونچا ہے اور اس دروازہ کو باب الاسباط کہتے ہیں۔

یہ مسجد کے اس حصہ کو مقصورہ کہتے ہیں جو کثیرہ لگا کر خلفا، سلاطین اور عمائدین ملک کے نماز پڑھنے

کے لیے محدود کر دیا جاتا ہے اور یہ ایک امن کی جگہ ہوتی ہے۔

اور جب اس دروازے سے مسجد کے صحن کی طرف چلیں جو جانب مشرق ہو تو پھر ایک بڑا دروازہ ملتا ہے جس میں تین در ہیں، اور اسی قدر بڑے ہیں جیسا کہ باب الاسباط ہے۔ ان دروازوں پر لوہے اور پتیل کا ایسا کام بنایا گیا ہے جس سے زیادہ خوبصورت ہونا غیر ممکن ہے۔ اس دروازہ کو باب الایواب کہتے ہیں اس لیے کہ اور پچھانک ڈو ڈو در کے ہیں اور یہ سہ درہ ہے اور ان دو شمالی دروازوں کے مابین اس والان پر جس کی محرابیں ستونوں پر ہیں ایک قبة ہے اور یہ قبة اونچے ستونوں پر قائم ہے جو تبدیل اور چراغ والوں سے آراستہ ہے۔ اور اس کو قبة یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے اور صحن مسجد پر ایک عمارت ہے جس کی دیوار پر ایک دروازہ نصب ہے جس کے باہر صوفیوں کے لیے دور یا صنت گا ہیں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر خوبصورت مصلے اور محرابیں بنی ہیں اور اس جگہ ہمیشہ صوفیوں کے جھگڑے رہتے ہیں اور وہ اسی جگہ نماز پڑھتے ہیں لیکن جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہیں اور تکبیر کی آواز بالا خانے تک پہنچ جاتی ہے اور مسجد کے رکن شمالی پر دوسری خوبصورت عمارت ہے جس پر ایک شاندار اور خوبصورت قبة بنا ہوا ہے اور اس پر تحریر ہے ہذا محراب شکس آیا۔ روایت ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ہمیشہ اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور مشرقی دیوار پر مابین مسجد ایک بڑا والان ہے جس کو سڈول پتھر سے گویا ایک ڈال تراش لیا ہے۔ اس کی اونچائی پچاس گز اور چوڑائی تیس گز ہے جس میں نقاشی اور منبت کاری کی گئی ہے اور اس والان میں دس خوبصورت دروازے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر دو دروازوں کے مابین ایک پایہ ہوا ان دروازوں میں بہت کچھ تکلف کیا گیا ہے جس میں لوہے اور دمشق پتیل کے کرشے اور گل میخیں جڑی ہوئی ہیں۔ روایت ہے کہ اس عمارت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے

بنایا تھا، جب اس کے اندر مشرق سے داخل ہوں تو ان دروازوں میں سے جو آئیں ہاتھ پر ہیں۔ ایک باب الرحمتہ اور دوسرے کو باب التوبہ کہتے ہیں اور یہی وہ دروازہ ہے جہاں خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ اس دروازہ پر ایک خوبصورت مسجد ہے۔ کسی زمانہ میں یہ ایک اندرونی دالان تھا جس کو اب مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس مسجد میں طرح طرح کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور اس کے خدام بھی جداگانہ ہیں، یہاں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے جو نماز اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ اسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، اسی بنا پر ہر شخص معافی گناہ کا امیدوار ہے۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جیسے ہی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا ہے، ویسے ہی بذریعہ وحی قبولیت توبہ کی خوش خبری آگئی اور آپ اسی جگہ ٹھہر گئے اور عبادت میں مشغول ہوئے اور ناصر نے بھی (یعنی میں نے) اس جگہ نماز پڑھی اور خدا سے مناجات کی کہ اس کو گناہوں سے بچنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خداوند عالم تمام بندوں کو ایسی توفیق دے جس میں رضائے الہی ہے۔ اور اپنے حبیب اور آل اطہار کے صدقہ میں گناہوں سے توبہ نصیب کرے۔ مشرقی دیوار کا جو جنوبی گوشہ ہے اسی سمت پر کعبہ ہے اور شمالی دیوار کے سامنے ایک زمین دوز مسجد ہے (بطور تہ خانہ) جس میں بہت سی سیڑھیاں اتر کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ مسجد طول میں ۲۰ گز اور عرض میں ۱۵ گز ہے اور سنگ مرمر کے ستونوں پر سنگین چھت قائم ہے۔

مہدی عیسیٰ علیہ السلام | اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ (پالنا)

اسی جگہ رکھا ہوا ہے۔ یہ پتھر کا ہے اور اس قدر بڑا ہے جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے بھی اس میں نماز پڑھی ہے اور اس کو زمین میں ایسا نصب کر دیا ہے کہ جنبش نہ کر سکے۔ یہ وہی ہندولہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں جھولا کرتے تھے اور لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ گہوارہ مسجد میں بجائے محراب کے قائم ہے۔

اور اسی مسجد میں جانب مشرق محراب مریم علیہا السلام ہے اور دوسری محراب حضرت زکریا علیہ السلام کی ہے۔ کلام مجید میں حضرت زکریا اور حضرت مریم کی شان میں جس قدر آیات نازل ہوتی ہیں وہ ان محرابوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ روایت ہے کہ یہ مسجد مولد عیسیٰ علیہ السلام ہے اور پتھر کے ایک ستون پر دو انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کو پکڑا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت مریم نے وضع حمل کے وقت اس ستون کو دو انگلیوں سے دبا یا تھا اور یہ مسجد مہد عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ پتیل اور چاندی کی بکثرت قندیلیں آویزاں ہیں جو تمام رات جلتی ہیں جب اس مسجد کے دروازہ سے آگے بڑھیں اور مشرقی دیوار سے بڑی مسجد تک پہنچیں تو ایک دوسری مسجد ملتی ہے جو اس مسجد (مہد عیسیٰ) سے دو چند بڑی ہے اور اس کو مسجد الاقصیٰ کہتے ہیں۔

مسجد الاقصیٰ | یہ وہی مسجد ہے جس میں خدائے عزوجل نے نبی کریم کو شب معراج میں مکہ معظمہ سے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اور پھر آپ یہاں سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے جس کا تذکرہ کلام مجید کی اس آیت میں ہے: **مَسْجِدَ الَّذِي**
أَسْرَىٰ بِهِ بَعْبُدُ ۗ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ اس جگہ خوشنما

(بلکہ وہ خدا عجز اور در ماندگی کے عیب سے پاک ہے، جو اپنے بندے محمد کو راتوں رات مسجد حرام (مکہ) سے

سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا)

عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن میں پاکیزہ فرش بچھے ہوئے ہیں۔ اور جس کی خدمت کے لیے ہمیشہ مہذّام دست بستہ حاضر رہتے ہیں۔

جب (جنوبی مشرقی) دیوار کی طرف لوٹو تو اس گوشہ سے تقریباً ۲۰۰ گز تک کوئی عمارت نہیں ہے بلکہ مسجد اقصیٰ کے صحن کا ایک حصہ ہے اور مسجد کی صدر عمارت (یعنی بڑی محراب کا وہ دالان جس پر گنبد ہوتے ہیں) کا طول چار سو آٹھ ہاتھ ہے جس کے داہنے ہاتھ پر رقبہ حرم کے اندر جنوبی اور غربی دیوار کے گوشہ میں مقصورہ واقع ہے۔ اور مجموعی حیثیت سے چھت کا طول (مغربی ضلع کی لمبائی) ۲۲۰ ہاتھ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ ہے۔ اور مسجد الاقصیٰ میں جملہ دو نشوانی سنگ مرمر کے ستون ہیں اور ان پر پتھر کی محرابیں ہیں اور ان ستونوں کے سر بند اور تے منقش ہیں۔ اور درزوں کو رانگ سے ایسا بند کر دیا ہے جس سے زیادہ مستحکم ہونا غیر ممکن ہے۔ اور ہر دو ستونوں کے مابین چھو ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ اور تمام فرش رنگین سنگ مرمر کا ہے، اور ان پتھروں کی درزوں پر رانگ کی ٹیپ ہے۔

مقصورہ (مسجد و رقبہ حرم کی) جنوبی دیوار کے وسط میں ہے اور بہت بڑا ہے جس میں سولہ ستون ہیں اور قبۃ بھی بہت بڑا ہے جس پر مینا کاری کی گئی ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

مسجد الاقصیٰ
کا
مقصورہ

مقصورہ کے اندر مغربی چٹائیوں کا فرش ہے۔ قندیلیں اور چراغ دان جدا جدا زنجیروں میں لٹکے ہوئے ہیں اور بڑی محراب مینا کار بناتی ہے، جس کے ہر دو جانب سنگ مرمر کے ستون عقیق سرخ کی طرح ہیں۔ اور مقصورہ کی چاروں طرف کی دیوار سنگ مرمر کی ہے اور دائیں ہاتھ پر امیر معاویہ کی محراب ہے اور بائیں ہاتھ پر حضرت عمرؓ کی محراب ہے۔

اس مسجد کی چھت لکڑیوں سے پیٹی ہوئی ہے جو نقش و نگار سے آراستہ ہے،

مقصودہ کے صحن کی جانب پندرہ دروازے ہیں جس میں خوبصورت جوڑیاں پڑھی ہوئی ہیں اور ہر ایک دروازہ دس گز اونچا اور چھو گز چوڑا ہے۔ چنانچہ منجملہ پندرہ کے دس دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۴۲۰ ماٹھ ہے اور پانچ دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۱۵۰ ماٹھ ہے اور منجملہ ان دروازوں کے ایک خاص پیتل کا ہے جو نہایت خوبصورت اور پرتکلف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا طلا کی ہو کیونکہ خالص ورم چاندی سے زمین تیار کر کے اس پر نقش و نگار بنائے ہیں۔ اور خلیفہ مامون الرشید عباسی کا نام اس پر نقش ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مامون الرشید نے اس دروازہ کو بغداد سے بھیجا تھا۔ جب مسجد کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس وقت اس مسجد کا اندرونی حصہ ایسا روشن ہو جاتا ہے گویا ایک کھلا ہوا صحن ہے جس میں چھت نہیں ہے۔ البتہ ہوا اور بارش کے زمانہ میں دروازے بند رہتے ہیں اور مسجد کے اندر روشنی روزوں سے آتی ہے اور صدر عمارت کے ہر چار جانب باشندگان ممالک شام اور عراق کی طرف سے صندوق رکھے ہیں (خیرات کے لیے) اور مجاور بیٹھے رہتے ہیں جیسا کہ مسجد الحرام مکہ معظمہ میں دستور ہے۔ اور مسجد الاقصیٰ کے باہر بڑی دیوار پر جس کا ذکر ہو چکا ہے، ایک عمارت ہے جس میں بیالیس محراب ہیں اور تمام ستون زمیں سنگ مرمر کے ہیں اور یہ عمارت مغربی عمارت سے جا کر مل جاتی ہے اور اندرونی حصہ مسجد میں ایک حوض ہے کہ جب اس پر ڈھکنا رکھ دیا جاتا ہے تو زمین کے برابر نظر آتا ہے۔ یہ حوض برساتی پانی کے لیے ہے۔ اور دیوار جنوبی پر ایک دروازہ ہے، وہاں ایک وضو خانہ ہے اور پانی بھی رہتا ہے کہ اگر کسی کو وضو کی ضرورت ہو تو از سر نو وضو کرے کیونکہ اگر کوئی وضو کے لیے مسجد سے باہر جائے تو پھر نماز نہیں مل سکتی ہے۔ اس لیے کہ حرم مسجد بہت

لے برٹش میوزیم اور پروفیسر شیفرڈ کے نسخہ میں (بابت پیمائش) اختلاف ہے۔

طویل ہو اور تمام عمارتوں کی چھت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہو اور مسجد میں حوض اور تالاب بہت ہیں جو زمین کھود کر بنائے گئے ہیں، کیونکہ کل مسجد پہاڑی چٹان پر ہی چنانچہ برساتی پانی کا کوئی حصہ ضائع نہیں جاتا ہو بلکہ تالابوں میں جمع ہوتا ہو۔ اور یہی پانی لوگ بھر کر لے جاتے ہیں اور رانگ کے پرنائے ہیں جن کے ذریعہ سے پانی بہتا ہو اور پرنالوں کے نیچے سنگین حوض بنے ہوئے ہیں جن کے پینڈے میں سوراخ ہیں جن کے اندر سے پانی بہ کر نالیوں کے ذریعہ سے حوض میں چلا جاتا ہو، جو آمیزش سے پاک و صاف ہوتا ہو اور اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی ہو۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر میں نے ایک بہت بڑا تالاب دیکھا جس میں پہاڑ سے آکر پانی جمع ہوتا ہو اور اس میں ایسی نالیاں بنائی ہیں جن کے ذریعہ سے شہر کی مسجد میں پانی آتا ہو۔ اور تمام شہر میں سب سے زیادہ پانی کی افراط مسجد میں رہتی ہو۔ شہر کے جملہ مکانات کے اندر حوض بنے ہوئے ہیں جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا ہو، کیونکہ برساتی پانی کے علاوہ اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا ہو۔ اور ہر شخص وہ پانی (جو برسات میں) پھتوں سے بہ کر گرتا ہو جمع کر لیتا ہو اور حمام وغیرہ میں یہی پانی خرچ ہوتا ہو۔ جس قدر حوض مسجد میں ہیں ان میں کبھی مرمت کی ضرورت نہیں ہوتی ہو کیونکہ یہ سب سنگِ خارا کے بنے ہوئے ہیں اور اگر کسی میں درز پڑ جاتی ہو یا سوراخ ہو جاتا ہو تو اس کو ایسا مضبوط بنا دیتے ہیں کہ پھر کبھی خراب نہیں ہوتا۔ روایت ہو کہ ان حوضوں کو سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا ہو اور حوض کے دہانے اس قسم کے ہیں جیسے تنور اور کٹنوں کا منہ ہوتا ہو اور ہر حوض کے اوپر ایک پتھر رکھا ہوا ہو تاکہ کوئی چیز اس میں نہ گرے۔ شہر بیت المقدس کا پانی اور سب جگہ سے صاف ستھرا ہو اور اگر تھوڑی سی بھی بارش ہو جاتی ہو تو دو تین دن تک پرنالوں سے پانی بہا کرتا ہو۔ جب ہوا صاف

ہو جاتی ہے اور بادلوں کا نشان نہیں رہتا تب بھی پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ میں کہ چکا ہوں کہ شہر بیت المقدس پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور زمین ہموار نہیں ہے لیکن مسجد الاقصیٰ کی زمین برابر اور ہموار ہے اور مسجد کے باہر دیگر مقامات کے مقابلہ میں جہاں نشیب ہے، مسجد کی دیوار بہت اونچی ہے، کیونکہ بنیاد نشیبی حصہ پر رکھی گئی ہے اور جہاں بلندی ہے وہاں دیوار بہت چھوٹی ہے لہذا جن مقامات میں شہری آبادی اور محلے نشیب میں ہیں، وہاں مسجد میں صحن کے جانب سرنگ لگا کر زمین دوز دروازے نکالے ہیں، ان دروازوں میں سے ایک کو باب اللہی کہتے ہیں جو قبلہ رو یعنی جنوب کی طرف ہے۔ اس دروازہ کی چوڑائی دس گز ہے اور بلندی سیرٹھیوں کے مقابلہ میں کسی جگہ پانچ گز رہ گئی ہے، یعنی سرنگ کی چھت کسی جگہ بیس گز بلند ہے جس پر مسجد کی عمارت ہے اور سرنگ کی چھت اس قدر مضبوط ہے جس کے اوپر مسجد اقصیٰ جیسی بڑی عمارتیں بناتی ہیں اور پھر اس پر کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور ایسے بھاری پتھر لگائے ہیں کہ عخل میں نہیں آتا کہ قوت بشری نے ان کو اٹھا کر کس طرح یہاں تک پہنچایا ہے۔

روایت ہے کہ یہ عمارت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں اسی راستہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ دروازہ مکہ معظمہ کی سڑک پر ہے اور اس دروازہ کے قریب دیوار پر ایک بڑی سپر کے برابر نشان ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (عم رسول اللہ صلم) نے اس جگہ قیام فرمایا تھا اور چونکہ آپ پیٹھ لگا کر بیٹھے تھے لہذا سپر کا پورا نقش دیوار پر بن گیا ہے اور مسجد کے اس دروازہ پر (یعنی زمین دوز دروازہ کی چھت پر) ایک در میں دو کواڑ لگائے ہیں۔ مسجد کی دیوار باہر سے تقریباً پچاس گز بلند ہے اور اس دروازے کی تعمیر سے یہ غرض تھی

کہ اس محلکے باشندوں (جس میں مسجد کا یہ ضلع شامل ہے) کو مسجد میں چکر کاٹ کر نہ آنا پڑے۔ اور مسجد کے داہنے ہاتھ پر دیوار میں ایک پتھر ہے جس کا طول گیارہ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہے، چنانچہ اس سے بڑا کوئی دوسرا پتھر مسجد میں نہیں ہے۔ البتہ چوگڑے اور تچ گڑے پتھر بافراط دیوار میں نصب ہیں جو سطح زمین سے تیس اور چالیس گز کی بلندی پر ہیں اور عرض مسجد میں ایک شرقی دروازہ ہے جس کا نام باب العین ہے۔ جب اس دروازہ سے نکل کر نشیب کی طرف اترتے ہیں تو چشمہ سلوان ملتا ہے۔

اور اسی قسم کا ایک دوسرا زمین دو دروازہ ہے جس کا نام باب الحطہ ہے۔ روایت ہے کہ یہ وہ دروازہ ہے جس کی نسبت خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ”ادخلوا الباب سجداً و قولوا حطّٰة نغفر لکم خطیئکم و سنزید المحسنین“ ایک تیسرا دروازہ اور ہے جس کو باب السکینہ کہتے ہیں جس کے اندرونی دالان میں ایک مسجد ہے، جس میں بکثرت محرابیں ہیں اور اس کا پہلا دروازہ بند ہے جس میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں تابوت سکینہ (جس کا تذکرہ کلام مجید میں ہے) رکھا ہوا ہے جس کو فرشتے اٹھایا کرتے تھے اور جامع بیت المقدس میں اوپر اور نیچے کُل نو دروازے ہیں، جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔

چبوترہ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کے صحن میں ایک چبوترہ ہے۔ سنگ صخرہ جو اسلام سے پہلے

لے دروازے میں داخل ہونا چھکے چھکے اور کہتے جانا کہ توبہ ہے، ہم معاف کر دیں گے تمہاری خطائیں اور ابھی ابھی مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

قبلہ تھا، اسی چبوترہ کے وسط میں رکھا ہوا ہے۔ اور چبوترہ بنانے کا یہ سبب ہے کہ صحفرہ بلند تھا اور اس پر عمارت بنانی غیر ممکن تھی، اس لیے چبوترہ تعمیر کیا ہے جس کی پیمائش طولاً تین سو تیس باہتہ اور عرضاً تین سو باہتہ اور بلندی بارہ گز ہے اور صحن مسطح خوبصورت سنگ مرمر کا ہے اور دیواریں بھی اسی پتھر کی ہیں جس کی درزیاں رنگ سے بند ہیں۔ اور اطراف چبوترہ کو سنگ مرمر کے چوکوں سے بطور حظیمہ گھیر لیا ہے اور اس کی ساخت اس قسم کی ہے کہ بجز مقررہ راستوں کے کسی دوسرے راستہ سے اس پر چڑھ نہیں سکتے ہیں۔ اور جب چبوترہ پر چڑھ جائیں تو مسجد اقصیٰ کی چھت سے قریب ہو جاتے ہیں۔ صحن چبوترہ میں ایک زمین دوز حوض ہے جس میں اس جگہ کا برساتی پانی نالیوں سے جا کر جمع ہو جاتا ہے۔ اس حوض کا پانی مسجد کے تمام حوضوں کے پانی سے بدرجہا پاک و صاف ہے۔ اس چبوترہ پر چار بچے ہیں جن میں سب سے بڑا قبہ صحفرہ ہے جو قبلہ رہ چکا ہے۔

قبۃ صحفرہ کا بیان

مسجد اقصیٰ کی بنیاد اس طرح پر ڈالی گئی ہے کہ چبوترہ مذکورہ صحن میں آگیا ہے اور چبوترہ کے وسط میں قبۃ صحفرہ ہے اور صحفرہ ٹھیک قبہ کے اندر ہے اور عمارت صحفرہ ہشت پہل ہے، جس کا ہر ضلع تین تیس باہتہ ہے۔

چار سمت میں چار دروازے ہیں، یعنی مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی۔ اور دو دروازوں کے مابین ایک ضلع ہے۔ تمام دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول بیس باہتہ ہے اور صحفرہ کا محیط تسو گز ہے۔ صحفرہ شکل و صورت میں خوشنما نہیں ہے، یعنی نہ چوکور ہے نہ گول، بلکہ پہاڑی پتھروں کی طرح ایک بے ڈول پتھر ہے۔ صحفرہ کے چاروں طرف چار مرتب ستون قائم ہیں جو

عمارت صحفرہ

اونچائی میں دیواروں کے برابر ہیں، پھر ہر دو ستونوں کے درمیان (مُجملہ چار) سنگ مرمر کے دوہرے گول ستون اور ہیں، جو بلندی میں بڑے ستونوں کے برابر ہیں۔ اور ان بارہ ستونوں اور اسطوانوں پر گنبد کی بنیاد قائم ہے جس کے نیچے صخرہ ہے اور جس کا محیط ایک سو بیس ہاتھ ہے۔ اس عمارت میں جو ستون اور اسطوانہ ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو کھمبے چوکور (مربع) ہیں، میں ان کو ستون کہتا ہوں اور جو ستون ایک ڈال پتھر کے گول (مدور) ہیں ان کو اسطوانہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

بعد ازاں ان ستونوں اور دیوار مکان کے مابین خوش نما پتھروں سے چھ ستون اور بنائے گئے ہیں۔ پھر ہر دو ستونوں کے مابین تین عمود رنگین سنگ مرمر کے برابر فاصلہ دے کر قائم کیے گئے ہیں۔ جس طرح پہلی صف میں دو ستونوں کے مابین دو عمود تھے، اسی طرح یہاں دو ستونوں کے درمیان میں تین عمود ہیں اول ہر ستون کا بالائی حصہ چوگوشہ ہے، جن میں سے ہر ایک گوشہ ایک محراب کا پایہ ہے اور ہر عمود کے دو گوشے ہیں، چنانچہ ہر عمود پر دو محراب ہیں۔ اور اس حساب سے ہر ستون پر چار محراب ہیں ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ بڑا گنبد، جو بارہ ستونوں پر صخرہ کے نزدیک قائم ہے ایک فرسنگ سے پہاڑ کی چوٹی کی طرح نظر آتا ہے، کیونکہ گنبد چوٹی سے چوٹی تک تیس ہاتھ ہے۔ اور پھر بیس گز کی بلندی پر دیوار اور ستون اٹھائے گئے ہیں، جو دراصل خانہ صخرہ کی دیوار ہے اور مکان صخرہ بارہ گز اونچے چوڑے پر ہے۔ اس حساب سے سطح مسجد سے گنبد کی چوٹی تک باسٹھ گز ہوتے ہیں اور اس مکان کی (اوپر اور نیچے) چھت لکڑی کی ہے۔ اور ان جملہ ستونوں پر ایسی صنعت سے دیوار

اصل عبارت یہ ہے: "دیام و سقف این خانہ تجارت پوشیدہ است۔ ہماری رلنے میں با م سے صلی چھت ملا ہوا در سقف سے چوٹی چھت گیری مقصود ہے جس کے نمونہ دہلی وغیرہ کی عمارتوں میں ہنوز موجود ہیں۔ دانہ با م کھلی ہوئی چھت کو کہتے ہیں اور سقف وہ حصہ ہے جو پٹا ہوا ہوتا ہے۔"

اٹھائی ہو کہ جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی۔

صحفرہ قد آدم زمین سے بلند ہو اور سنگ مرمر کا ایک ٹھجر اس کے گرد ہو تاکہ کوئی اس کو چھونہ سکے۔ سنگ صحفرہ نیلگوں ہو اور کسی نے آج تک اس پر قدم نہیں رکھا ہو۔ اور جانب قبلہ ایک طرف گڑھا سا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ کوئی شخص اس پر سے گزرا ہو، جس کے پاؤں پتھر میں دھس گئے ہیں اور وہ ایسی نرم مٹی تھی جس میں پاؤں کی انگلیوں کے نشان بن گئے ہیں۔ علاوہ بریں قدم کے سات نشان بھی اس پر موجود ہیں اور میں نے یوں سنا ہو کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں تشریف رکھتے تھے اور حضرت اسحق علیہ السلام کا بچپن تھا یہ ان کے قدم کے نشان ہیں۔

صحفرہ مبارک میں ہمیشہ مجاور اور درویش (عابد) رہا کرتے ہیں، اور یہ مکان ریشمی فرش وغیرہ سے آراستہ رہتا ہو اور صحفرہ کے عین وسط میں ایک نقری قندیل، چاندی کی زنجیریں لٹکی ہوئی ہو۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں، جن پر ہر ایک کا وزن لکھا ہو ہو۔ اور یہ قندیلیں سلطان مصر کا عطیہ ہیں۔ میں نے حساب لگایا تو سینتیس من چاندی کی مختلف اشیا وہاں موجود تھیں۔

یہاں میں نے ایک شمع دیکھی جس کا طول ساٹھ ماٹھ اور جس کی جسامت تین بانٹ کی تھی، جس میں کافور راجی اور عنبر وغیرہ کی آمیزش تھی۔ لوگوں کا بیان ہو کہ سلطان مصر سالانہ بکثرت شمعیں بھیجا کرتا ہو۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ بڑی شمع بھی ہو (جس کے نیچے) طلایٰ حروف میں سلطان مصر کا نام لکھا ہو تھا۔ خدا کے گھردوں میں سے یہ (صحفرہ یا منیت المقدس) تیسرا مکان ہو۔ کیونکہ علمائے دین میں مشہور ہو کہ جو نماز بیت المقدس میں پڑھی جائے وہ پچیس ہزار اور جو مدینہ طیبہ

میں پڑھی جائے وہ پچاس ہزار اور جو خانہ کعبہ میں پڑھی جائے وہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہو۔ خداوند عالم اپنے سب بندوں کو یہاں تک پہنچنے کی توفیق دے۔ یہ میں کہ چکا ہوں کہ تمام چھتوں اور گنبدوں کی پشت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہو۔ اور حرم کے چاروں طرف بڑے دروازے قائم ہیں، منجملہ ان کے دو دروازے چوب ساچ کے ہیں۔ مگر یہ دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔

قبة سلسله عمارت صخرہ کے بعد (چبوترہ پر) ایک اور قبہ ہے جس کو قبہ سلسلہ کہتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں داعی علیہ السلام کی کی زنجیر لٹک رہی ہے۔ اور علماء میں مشہور ہے کہ بجز راستباز کے کسی ظالم اور غاصب کا ہاتھ اس زنجیر تک نہیں پہنچتا ہے۔ اور یہ قبہ آٹھ عمود اور چھ سنگین ستونوں پر قائم ہے، جن کے سب رخ کھلے ہوئے ہیں، البتہ قبلہ رخ اوپر تک بند ہے اور اس جگہ ایک خوبصورت محراب بنائی ہے۔ اور نیز اس چبوترہ پر ایک دوسرا قبہ بھی ہے جو سنگ مرمر کے چار ستونوں پر قائم ہے۔ اور اس کا بھی قبلہ والا رخ بند ہے۔ اور یہاں بھی ایک خوبصورت محراب ہے جس کو قبہ جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں۔

قبة جبرئیل علیہ السلام اس قبہ میں سنگی فرش نہیں ہے، بلکہ یہاں کی زمین خود پتھر لی ہے، جس کو سہوار کر لیا ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج میں اس مقام تک براق آیا تھا اور اسی جگہ سے حضور سرور عالم براق پر سوار ہوئے تھے۔

قبة الرسول قبہ جبرئیل کی پشت پر دوسرا قبہ ہے جس کو قبہ رسول کہتے ہیں اور ان دونوں قبوں میں بینوں کا فاصلہ ہے۔ یہ قبہ بھی سنگی کے چار ستونوں پر قائم ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول قبہ صخرہ میں نماز پڑھی اور صخرہ پر ہاتھ رکھا۔ اور جب آپ قبہ سے باہر

تشریف لائے تو صحفرہ تغلیما اپنی جگہ سے بلند ہوا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ صحفرہ پر رکھا تب وہ اپنی جگہ پر آکر ٹھہر گیا۔ اور آج تک اسی طرح معلق ہے۔ رسول مقبول اسی قبہ میں تشریف لائے تھے، بدیں وجہ یہ حضور سے منسوب ہے۔ اور اسی جگہ براق پر سوار ہوئے تھے اور یہی اس قبہ کی عظمت کا سبب ہے صحفرہ کے نیچے ایک بڑا ٹھکانا ہے، جس میں ہمیشہ شمع روشن رہتی ہے۔ روایت ہے کہ جب صحفرہ بلند ہونے لگا تو حصّہ زیرین خالی رہ گیا اور جب ٹھکانا تو بحال خود قائم رہا۔

چبوترہ کی سیڑھیوں کا بیان

صحن مسجد الاقصیٰ پر چڑھنے کے لیے پھر راستے میں اور ہر ایک کا نام جدا گانہ ہے چنانچہ قبلہ کی طرف دو راستے ہیں جس کو سیڑھیوں سے طے کرتے ہیں، جب چبوترہ کے وسط میں ٹھہریں تو سیڑھیوں کا ایک سلسلہ دائیں ہاتھ پر ہے اور دوسرا بائیں پر، پہلے سلسلے کو مقام النبی اور دوسرے کو مقامِ خود ہی کہتے ہیں۔

اس لیے کہتے ہیں کہ شب معراج میں حضور انور انھی سیڑھیوں سے گزر کر چبوترہ پر تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے **مقام النبی** | قبہ صحفرہ میں اور حجاز کی سڑک بھی اسی سمت میں ہے۔ ان سیڑھیوں کی موجودہ چوڑائی بیس ہاتھ ہے، جو سب سڈول پتھر تراش کر بنائی گئی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر سیڑھی میں ایک یا دو مرتبہ پتھر کے چوکے نصب ہیں۔ اور اس انداز سے سیڑھیاں بنائی ہیں کہ اس پر سوار کی بھی چڑھ سکتے ہیں۔ اور سیڑھیوں کے اوپر سبز سنگ مرمر کے چار ستون ہیں جو بعینہ زمر کے معلوم ہوتے ہیں اور ان پر ہر رنگ کے بکثرت نقشے ہیں۔ ان میں سے ہر عمود کی بلندی دس ہاتھ ہے اور گولائی اس قدر ہے کہ دو آدمیوں کے ہاتھوں کے حلقے میں آجائیں۔ پھر چار ستونوں پر تین

محراب ہیں، چنانچہ ایک محراب دروازہ کے مقابل ہو اور دو دائیں بائیں واقع ہیں اور پچھلارخ محرابوں کا سیدھا ہو، جس پر کنگرے بنے ہوئے ہیں اور یہ کنگرے مرتب نظر آتے ہیں۔ اور یہ عمود اور ٹرائیں طلا اور مینا کے کام سے منقش ہیں، جس سے زیادہ خوبصورت ہونا مشکل ہو اور چوتراہ پر جس قدر کیجئے بنائے ہیں، وہ تمام وکمال سبز مرمر کے ہیں اور منقظ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وادی میں پھولوں کے تختے کھلے ہوئے ہیں۔

مقام غوری | اور مقام غوری کا یہ نقشہ ہے کہ اس پر جانے کے لیے تین زینہ ہیں۔ ایک مقابل چوتراہ اور دو پہلو میں، چنانچہ تین جگہ سے

لوگ اس پر چڑھتے ہیں۔ اور یہاں بھی تینوں زینوں کے اوپر دیسے ہی ستون ہیں جن پر محراب اور کنگرے ہیں اور پتھر کی سیڑھیاں بھی اسی ترتیب سے تراش کر لگائی ہیں۔ اور ہر سیڑھی دو یا تین بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ اور ایوان کی پیشانی پر خوبصورت طلائی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :-

” امر ببالامیرلیث الدولہ نوشتگین خودی “ (یعنی یہ عمارت امیرلیث الدولہ نوشتگین کے حکم سے تعمیر ہوئی ہے)

کہتے ہیں کہ لیث الدولہ سلطان مصر کا غلام تھا جس نے یہ راستے اور سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اور چوتراہ کے مغربی طرف بھی دو جگہ سیڑھیاں بنوا کر راستہ نکال دیا ہے اور ویسا ہی خوشنما جیسا کہ بیان کر چکا ہوں۔

مقام شرقی | اسی طرح مشرقی جانب بھی ایک راستہ ایسے ہی تکلف سے بنایا ہے۔ اور اس پر عمود قائم کر کے محراب بنائی ہیں، جس پر

لہ امیرلیث الدولہ فاطمی خلیفہ الظاہر باشد (۱۰۶۸ھ تا غایت ۱۰۷۳ھ) کے عہد میں یہ تعمیر ہوئی

(دسپہ سالار اعظم) تھا۔

کنگرے ہیں۔ اور اس کا نام مقام شرقی ہے۔

اور شمالی جانب بھی ایک راستہ ہے جو بہت اونچا اور چوڑا ہے۔

مقام شامی

اور اس پر بھی ویسے ہی عمود اور محرابیں ہیں۔ اور اس کو مقام شامی (شمالی) کہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ان چھ راستوں کی تعمیر میں ایک لاکھ دینار (سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ) لاگت آئی ہوگی۔

صحن مسجد (چوتراہ پر نہیں) پر ایک جگہ ہے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد (بطولہ خطیرہ) جانب شمال پتھر تراش کر بنائی ہے، جس کی دیوار قد آدم سے زیادہ نہ ہوگی اور اس کو محراب داؤد کہتے ہیں۔

خطیرہ کے قریب ایک قد آدم ناہوار (ڈول) پتھر رکھا ہوا ہے اور اس کا اگلا حصہ اس قدر چوڑا ہے کہ جس پر ایک چھوٹا سا مصلے بچھ سکتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی ہے، جس پر آپ بزمانہ تعمیر مکمل بٹھا کرتے تھے۔ یہ مضمون میں نے جامع بیت المقدس میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اور اسی جگہ میں نے اپنے روزنامے میں لکھ لیا تھا، مسجد کے نوادرات سے یہ ہے کہ میں نے وہاں درخت حور ^{۳۳} دیکھا۔

بیت المقدس سے میں نے مشہد حضرت ابراہیم خلیل الرحمن کی زیارت کا قصد کیا۔ چہار شنبہ غزہ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ ہجری (۲۹ اپریل ۱۹۰۴ء)

بیت المقدس سے مدینۃ الخلیل کی روانگی

کو منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ بیت المقدس سے حبرون یعنی مشہد خلیل تک چھ فرسنگ کا فاصلہ ہے اور راستہ دکن کی طرف جاتا ہے۔

۱۔ صحن مسجد بیت المقدس میں محراب داؤد سب سے پہلی عمارت ہے جو مکہ سے چل کر نظر آتی ہے۔ یہ عمارت ۵۰ گز طول اور ۳۰ گز عرض میں ہے۔ اور اس مسجد کی ہر ایک محراب بیقروں کے نام سے منسوب ہے۔

راہ میں مواضع کی کثرت ہے، کھیت اور باغات افراط سے ملتے ہیں، انگور، انجیر، زیتون اور خود روساق کے درخت بے شمار ہیں اور یہ سب جنگلی ہیں، ان کو پانی نہیں ملتا ہے۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر چارگانو کا ایک کھیڑا آباد ہے، یہاں پانی کا چشمہ ہے اور باغات بہت ہیں۔ اور موزونیت مقام کے اعتبار سے اس مقام کا نام فرادیس (جمع فردوس) ہے۔

شہر بیت المقدس سے ایک فرسنگ پر عیسائیوں کا ایک مقدس مقام ہے جس کو بیت اللحم کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ عیسائیوں کا مجمع رہتا ہے۔ اور بکثرت زائرین آتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں۔ اور یونان سے عیسائی بہت آتے ہیں بیت المقدس سے چل کر رات کو میں نے اسی جگہ قیام کیا تھا۔

صفت مشہد خلیل صلوات اللہ علیہ

ملک شام اور بیت المقدس کے باشندے اس مشہد کو صرف خلیل کہتے ہیں اور موضع مطلون کا جہاں یہ مشہد واقع ہے نام نہیں لیتے ہیں۔ اور علاوہ مطلون کے مصارف کے لیے متعدد دیہات وقف ہیں۔ مطلون میں پتھر سے ایک چشمہ نکلا ہے، جس سے تھوڑا پانی نکلتا ہے۔ اور ذرا آگے بڑھ کر ایک نہر نکالی ہے جس کو گانٹو کے قریب پہنچا دیا ہے اور گانٹو کے باہر ایک حوض بنایا ہے جس کا منہ بند رہتا ہے اور اس میں پانی جمع کرتے ہیں تاکہ ضائع نہ ہو اور زائرین اولہ باشندگان موضع کا اسی پانی پر گزارہ ہے۔

لہ جردن یا مطلون۔ مرثون، بیت عینون اور بیت ابراہیم، یہ چاروں مواضع متصل ہیں جن

میں مطلون بہت مشہور ہے۔ (ازسیاحت نامہ قدسی انگریزی)

مشہد حضرت ابراہیم خلیل اللہ

مشہد خلیل گانو کے کنارے جنوبی سمت میں ہے۔ اور یہاں جنوبی سمت حقیقت میں مشرقی سمت ہے۔ مشہد کی چاروں دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول استی ماٹھ اور عرض چالیس ماٹھ اور ارتفاع میں ماٹھ ہے اور دیوار کی چوٹی کا اتار دو ماٹھ ہے۔ اور عمارت کے عرض میں محراب و مقصورہ بنایا ہے۔ اور پھر مقصورہ میں خوبصورت محراب جداگانہ ہیں مقصورہ کے اندر دو قبریں ہیں، جن کے سر ہانے قبلہ رخ ہیں۔ دونوں قبریں قد آدم اونچی ہیں اور ترشے ہوئے پتھر کی ہیں۔ ان میں سے جو دائیں ماٹھ پر ہے وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم کی ہے۔ اور دوسری قبر آپ کی بی بی (ربنہ) کی ہے اور ان دونوں قبروں میں دس ماٹھ کا فاصلہ ہے۔

مشہد کی زمین اور دیوار قیمتی فرش اور مغربی چٹائیوں سے آراستہ ہے، یہ چٹائیاں حریر (دیبا) سے زیادہ نفیس ہیں، یہاں میں نے چٹائی کا ایک مصطلی دیکھا جس کو امیر الجبوش (سپہ سالار) نے بھیجا تھا، یہ امیر سلطان مصر کا عنلام ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مصر میں اس مصطلی کی قیمت تیس دینار مغربی دو سو پچیس یا پندرہ پونڈ ہے، اگر دیبانے رومی (بقدر مصطلی) خرید کیا جاتا تو اس سے کم دام میں آجاتا، میں نے ایسا مصطلی کہیں نہیں دیکھا ہے۔

جب مقصورہ سے برآمد ہوں تو صحن مشہد میں دو عمارتیں ملتی ہیں، جو قبلہ رخ ہیں، چنانچہ دائیں ماٹھ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مزار مبارک ہے۔ اور یہ بڑی عمارت ہے جس کے اندر ایک اور مکان ہے مگر اس کے گرد طواف نہیں کر سکتے ہیں، اس میں چار کھڑکیاں (دیا جالدار کھڑے) ہیں۔ اور زقار انھیں کھڑکیوں سے مزار کی زیارت کرتے ہیں۔ اس مکان کی زمین اور دیواریں دیبا سے آراستہ ہیں۔ اور قبر پتھر کی بنی ہوئی ہے، جو تین گز لانجی ہے۔ قندلیں اور چراغدان چاندی

کے بکثرت آویزاں ہیں۔

دوسرا مکان جو قبلہ کے بائیں ہاتھ پر ہے، اس میں حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اس مکان کے مابین ایک راستہ ہی (بطور دالان) جس سے دونوں طرف جاسکتے ہیں۔ یہاں بھی قذیل اور چراغدان بکثرت آویزاں ہیں۔ ان مزارات سے نکل کر قریب ہی دو مقبرے اور ملتے ہیں۔ چنانچہ دائیں ہاتھ پر یعقوب علیہ السلام کی قبر ہے اور بائیں ہاتھ پر ان کی بی بی (لیتا) مدفون ہیں۔ بعد ازاں جو مکانات ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان خانے میں۔ اور اس مشہد (درگاہ) میں جملہ چھو قبریں ہیں اور چار دیواری کے باہر ایک غار ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقبرہ ہے، جس کا گنبد خوبصورت اور قسبر سنگین ہے۔ اور (مابین قبر یوسف علیہ السلام اور مشہد) جنگل کی جانب ایک بڑا قبرستان ہے جہاں دور دور سے مُردے لاکر دفن کیے جاتے ہیں۔ اور مقصود کی چھت پر جو حجرے ہیں اس میں مہمان ٹھہرا کرتے ہیں۔ مشہد خلیل کے متعلق بہت سے دیہات وقف ہیں۔ جس میں بیت المقدس کی آمدنی والی جائیداد بھی شامل ہے۔ یہاں گیہوں کم اور جو زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ زیتون کی بھی افراط ہے۔ مہانوں مسافروں اور زائرین کو (کھانے کے ساتھ) روغن زیتون بھی دیا جاتا ہے۔ پچھلے بکثرت ہیں، جن میں بیل اور خچر چلتے ہیں۔ اور تمام دن آٹا پسا کرتا ہے اور لوٹیاں دن بھر روٹیاں پکایا کرتی ہیں۔ ان روٹیوں میں سے ہر ایک کا وزن ڈیڑھ سیر ہوتا ہے۔

ہر مہمان کو لنگر خانہ سے ایک کلچہ روٹی اور ایک پیالہ مسور کی **خوان خلیل** دال کا ملتا ہے۔ اور دال روغن زیتون میں بگھاری جاتی ہے اور منقح (انگور خشک) بھی دیے جاتے ہیں، اور مہمان داری کا یہ دستور

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ سے آج تک جاری ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک دن میں پانچ سوزائے آجاتے ہیں اور سب کی دعوت ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مشہد میں دروازے نہ تھے، کوئی اس کے اندر نہیں جاسکتا تھا، بلکہ باہر سے زیارت کرتے تھے، جب مصر میں خلیفہ المہدی (بانی خاندان فاطمیہ) حکمران ہوا تو اس نے حکم دیا کہ مشہد میں دروازے لگائے جائیں اور بہت سا سامان بھیج دیا اور فرش وغیرہ سے آرائش کے علاوہ عمارت بھی بڑھادی گئی۔ اور یہ جدید دروازہ مشہد کی شمالی دیوار میں لگایا گیا ہے، جو زمین سے چار گز اونچا ہے۔ اور دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنائی ہیں جس پر ایک طرف سے چڑھتے ہیں اور دوسری جانب سے اتر جاتے ہیں اور راستہ کی روک کے لیے اس جگہ (لوہے کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی ہے۔

الغرض میں مشہد خلیل سے بیت المقدس کو واپس آیا اور جو قافلہ حجاز کو جا رہا تھا اس کے ہمراہ پیدل ہولیا۔ ہمارا راہ نما ایک تیز رفتار اور خوبصورت آدمی تھا، جس کو ابو بکر ہمدانی کہتے تھے۔

ناصر خسرو کا پہلا حج
براہ بیت المقدس ۴۳۸ھ

ذی قعدہ ۴۳۸ھ کی پندرھویں تاریخ (۱۴ مئی ۱۰۴۷ء) کو میں بیت المقدس سے روانہ ہو کر تین دن کی مسافت طو کرنے کے بعد اس منزل میں پہنچا جس کو ارعر (ععر) کہتے ہیں۔ یہاں بھی پانی کے چشتے اور درخت تھے۔ دوسری منزل میں پہنچا جس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ پھر تیسری منزل میں آیا جہاں سے دس دن میں مکہ معظمہ پہنچا۔

اسال کہیں سے قافلہ نہیں آیا تھا اور قحط پڑ رہا تھا۔ کوچہ عطاران میں جو باب النبی کے متصل ہے میں نے قیام کیا۔ اور دو شنبہ کے دن عرفات کو

گیا، لیکن عربوں کی جانب سے خطرہ تھا، عرفات سے لوٹ کر مکہ معظمہ میں دوایوم
قیام کیا اور شام کے راستہ سے بیت المقدس کو واپس آگیا۔

سیاحت کا تیسرا سال | چار سو انتالیس ہجری ۲۳۹ھ
پانچویں محرم ۲۳۹ھ (۲۶ جولائی ۱۰۴۷ء) کو
بیت المقدس میں داخل ہوا، مکہ معظمہ اور
حج کا تذکرہ فی الحال ملتوی کرتا ہوں، اخیر
حجوں کے بعد تفصیل سے بیان کر دوں گا۔

بیعت المقدس میں عیسائیوں کا ایک گرجا ہے جس کا نام بتیۃ القمۃ
بیعتہ القمامہ | ہے، یہ مقدس گرجا ہے۔ اور ہر سال ممالک یونان سے بکثرت
زائر یہاں آتے ہیں۔ اور روم کا بادشاہ (امپرو آف برنٹائن) بھی مخفی طور
پر آیا کرتا ہے جس کی عموماً خبر نہیں ہوتی ہے، چنانچہ خلیفہ الحاکم باہر اللہ کے عہد
میں بھی یہ بادشاہ آیا تھا۔ لیکن الحاکم اس کی آمد سے واقف تھا۔ اور اس نے
اپنے اردنی کے ایک سوار کو قیصر کے پاس بھیجا اور پتہ بتا دیا کہ اس شکل و
صورت کا ایک آدمی جامع بیت المقدس میں بیٹھا ہوا ہے، تم اس کے پاس جاؤ
اور کہو کہ حاکم باہر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اور پیام دیا ہے کہ "تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری
آمدت غافل ہوں، لیکن اطمینان رکھو تمہارے ساتھ کوئی مخالفانہ کارروائی
نہیں کی جائے گی۔ پھر حاکم نے اس کلیسا کو برباد کر دیا جو مدت تک دیران پڑا
رہا۔ جب قیصر روم نے سفارتوں کے ذریعہ تحالف بھیجے اور صلح کا طالب ہوا
اور معذرت کی تہ دوبارہ گرجے کی تعمیر کی اجازت ہوئی اور از سر نو بنایا گیا۔
یہ گرجا وسیع رقبہ میں ہے، جس میں آٹھ ہزار آدمی آسکتے ہیں۔ اور رنگین

سنگ مرمر سے نہایت پر تکلف بنایا گیا ہے، جس میں نقش و نگار کے ساتھ تصویریں
بھی ہیں۔ اور گرجا کے اندر دنی ہتھکے کو دیباے رومی سے آراستہ کیا ہے۔ اور

دیواروں پر طلا کا رنصا دیر بنائی ہیں۔ جن پر بکثرت سونا چاندی صرف کیا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کی تصویر کئی جگہ بنائی ہے، جس میں آپ نچر پر سوار ہیں۔ علاوہ بریں حضرت ابراہیم، اسمعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹوں کی بھی تصویریں ہیں، جس پر روغن سندروس کی وارفتش کی گئی ہے۔ اور ہر تصویر کے اوپر ایک باریک وشفاف شیشہ چڑھا ہوا ہے، جس میں ہر تصویر کا چہرہ صاف نظر آتا ہے۔ یہ انتظام اس لیے ہے کہ تصاویر گرد و غبار سے محفوظ رہیں اور خدام روزانہ ان شیشوں کو صاف کیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جو پر تکلف ہیں، جس کے لکھنے میں طوالت ہے۔

اس گرجا میں بہشت اور دوزخ کا بھی منظر دکھایا گیا ہے، چنانچہ ایک حصہ میں جنت اور جنت والوں کا نقشہ ہے۔ اور دوسرے حصہ میں دوزخ اور دوزخیوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اور ایسے ہی اور بھی مناظر ہیں۔ اور یہ وہ مرتع ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں نہ ہوگی۔ اس گرجا میں دن رات علمائے نصاریٰ اور راہب انجیل مقدس پڑھا کرتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

ناصر خسرو بیت المقدس سے براہ خشکی مصر جاتا ہے،

اول میں نے قصد کیا تھا کہ بیت المقدس سے براہ دریا (بحر الروم) مصر اور پھر مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوں، مگر ہوا مخالف چل رہی تھی اس لیے براہ دریا نہ جاسکا اور خشکی کے راستے سے چل کر رملہ ہوتا ہوا اس شہر میں پہنچا جس کو عسقلان کہتے ہیں۔ عسقلان کی مسجد اور بازار بہت خوبصورت تھے۔

یہاں ایک پرانی محراب نظر آئی، لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک مسجد تھی اور اسی مسجد کی یہ بڑی سنگی محراب باقی ہے۔ اگر کوئی شخص اس محراب کو گرانا چاہے تو بڑی رقم صرف کرنے پر گر سکتی ہے۔

یہاں سے روانہ ہو کر راستہ میں بکثرت دیہات اور شہر نظر آئے جس کی تفصیل میں طول ہو لہذا اختصار کر دیا گیا۔

۱۳۵۰ | پھر میں طینہ میں پہنچا یہ بندرگاہ تھا اور یہاں سے تینس کو جہاز روانہ طینہ ہوتے تھے لہذا تینس تک میں جہاز میں گیا۔

جزیرہ تینس | تینس ایک جزیرہ ہے اور خوبصورت شہر ہے۔ اور چونکہ خشکی سے فاصلہ پر ہے اس لیے شہر کی چھتوں سے ساحل نظر نہیں

آتا ہے۔ گنجان شہر ہے، بازار اچھے ہیں۔ اور دو مسجدیں ہیں۔ شہر میں تقریباً دس ہزار دکان ہوں گی۔ اور دو سودکانیں عطاروں کی تھیں۔ گرمی کے زمانہ میں بازاروں میں کشکاب (جو کا حریرہ یا فالودہ) بکتا ہے۔ کیونکہ شہر گرم سیر ہے، بیماری بہت رہتی ہے۔ یہاں رنگین قصب (ایک قسم کا ریشمی اور سوتی مشرورع) بنا جاتا ہے، جس کے عمامے، نقاب (روپوش) اور عورتوں کے پہننے کے کپڑے بنے جاتے ہیں۔ تینس سے بہتر رنگین قصب کسی اور ملک میں نہیں بنا جاتا ہے۔ اور جو سپید ہوتا ہے وہ دمیاط میں بنا جاتا ہے۔ اور کارخانہ سلطانی میں جس قدر قصب تیار ہوتا ہے وہ نہ تو فروخت ہوتا ہے اور نہ کسی کو دیا جاتا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ شاہ فارس نے بیس ہزار دینار تینس میں بھیجے تھے کہ اس کی ذات خاص کے واسطے ایک ہاتھ کپڑا کارخانہ سلطانی کا بنا ہو اہل جائے چنانچہ کئی سال تک کا زندے پڑے رہے، لیکن کپڑا خرید نہ کر سکے۔ تینس میں اس کام کے پیشہ ور مشہور ہیں، جو خاص قسم کے کپڑے بنتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی صنایع نے بادشاہ مصر کے لیے ایک دستار تیار کی تھی، جس کا صلہ پانچ سو دینار مغربی دیا گیا تھا۔ میں نے خود اس دستار کو دیکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چار ہزار دینار مغربی اس کی قیمت ہے۔

شہر تینس میں بوقلمون (زرین دھوپ چھاں) بنا جاتا ہے۔ اور یہ وہ کپڑا ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ یہ بوقلمون دراصل ایک زرین لباس ہے جو دن میں رنگ بدلتا رہتا ہے اور مشرق و مغرب میں یہ کپڑا اسی شہر سے جاتا ہے۔ روایت ہے کہ قیصر روم نے ایک سفیر بھیج کر سلطان مصر سے استدعا کی تھی کہ شہر تینس مجھ کو دے دیا جائے۔ اور ممالک روم کے سوشہر اس کے معاوضے میں لے لیے جائیں، لیکن سلطان مصر نے منظور نہیں کیا۔ اور اس تبادلہ سے قیصر کی یہ غرض تھی کہ بوقلموں و قصب حاصل ہو۔

دریائے نیل جب طغیانی پر آتا ہے تو حوالی تینس سے کھاری پانی بہا لے جاتا ہے۔ اور شہر سے دس فرسنگ تک پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ تمام جزیرہ تینس اور خاص شہر میں زمین دوز مستحکم حوض بنے ہوئے ہیں۔ جس کو اس شہر میں مصانع (جمع مصنع) کہتے ہیں۔ جب نیل چڑھتا ہے اور شہر کے کھاری پانی کو بہا لے جاتا ہے اس وقت یہ حوض بھرے جاتے ہیں۔ اور حوض بھرنے کی ترکیب یہ ہے کہ ”نالیاں کھول دی جاتی ہیں اور دریا کا پانی حوضوں میں بھر جاتا ہے۔“ چنانچہ تمام شہر میں انھیں حوضوں کا پانی خرچ ہوتا ہے۔ جو طغیانی نیل کے زمانے میں بھر لیے جاتے ہیں اور دوسرے سال تک ان ہی حوضوں سے پانی خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اور جس کے پاس بمقدار کثیر ہوتا ہے وہ دوسروں کے ہاتھ بیچ بھی ڈالتا ہے۔ علاوہ بریں وقفی حوض بھی موجود ہیں، جن سے غربا مستفید ہوتے ہیں۔ شہر تینس کی مردم شماری پچاس ہزار ہے۔ حوالی شہر (گھاٹ) میں ہمیشہ ایک ہزار کشتیاں موجود رہتی ہیں۔ یہ کشتیاں تجارتی اور سرکاری دونوں قسم کی ہیں بلکہ سرکاری زیادہ ہیں۔ اور جزیرہ میں کچھ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ شہر ایک جزیرہ ہی لہذا تمام کاروبار کشتیوں سے ہوتا ہے اور شہر میں احتیاطاً

سلاح فوج رہتی ہے، تاکہ فرنگ اور یونان کی سلطنتیں اس پر حملہ آور نہ ہو۔

میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ روزانہ ایک ہزار دینار مغربی (کشتیوں کا محصول) مصری خزانہ میں داخل ہوتا ہے، یہ یومیہ محصول ہے جس کا وصول کنندہ (مہتمم) صرف ایک ہی شخص ہے جس کو شہر والے ادا کر دیتے ہیں۔ اور یہ مہتمم پوری رقم (بغیر کسی قسم کی کمی کے) تاریخ معینہ پر داخل خزانہ کرتا ہے۔ اور کسی شخص سے جبریہ کچھ نہیں لیا جاتا ہے۔

قصب (مشروع) اور بوقلموں جو خاص سلطان کے واسطے تیار کیا جاتا ہے اس کی پوری قیمت دی جاتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کارگیر دل سے سلطان کا کام کرتے ہیں۔ اور ملکوں کی طرح نہیں ہو کہ جہاں وزیر بادشاہ کی طرف سے کاریگروں پر سختیاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کے عمارے کے پردے اور گھوڑوں کے زین کے بندے بھی سلطان مصر کے لیے بوقلموں سے بنے جاتے ہیں۔

میوہ اور ایشیا، خوردنی (بہر قسم کے غلے) مصر کے دیہات سے آتے ہیں۔ البتہ لوہے کی چیزیں مثلاً مقراض و چاقو وغیرہ بنتے ہیں۔ میں نے مصر کے بازار میں یہاں کی بنی ہوئی ایک قینچی دیکھی، جس کا مول پانچ دینار مغربی تھا اس کی ساخت اس قسم کی تھی، کہ جب کیل نکال لیتے تھے تو کھل جاتی تھی اور جب کیل جرد دیتے تھے تو چلنے لگتی تھی۔ یہاں عورتوں کو ایک بیماری ہو جاتی ہے، کہ صرع والیوں (عارضہ مرگی) کی طرح دو تین بار حج کر بے ہوش ہو جاتی ہیں، پھر بعد میں ہوش آجاتا ہے۔ میں نے خراسان میں سنا تھا کہ ایک جزیرہ ہے جہاں کی عورتیں لمبوں کی طرح چلا تی ہیں۔ اور یہ وہی شکل ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔

لہٰذا عوام قینچی کے دو پڑے ہوتے ہیں اور ایک کیل سے جڑے رہتے ہیں۔ لہٰذا مصری قینچی میں کوئی نکتہ نہ تھی۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت خراسان کی قینچیوں کے خلاف ہوگی جب اس کو ناصر خسرو نے بنظر تعجب لکھا ہے۔

تینس سے قسطنطنیہ کو بیس دن میں کشتی پہنچتی ہے، میں یہاں سے مصر کو روانہ ہوا۔ جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو روز نیل میں کشتی بلندی پر جساتی تھی، نیل، بحر الروم کے قریب پہنچ کر چند شناخوں میں پھیل جاتا ہے، اور اسی طرح سمندر میں گرتا ہے۔ میں جس راستے سے سفر کر رہا تھا اس دھار کا نام رومش یا ہرس تھا اور کشتی بلندی آب پر آ رہی تھی الغرض میں سفر کرتا ہوا صالحیہ میں پہنچا۔

صالحیہ | یہ شہر اشیا، خوردنی اور مال و اسباب سے پٹا پڑا تھا، یہاں کشتیاں بکثرت بناتے ہیں۔ اور ہر کشتی میں دو سو خروار مال بھرا جاتا ہے اور مصر کو لے جاتے ہیں، یہاں بقال خرید کر لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کاروبار میں سخت دقت ہوتی، کیونکہ جانوران بار برداری کے ذریعہ سے مصر میں خوراک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں صالحیہ میں کشتی سے اترا اور رات ہی کو شہر میں چلا گیا۔

۷۔ ناصر خسرو کا قاہرہ میں داخلہ | یک شنبہ ساتویں صفر (ستمبر ۱۱۶۹ء) یورماہ یزدجردی کا پہلا دن (رمزد تھا) کو میں قاہرہ میں داخل ہو گیا تھا۔

شہر اور صوبہ مصر کا بیان

مصر کا جغرافیہ | دریائے نیل جنوب و مغرب سے نکل کر مصر ہوتا ہوا بحر الروم (بحر ایض) میں گرتا ہے۔ اور نیل جب طغیانی پر آتا ہے تو دومرتبہ چڑھاؤ پر آتا ہے۔ اور اس کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو نہر چیخون کی شہر ترمذ میں۔

نیل دلایت نوبیہ سے گزر کر مصر میں آتا ہے (دلایت نوبیہ کو ہستانی

لہ اول مرتبہ جب نیل طغیانی پر آتا ہے تو اس کا پانی تین چار دن تک سبز رہتا ہے۔ اس کے بعد ہی پھر جوش پر آتا ہے اب اس کا پانی خون کی طرح سرخ ہوتا ہے۔ یہ حالت تقریباً دس دن تک رہتی ہے۔ گویا پندرہ یوم کے اندر دومرتبہ چڑھاؤ پر آتا ہے۔

ملک ہی، اور صحرائے نوبیا طے کرنے کے بعد مصر کا علاقہ آجاتا ہے۔ اور پہلا سرحدی شہر اُسوان ملتا ہے۔ یہ کل مسافت تین سو فرسنگ کی ہے۔ نیل کے کنارے تمام شہر اور ملک آباد ہیں۔ اور اس حصہ ملک کو ^{۱۵۲}صعید الاعلیٰ کہتے ہیں۔

اُسوان ^{۱۵۳}(دیا آب رستان) پہنچ کر کشتی آگے نہیں بڑھتی کیونکہ پانی تنگ دروں سے نکل کر بہت تیزی سے بہتا ہے، اُسوان کی بلندی پر جانب جنوب نوبیا ہے، جس کا فرمانروا دوسرا ہے۔ نوبیا کے باشندوں کا چمڑا سیاہ ہوتا ہے، یعنی حبشی ہیں اور مذہباً عیسائی۔

سوداگر کوڑیاں کنگھیاں اور مرجان (مونگا) اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور نوبیا سے غلام خرید کر لاتے ہیں۔ مصر میں غلام عموماً حبشی ہوتے ہیں یا رومی۔ نوبیا کی پیداوار میں گندم اور ارزن میری نظر سے گزرا دونوں کا رنگ سیاہ تھا۔ اس وقت تک دریائے نیل کا منبع فی الحقیقت دریافت نہیں ہوا ہے، اور میں نے سنا ہے کہ سلطان مصر نے تحقیق کی غرض سے

نیل کا منبع ^{۱۵۴}

ایک معتمد کو روانہ کیا تھا جو ایک سال تک نیل کے کنارے کنارے چلتا رہا اور منبع کی تحقیقات ہوتی رہی، لیکن کوئی شخص اس کی حقیقت کو دریافت نہ کر سکا، مگر ہاں یہ کہتے ہیں کہ دریائے نیل جبل القمر کے جنوب سے نکلتا ہے۔

جب آفتاب برج سرطان میں داخل ہوتا ہے تو نیل میں طغیانی ہوتی ہے۔ اور موسم سرما کے مقابلہ میں (یہ زمانہ نیل کے سکون کا ہے) اس وقت پانی بیس لاکھ اونچا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔

نیل کی طغیانی ^{۱۵۵}

۱۔ ازن ایک قسم کا اونی درجہ کا تہ ہے جس کو چینا کہتے ہیں اور جو کبوتروں کو دیا جاتا ہے۔ تہ دریائے نیل منبع سے مصب تک تقریباً ۶۵۰۰ کلومیٹر ہے (رومن کی تاریخ مصر) ۲۔ یعنی طغیانی ایک دم سے نہیں ہوتی، بلکہ انچوں کے حساب سے پانی بڑھتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۔ اگر بلند ہوتا ہے۔ پیمائش بڑی احتیاط سے درج رجسٹر ہوتی ہے۔ علی پاشا مبارک نے تاریخ مصر میں صدیوں کی پیمائش درج کی ہے۔

شہر میں پانی کی پیمائش کے لیے پیمانے بنے ہوئے ہیں۔ اور نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر ہے۔ جس کی ایک ہزار دینار تنخواہ ہے۔ چنانچہ یہ افسر دیکھتا رہتا ہے کہ پانی کس قدر بڑھا۔ اور جس دن طغیانی شروع ہوتی ہے، اسی دن سے منادی کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے دریائے نیل میں اس قدر طغیانی کر دی اور آج اتنے انگل پانی بڑھ گیا اور جب یہ کسر بڑھ کر ایک گز ہو جاتی ہے اس وقت لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور عام خوشی مناتے ہیں، یہاں تک کہ پانی اٹھارہ ہاتھ بلند ہوتا ہے اور یہ مقررہ پیمائش ہے، یعنی جب اس مقدار سے کم طغیانی ہوتی ہے تو باعث نقصان سمجھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، منت ماننے ہیں اور نغمیں بوجاتے ہیں۔ اور جب یہ مقدار بڑھ جاتی ہے تو جوش مسرت میں جلسے کرتے ہیں۔ اور جب تک یہ طغیانی اٹھارہ ہاتھ تک نہ پہنچے، سلطان مصر کو رعایا پر تہنیت مالگزار می کا حق نہیں ہے۔ نیل سے بکثرت نہریں اطراف میں کاٹ کر لے گئے ہیں۔ اور پھر ان نہروں سے رجبے نکالے ہیں جس کے کنارے شہر و قصبات آباد ہیں۔ اور ان نہروں کے کنارے اس قدر (رہٹ) چلتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔

مصر کے تمام مواضعات بلندی پر آباد ہیں تاکہ غرق نہ ہوں اور طغیانی کے وقت تمام ملک زیر آب ہوتا ہے۔ اور ایک موضع سے دوسرے موضع تک ڈونگی میں جاتے ہیں۔ اور مصر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مٹی کے بند بنے ہوئے ہیں، جس کے اوپر سے آمد و رفت جاری ہے (یعنی دریائے نیل کے پہلو سے)۔

سالانہ دس ہزار دینار مغربی خزانہ سلطانی سے ایک مہتمم کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ اور اس رقم سے نئے بند باندھے جاتے ہیں۔ ملکی باشندے ان چار مہینوں میں جب کہ مصر کی زمین تہ آب ہوتی ہے۔ اپنے ضروری کاموں سے

فارغ ہو لیتے ہیں۔ اور شہر و دیہات میں ہر شخص اس قدر روٹیاں بچا کر رکھ لیتا ہے،
 کہ جو چار مہینے کے لیے کافی ہوں۔ اور یہ روٹیاں سکھا کر رکھتے ہیں کہ خراب
 نہ ہو جائیں۔

دریائے نیل کی طنینی کا یہ اصول ہے کہ پہلے دن سے چالیس دن تک
 بڑھتا ہے۔ اور اٹھارہ ماخذ بلند ہو کر ٹھیر جاتا ہے، پھر چالیس یوم تک ایک حالت پر
 رہتا ہے (یعنی نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے)۔ بعد ازاں چالیس دن تک آہستہ آہستہ گھٹا
 کرتا ہے۔ اور اس حالت پر آجاتا ہے جو موسم سرما میں ہوتی ہے (اصلی مقدار پر) جس
 قدر زمین برآمد ہو کر خشک ہوتی جاتی ہے کاشتکار اس کو دیکھ بھال کر کھیتی کرتے
 ہیں۔ مصر والوں کی خریف اور ربیع (موسم گرمادوسرما کی زراعت) کی کاشت
 اسی اصول پر ہوتی ہے اور پھر ان کو دوسرے پانی کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ شہر
 مصر (قاہرہ) دریائے نیل اور بحر الروم کے مابین آباد ہے۔

دریائے نیل جنوب سے نکل کر شمال کی طرف بہتا ہے۔ اور بحر الروم میں
 گرتا ہے۔ مصر سے اسکندریہ تک تیس فرسنگ کی مسافت سمجھی جاتی ہے۔ اسکندریہ^{۱۵۶}
 بحر الروم اور دریائے نیل کے کنارہ آباد ہے۔ اسکندریہ سے کشتیوں میں باسراط
 میوہ مصر کو جاتا ہے۔

اسکندریہ میں ایک منارہ ہے، جس کو میں نے خود دیکھا ہے
 اور اس وقت تک صحیح و سالم تھا، اس منارہ پر ایک
 آتش شیشہ لگا ہوا تھا، جب قسطنطنیہ سے کوئی جہاز
 آتا اور آئینہ کے مقابل پہنچتا تو شیشہ سے آگ کے شعلے نکل کر جہاز کو جلا دیتے
 تھے۔ رومیوں نے بڑی جدوجہد اور فریب سے اپنے آدمی بھیج کر اس شیشہ کو توڑ
 دیا۔ حاکم بامر اللہ فاطمی کے عہد حکومت میں ایک صنایع نے حاضر ہو کر درخواست

اسکندریہ کا مینار
 اور
 آئینہ حراقہ

کی تھی کہ ”میں اس کو سابق کی طرح بنا دوں گا“ حاکم بامر اللہ نے جواب دیا کہ ”مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ روم والے (یونانی) اب خود سالانہ خراج بھیجا کرتے ہیں۔ اور وہ رضامند ہیں کہ میری فوجیں علاقہ میں جائیں۔“

اسکندریہ میں برسائی پانی پایا جاتا ہے۔ اسکندریہ کے تمام جنگل میں وہنگی ستون بکھرے پڑے ہیں، جس کا میں اڈل بیان کر چکا ہوں۔ بحر الروم، قیصران^{۱۵۹} تک بہتا چلا گیا ہے۔ اور مصر سے قیصران تک ڈیڑھ سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

قیصران ایک ولایت ہے جس کا سب سے بڑا شہر سلجماسہ^{۱۶۰} ہے اور جس کے چار فرسنگ پر بحر الروم ہے۔

سلجماسہ و مہدیہ | فصل مضبوط ہے، سلجماسہ کے پہلو میں شہر مہدیہ ہے، یہ وہ شہر ہے جس کو امیر المؤمنین حسین ابن علیؑ کی اولاد میں سے مہدی نے ملک مغرب اور اندلس فتح کرنے کے بعد آباد کیا تھا۔ مہدیہ آج کل سلطان مصر کے قبضہ میں ہے، یہاں برف گرتی ہے، مگر ٹھیرتی نہیں ہے، دگھل کر بہ جاتی ہے (بحر الروم اندلس سے دائیں ہاتھ پر جانب شمال پھر جاتا ہے۔ اندلس اور مصر میں ایک ہزار فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور یہاں اسلامی آبادی ہے۔

اندلس | اندلس (اسپین) ایک وسیع ولایت ہے، مگر کوہستانی علاقہ ہے۔ برف گر کر جم جاتی ہے۔ باسٹندے گورے چٹے ہیں، بال سرخ ہیں۔ اور کرچی آنکھ والے زیادہ ہیں۔ جیسے صقلیہ^{۱۶۱} کے باسٹندے ہوتے ہیں۔ اندلس بحر الروم کے نشیب میں ہے۔ اور آبادی سے بحر الروم جانب مشرق پڑتا ہے۔ جب اندلس سے دست راست پر شمال کی طرف چلیں تو سمندر کا کنارہ روم سے متصل ہو جاتا ہے۔ اندلس سے عرۃ^{۱۶۲} اور روم تک بکثرت آمد و رفت جاری ہے

اور اگر چاہیں تو جہاز اور سمندری راستہ سے بھی قسطنطنیہ جاسکتے ہیں لیکن خلیجِ زمذری (شاخیں) بہت پڑتی ہیں، جن میں سے ہر ایک دو یا تین سو فرسنگ تک چلی گئی ہو۔ الغرض بغیر کشتی (جہاز) کے سفر نہیں ہو سکتا ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے اکثر سنا ہے کہ بحرِ الروم کا دور چار ہزار فرسنگ ہے۔ اور ایک شاخ اس سمندر کی ظلمات میں ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حصہ سمندر کا منجمد ہے، کیونکہ یہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی ہے۔

منجملہ اُن جہاز کے جو اس سمندر میں ہیں، ایک جزیرہ صقلیہ ^{۱۶۶} جزیرہ صقلیہ (سسی) بھی ہے۔ مصر سے صقلیہ تک بیس دن میں کشتی پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں اور بھی بہت سے جزیرے ہیں۔ کہتے ہیں صقلیہ کا رقبہ اسی فرسنگ مربع ہے۔ اور سلطان مصر کی حکومت ہے، جہازوں کے ذریعہ ہر سال صقلیہ کا مال مصر میں آتا ہے۔ اور بار ایک کتاں کی تجارت ہوتی ہے جس کا ایک تھکان مصر میں دس دینار مغربی (ساٹھ روپیہ) کو فروخت ہوتا ہے۔

شہرِ قلزم ^{۱۶۵} مصر سے جانب مشرق چل کر بحرِ قلزم میں پہنچتے ہیں اور قلزم سمندر کے کنارے ایک شہر ہے جو مصر سے تیس فرسنگ ہے۔ بحرِ قلزم ^{۱۶۷} دریائے نیط کی ایک شاخ ہے جو عدن سے پھٹ کر شمال کی طرف جاتی ہے، اور قلزم میں جا کر پھر یہ شاخ مل کر الگ ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ عرض اس خلیج کا دو سو فرسنگ ہے۔ دریائے قلزم اور مصر کے مابین ایسا پہاڑی اور جنگلی علاقہ ہے جس میں پانی اور گھاس تک نہیں ہے۔ جو شخص مصر سے

سے بحرِ الکاہل (اٹلانک اوشن) بحرِ ظلمات (پاسفک اوشن) بحرِ ہند (انڈین اوشن) بحرِ منجمد شمالی (ارکٹک اوشن) اور بحرِ منجمد جنوبی (انٹارکٹک اوشن) کے مجموعہ کو متقدمین دریائے نیط کہتے تھے۔ اور ناصر خسرو دریائے نیط سے اس کی مشرقی شاخ بحرِ آہند، بحرِ فارس، اور مغربی شاخ جو بلادِ بربراندس، افریقیہ، مصر و شام تک گئی ہو مراد لیتا ہے۔

مکہ، کیونکہ مصر جنوب میں ہے اور اس کو قاہرہ معز یہ کہتے ہیں اور قدیم نام فسطاط ہے۔ فسطاط کا ترجمہ (شکر گاہ یا چھاؤنی ہے) اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین حسین بن علی صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ایک شخص نے جن کا نام المعز لدین اللہ تھا (متوفی سنہ ۳۶۵ھ) ملک مغرب سے اندلس تک فتح کر لیا تھا اور مغرب سے براہ نیل مصر پر فوج کشی کی تھی اور دریائے نیل کو کوئی شخص عبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ اول تو یہ دریا بہت بڑا ہے، دوسرے اس میں گھڑ یا لون کی افراط ہے، جو جانور پانی میں گرتے ہیں یہ اس کو فوراً نگل جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حوالی شہر میں (گھاٹ پر) ایک طلسم بنایا ہے کہ یہ گھڑیاں آدھی اور جانوروں کو نگل نہ جائیں۔ اور شہر سے ایک تیر کے فاصلہ پر پانی کے اندر بحر مقررہ گھاٹ کے کسی اور راستے سے کوئی شخص نہیں جاسکتا ہے۔

روایت ہے کہ المعز لدین اللہ نے اس مقام تک فوج بھیجی تھی جہاں آج شہر قاہرہ آباد ہے اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "جب تم وہاں پہنچو گے تو ایک کالا کتا تم سے پہلے پانی میں کود جائے گا۔ تم اس کے پیچھے چلے جانا، بلا کھٹکے پارا تر جاؤ گے" بیان کیا جاتا ہے کہ تیس ہزار سوار یہاں پہنچے تھے جو سب خلیفہ کے غلام تھے۔ چنانچہ وہ کالا کتا فوج کے آگے ہولیا، اور فوج اس کے پیچھے چلی اور دُیا سے پار ہو گئی۔ اور کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ کسی مورخ نے آج تک اس کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ کوئی سوار رو دنیل سے پارا ترا ہو۔ یہ واقعہ ۳۱۳ھ ۶۴۳ء کا ہے۔ خلیفہ خود براہ دریا کشتی پر آیا تھا۔ جن کشتیوں پر خلیفہ مصر میں آیا تھا، یہ کشتیاں قاہرہ پہنچ کر خالی کی گئیں اور پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دی گئی تھیں جس طرح عموماً چیزیں پھینک دی جاتی ہیں۔ اس قصہ کے راوی نے ان کشتیوں کو خود دیکھا تھا، جو شمار میں سات تھیں، ہر ایک کشتی طول میں ڈیڑھ سو

ہاتھ اور عرض میں ستر ہاتھ تھی۔ اور انہی برس تک یہ کشتیاں اس جگہ پڑی رہیں اس قصہ کا رادی ۱۳۴۵ء میں مصر میں داخل ہوا تھا۔

جس زمانہ میں المعز الدین اللہ مصر میں داخل ہوا ہو، اس وقت ملک مصر خلافت عباسیہ کے ماتحت تھا اور عباسی گورنر نے معز کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور معز صبح اپنی فوج کے اس جگہ اتر اٹھا۔ جہاں آج قاہرہ آباد ہو۔ چنانچہ اس چھاؤنی کا نام قاہرہ رکھا گیا۔

جب فوج کا قیام ہو گیا تب سختی سے یہ حکم قاہرہ کی ابتدائی آبادی

نافذ ہوا کہ قدیم شہر میں ایک سپاہی بھی نہ جانے پائے، نہ کسی کے گھر میں ٹھیرے بلکہ اسی جنگل میں شہر آباد ہو۔ اور خدام دولت کو بھی حکم دیا کہ ہر ایک اپنے لیے ایک مکان و محل بنائے چنانچہ ترقی کر کے یہ آبادی شہر کے درجہ پر پہنچ گئی جس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔ میں نے اندازہ کیا کہ قاہرہ میں بیس ہزار دوکانوں سے کم نہ ہوں گی۔ اور یہ سب شاہی ملکیت تھیں اور کثرت ایسی دکانیں تھیں جن کا ماہواری کرایہ دس دینار مغربی ہو اور کوئی دکان دو دینار سے کم کرایہ کی نہ تھی۔ سرائے، حمام اور دیگر جائداد اس قدر ہو کہ جس کا شمار و قیاس نہیں، یہ سب شاہی ملکیت تھی۔ اور بجز سکونتی مکان کے دیا جو اس کا تعمیر کردہ ہو، کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ قاہرہ اور قدیم مصر میں آٹھ ہزار مکانات ہیں جو خلیفہ کی جانب سے کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔ اور ماہوار کرایہ لیا جاتا ہے۔ اور باہمی رضامندی پر دوکانیں دی جاتی ہیں اور واپس لی جاتی ہیں اور کسی کے ساتھ جبری کارروائی نہیں کی جاتی۔ ایوان خلافت وسط قاہرہ میں ہی جس کے اطراف کھلے ہوئے ہیں۔ اور کوئی عمارت محل سرائے کے قریب نہیں ہے۔ مہندسوں (سردے پارٹی) نے پیمائش کی تو یہ محلات شہر متیا فارغین

کے برابر تھے۔ محل کے چاروں طرف میدان ہو جس میں رات کو ایک ہزار آدمی پہرہ دیتے ہیں۔ یعنی پانچ سو سوار اور پانچ سو پیادے، نماز مغرب کے وقت سے قرنا، ڈھول اور جھانجھ بجاتے ہیں اور محلات کے چاروں طرف صبح تک گشت لگاتے ہیں۔ شہر کے باہر سے جب قصر خلافت کا نظارہ کریں تو وہ مثل ایک پہاڑ کے نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس میں بکثرت بلند عمارتیں ہیں، اور شہر کے اندر سے کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ محل کی دیواریں اونچی ہیں۔

کہتے ہیں کہ محل میں بارہ ہزار تنخواہ دار ملازم ہیں اور عورتوں و کنیزیوں کی تعداد کس کو معلوم ہو سکتی ہے؟ ہاں یہ کہتے ہیں کہ تین ہزار آدمی قصر خلافت میں رہتے ہیں حرم شاہی بارہ محلات پر تقسیم ہے۔ اور حرم کے دس دروازے ہیں جو سب سطح زمین پر ہیں۔ اور زمین دونوں دروازے اس کے علاوہ ہیں۔ بیرونی دروازوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

باب الذهب - باب البی - باب السریح - باب الزھومہ - باب السلام
باب التریجد، باب الفتوح، باب العید، باب الذل لاقہ - باب السریہ -
زمین کے نیچے (سُرنگ) ایک دروازہ ہے جس میں سے خلیفہ سوار ہو کر نکلتا ہے۔ شہر سے باہر ایک محل بنایا ہے جس کا راستہ سرنگ کے اندر سے ہے اور اس راستہ کی چھت بہت مضبوط بنائی ہے، حرم سراسے محل تک اور محل کی دیواریں سب ایک ڈال پتھر کی ترشی ہوئی ہیں، جس کے اندر بندایوان اور خوبصورت مناظر ہیں اور صحن کے اندر چوتھے بنائے ہیں۔ تمام ارکان دولت اور خادم حبشی اور رومی ہیں۔ وزیر ایسا شخص مقرر کیا جاتا ہے جو زہد، پارسائی، امانت، صداقت اور علم و فضل میں سب سے بڑھکر ہو۔ عہد المعز لدین اللہ میں شراب نوشی کی رسم نہیں تھی اور کوئی خشک انگوروں کا بھی مشربت (بنیند) نہیں بناتا تھا کہ کشید شراب کا شک کیا جائے اور کسی

کی طاقت نہیں ہے کہ شراب پیے۔ اور جو کی ہلکی شراب بھی نہیں پیتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ یہ بھی متوالا کر دیتی ہے کیونکہ کھینچ کر دوسرے قالب میں آئی ہے اور کوئی عورت بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

شہر قاہرہ کے تفصیلی حالات

باب الفتوح ، باب القنطرہ ، باب الزدیلیہ

باب الخلیج۔

قاہرہ میں فصیل نہیں ہے، لیکن عمارتیں ایسی اونچی ہیں جو فصیل سے کہیں زیادہ مضبوط اور بلند ہیں، ہر مکان اور محل ایک قلعہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اکثر عمارتیں پنج منزلہ اور چھوٹے منزلہ ہیں۔ اور دیائے نیل کا پانی پیا جاتا ہے۔ بہشتی اونٹوں پر پانی لے جاتے ہیں، جو کنویں نیل سے قریب ہیں ان کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور جو دور ہیں وہ کھاری ہیں۔ مصر و قاہرہ میں پچاس ہزار اونٹ ہیں، جو آب کشی کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے ذریعہ سے بہشتی پانی لاتے ہیں۔ اور جو بہشتی خود پانی بھرتے ہیں (مشک اٹھاتے ہیں) وہ جدا گانہ ہیں۔ ان تنگ گلیوں میں جہاں اونٹ نہیں جاسکتا ہے پتیل کے گگروں اور مشکوں میں پانی لے جاتے ہیں۔ شہر میں مکانوں کے اندر باغ اور چین ہیں، جن کی آبپاشی کنوؤں سے ہوتی ہے۔ حرم شاہی میں ایسے باغ ہیں جن سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتے۔ رہٹ کے ذریعہ سے باغوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ چھتوں پر بھی درخت لگاتے ہیں اور سیرگاہ (پارک) بناتے ہیں۔ جس زمانہ میں میرا قیام قاہرہ میں تھا، ایک مکان جو طول میں بیس گز اور عرض میں باڑہ گز تھا مانہ پندرہ دینار مغربی پر کرایہ دیا گیا تھا۔ یہ چھ منزلہ عمارت تھی۔ تین منزلیں کرایہ پر اچھی ہوئی تھیں اور سب سے اوپر کا درجہ مالک مکان سے پانچ دینار مغربی (ماہوار) پر مانگا جاتا تھا، مگر اس نے نہیں دیا، اور کہا کہ شاید

مجھے خود کبھی قیام کی ضرورت ہو۔ چنانچہ ایک سال تک میں قاہرہ میں رہا۔ لیکن مالک مکان ایک دو مرتبہ بھی نہ آیا (کہ اس کمرہ پر ٹھیرتا) یہ مکانات پاکیزگی اور لطافت میں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا جو اہرات سے بنائے گئے ہیں، اینٹ، پتھر، گارے کا کیا ذکر ہے۔ قاہرہ کا ہر مکان جداگانہ تعمیر ہوا، یعنی کسی غیر شخص کے دیوار پر نہ تو درخت ہو نہ عمارت (دو چر دیوار مراد ہے) جو شخص چاہتا ہے اپنا مکان توڑ کر نئی عمارت بناتا ہے اور ہمسایہ کو صدمہ نہیں پہنچتا جب قاہرہ سے جانب مغرب چلیں تو ایک بڑی نہر ملتی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں۔ یہ نہر خلیفہ کے باپ نے نکالی ہے اور اس نہر کے کنارے تین سو مواضعات خالصہ آباد ہیں یہ نہر مصر قدیم سے نکل کر قاہرہ میں آئی ہے، پھر قاہرہ سے گھوم کر قصر خلافت کے سامنے سے گزرتی ہے، نہر کے کنارے دو محل بنائے گئے ہیں جس میں سے ایک کو لولو (موتی محل) اور دوسرے کو جوہرہ (جوہر منزل) کہتے ہیں۔ قاہرہ میں چار جامع مسجد ہیں اور سب میں حججہ کی نماز ہوتی ہے جس میں سے ایک کا نام جامع ازہر ہے، دوسری جامع التور ہے، تیسری جامع حاکم بامر اللہ، چوتھی جامع معز لدین اللہ ہے۔ یہ جامع مسجد شہر کے باہر دریائے نیل کے کنارے ہے مصر سے جب قبلہ کی طرف رخ کریں تو مطلع حمل (نام برج) سامنے پڑتا ہے۔ مصر قدیم (فسطاط) سے قاہرہ تک ایک میل سے بھی کم فاصلہ ہوگا۔ مصر جنوب میں ہے اور قاہرہ شمال میں، دریائے نیل مصر سے گزر کر قاہرہ میں پہنچتا ہے۔ دونوں شہروں کے باغ اور عمارتیں متصل ہیں، موسم گرما میں تمام دشت اور جنگل مثل دریا کے نظر آتا ہے۔ شاہی باغ کا بیرونی حصہ جو بلندی پر ہے وہ نہیں ڈوبتا باقی کل حصہ تہ آب ہو جاتا ہے۔

افتتاحِ خلیج کا بیان

افتتاحِ خلیج کے تفصیلی حالات
شاہانہ جلوس کا نظارہ

دریائے نیل جب چڑھاؤ پر آتا ہے تو
شہر لویز ماہ (ستمبر) کی دسویں سے
ماہ آبان (نومبر) کی بیسویں تک پانی کی

طغیانی اٹھا رہ گزرتی ہے، (اس مقدار سے جو معمولاً موسم سرما میں ہوا کرتی
ہی) اور اس وقت تک تمام ملک کی نہروں کے دہانے بند رہتے ہیں۔ اس کے
بعد یہ نہر جس کو خلیج کہتے ہیں۔ اور جو مصر قدیم کے سامنے سے شروع ہو کر قاہرہ
تک جاتی ہے (یہ نہر شاہی ہے) اس کے افتتاح کے لیے خلیفہ محل سے سوار ہو کر آتا
ہے اور نہر کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس رسم کے بعد تمام ملک کی خلیجوں اور نہروں
کا پانی کھول دیا جاتا ہے۔ یہ سب سے بڑے جشن کا دن ہے۔ اور اس تقریب کا نام
”رکوب افتتاح الخلیج“ (افتتاحِ خلیج کا جلوس) ہے۔

جب شاہانہ سواری کے نکلنے کا زمانہ قریب ہوتا ہے، تو نہر کے کنارے
ایک نہایت ہی شاندار شامیانہ خلیفہ کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے جو دیبائے رومی کا
ہوتا ہے اور اس پر زرد دوزی کا کام بنایا جاتا ہے۔ اور جو اسرات سے سجایا جاتا ہے
(یعنی جہاں تک سامان آرائش بہم پہنچ سکتا ہے) اور ایک سو سوار اس شامیانہ
کے سایہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پھر اس وسیع راستہ کے سامنے بوقلمونی خیمہ
لگا کر دوسری بار گاہ سجاتے ہیں۔

اصلی جلوس نکلنے سے تین دن پہلے صطل میں ڈھول، نقارے اور
قرنا بجاتے ہیں، تاکہ گھوڑے ان باجوں کی آواز سے مانوس ہو جائیں (یہ
نقلی جلوس ہے جس کو *Rehearsal* کہتے ہیں)

جس دن خلیفہ کی سواری نکلتی ہو، دس ہزار گھوڑے جن کے زین اور طوق سنہرے اور باگ ڈوریں جڑاؤ ہوتی ہیں، اور زین کے مندرے دیبائے رومی اور بوقلمون کے ہوتے ہیں، یہ خاصکر ایک ہی انداز کے سرکاری کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں جن میں نہ سلائی ہوتی ہو، نہ کسی جگہ جوڑ ہوتا ہو، اور حاشیہ پر خلیفہ کا نام کر دیا ہوا ہوتا ہے۔ ہر کوتل گھوڑے پر زرہ یا جوشن پڑا رہتا ہے۔ اور زین کے اُبھرے ہوئے حصہ پر (سامنے کی طرف) خود رکھ دیتے ہیں۔ یا اسی قسم کے اور اسلحہ۔ اسی طرح اونٹ کجاؤن سے اور خچر عماریوں سے آراستہ اور زر و جواہر سے سجے ہوئے داور جھولوں پر موتی ٹٹکے ہوتے) نکلتے ہیں، رسم افتتاح خلیج کی اگر تعریف کی جائے تو طوالت ہوگی۔

اس جلوس کے ہمراہ تمام شاہی لشکر ہوتا ہے۔ اور ہر فوج جداگانہ ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کے پتے اور نام الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک فوج کو کتامیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ قیروان سے المعز الدین اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بیسٹھ ہزار سوار ہیں۔ اور دوسری فوج کا نام باطلیان ہے، یہ مغربی ہیں، جو خلیفہ مصر کی آمد سے پہلے مصر میں آگئے تھے۔ یہ پندرہ ہزار سوار ہیں۔ اسی طرح پیادہ فوج مضامہ کی تھی، یہ حبشی ملک مسمودیان کے باشندے تھے۔ یہ بھی بیس ہزار تھے۔ ایک فوج مشارقہ، (اہل مشرق) کی تھی، یہ قومی الجیشہ ترکی اور عجمی تھے۔ اور مشارقہ اس لیے کہلاتے ہیں کہ یہ عربی النسل نہیں ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مصر میں پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا نام اصل لفظ (مشرق) سے مشتق ہے، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام عبید الشرا ہے۔ یہ زرخرید غلام تھے۔ جو تعداد میں تیس ہزار تھے۔ ایک گروہ نیزہ بردار بدویوں کا تھا، یہ حجازی باشندے ہیں۔ جو پچاس ہزار تھے۔ ایک جماعت کا نام استادان (کھڑے رہنے والے) ہے

یہ کالے اور گورے غلام تھے، جو خاص خدمت کی غرض سے خریدے گئے ہیں۔ یہ تیس ہزار ہیں۔ ایک فوج سرانیاں (گھر کے غلام) کی تھی یہ پیادے مختلف ممالک کے تھے۔ اور نگرانی کے لیے ان کا سپہ سالار بھی الگ تھا۔ یہ لوگ صرف اپنے ملک کے اسلحہ استعمال کرتے تھے، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام زونج (باشندگان زنج یعنی حبشی) تھا یہ صرف تلوار سے لڑتے تھے، یہ تیس ہزار تھے۔ اور یہ کل تنخواہ دار فوج تھی، جن کا مشاہرہ بلحاظ درجہ مقرر تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دینار کے لیے بھی کسی عامل یا رعایا کے نام دھابند تنخواہ کا حکم نامہ (چٹھی یا ہنڈی) جاری ہوا ہو۔ بلکہ دالیان صوبہ سالانہ خراج داخل خزانہ کرتے تھے۔ اور خزانہ سے وقت معین پر تنخواہ تقسیم ہو جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی سپاہی اپنی تنخواہ کے لیے زمیندار و رعایا کو نہیں ستاتا تھا۔

ان کے علاوہ دیگر ممالک کے شاہزادے اطراف عالم سے اکٹھے ہو گئے تھے۔ اور ان کا شمار سوار و پیادوں میں نہ تھا، یہ شاہزادے ملک یمن، مغرباً روم، صقلاب، نوبیا اور حبشہ کے تھے اور سلاطین دیالمہ کی بھی اولاد تھی۔ جن کی مائیں اس ملک میں آگئی تھیں۔ علاوہ بریں گرجستان، دیالمہ اور خاقان ترکستان کے شاہزادے بھی تھے۔ ان کے علاوہ بکشرت فضل، ادیب، شاعر، فقیہ اور مختلف طبقات کے لوگ تھے، جن کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور کسی شریف زاد کا وظیفہ یا سودینار سے کم نہ تھا، بلکہ بعض دو ہزار دینار مغربی کے منصب دار تھے، ان منصب داروں کے کوئی کام سپرد نہ تھا، بجز اس کے کہ جس وقت وزیر عظم کا دربار ہو تو یہ جا کر سلام کر آئیں، اور رخصت ہوں۔ جلوس کی تفصیل کے بعد اب پھر افتتاحِ خلیج کا حال لکھتا ہوں۔

جس صبح کو خلیفہ افتتاحِ خلیج کے لیے نکلتا ہے اس روز دس ہزار مزدور

اجرت پر مقرر کیے جاتے ہیں، جن میں سے ہر مزدور ایک ایک کو تیل گھوڑے کو لے کر چلتا ہے۔ اور سو سو کی قطار ہوتی ہے اور آگے آگے نقارے، ڈھول اور شہنائی بجاتے جاتے ہیں۔ فوج کا ایک حصہ ان کے پیچھے ہوتا ہے اور حرم سرا سے دہانہ خلیج تک اسی طرح جلوس نکلتا ہے اور پھر واپس آتا ہے۔ ہر مزدور کو جو تیل گھوڑے لے جاتے ہیں، تین درہم اجرت دیتے ہیں۔ گھوڑوں کے پیچھے اونٹ چلتے ہیں جن پر جھولے اور ہنڈولے کسے ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد خچر ہوتے ہیں جن پر عماریاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ فوجوں اور کوتل گھوڑوں کے جلوس کے بعد دوسرے امیر المومنین کی سواری نظر آتی ہے جو پورے قد کا ایک خوبصورت جوان ہے اور امیر المومنین حسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم کی اولاد سے ہے۔ سر کے بال منڈے ہوتے تھے اور خچر پر سوار تھا، جس کی زین اور گام بالکل سادہ تھی، یعنی طلائی نقری کام کچھ نہ تھا۔ تمام لباس سفید تھا۔ کمر میں ایک بڑا پتکہ بندھا ہوا تھا، جیسا کہ عرب کا دستور ہے اور جس کو فارس والے دُراغہ کہتے ہیں اس لباس کا نام دو بیقی (نرم اور نفیس حریر موضع دبیق کا بنا ہوا) ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار ہے۔ اور اسی رنگ کا عمامہ بھی تھا۔ اور ایک میخ قیمت کوڑا ہاتھ میں تھا۔ اور خلیفہ کی سواری کے سامنے تین ہزار دہلی پیادے تھے، جن کا لباس زربفت رومی کا تھا۔ کمر میں کسی ہوئی تھیں اور آستینیں ڈھیلی تھیں جیسا کہ مصر والوں کا دستور ہے۔ اور یہ سب پیادے چھوٹے چھوٹے نیزے اور تیرلیے ہوئے تھے۔ اور پانٹنا بہ (آہنی کانٹے) چڑھائے ہوئے تھے، اور ایک چتر بردار گھوڑے پر سوار ہو کر خلیفہ کے ہمراہ چلتا ہے، جس کے سر پر مرصع زرین دستار ہوتی ہے اور لباس ایک ہی کپڑے کا ہوتا ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار مغربی قرار دی جاتی ہے اور جو چتر اس خادم کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ

نہایت پر تکلف مرصع اور جڑاؤ ہوتا ہے اور بجز چیتہ بردار کے کوئی دوسرا سوار خلیفہ کے قریب نہیں ہوتا، خلیفہ کے آگے دلیلی ہوتے ہیں۔ اور دائیں بائیں خادم انگلیٹھیاں لے کر چلتے ہیں جس میں عود و عنبر سلگتا جاتا ہے۔ امیر المومنین کی سواری جب سامنے سے گزرتی ہے تو ملکی دستور کے مطابق رعایا (قدیم مصری) سجدہ کرتی اور دعائیں دیتی تھی۔ اس کے بعد وزیر کی سواری آتی ہے۔ جس کے جلوس میں قاضی القضاة، ارباب علم اور ارکان سلطنت بہ تعداد کثیر ہوتے ہیں اور خلیفہ کی سواری مقررہ راستہ تک یعنی خلیج کے دہانہ پر جا کر ٹھہری جاتی ہے۔ اور سوار یہاں پہنچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ایک ساعت کے بعد خلیفہ کے ہاتھ میں ایک ٹوکدار برچھا دیا جاتا ہے کہ وہ بند پر ماریں۔ چنانچہ خلیفہ کا ہاتھ پڑتے ہی تماشائی تیزی کے ساتھ کدال اور زمین شگاف بیلچے سے بند کو کاٹ دیتے ہیں۔ جو پانی اوپر چڑھ جاتا ہے وہ خود بخود زور کر کے نیچے گرتا ہے اور خلیج میں چلا جاتا ہے اس روز مصر قدیم اور قاہرہ کی تمام مخلوق افتتاح خلیج کا نظارہ دیکھنے آتی ہے۔ اور عجیب و غریب کھیل تماشے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیج میں جو سب سے پہلے کشتی ڈالی جاتی ہے وہ انخرسون (مفرد انخرس) کی ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ گنگ دلال کہلاتے ہیں (گوئے بہرے مساکین) اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہیں۔ اور یہ کارروائی بطور تفاعل (شگون) کے ہوتی ہے۔ اور خلیفہ ان لوگوں کو صدقہ دیتا ہے۔

اکیس کشتیاں شاہی ہیں، جو محل کے قریب ایک تالاب میں چڑی رہتی ہیں، جس کی وسعت دو تین میدانوں کے برابر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کشتی کا طول پچاس گز اور عرض بیس گز ہے۔ اور کل کشتیاں طلائی نقرئی کام کی تھیں جن پر دیبا منڈھا ہوا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، اگر میں ان کی تعریف

کردوں تو ایک دفتر ہو جائے۔ اکثر اوقات یہ کشتیاں تالاب میں اس ترتیب و سلیقہ سے رکھی جاتی ہیں، جیسے صطبل میں خچر باندھے جاتے ہیں۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر بمقام عین نشس ایک شاہی باغ ہو اور یہاں ایک خوبصورت چشمہ بھی ہو اور باغ بھی اسی چشمہ سے موسوم ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ فرعون کا تھا، اس باغ کے قریب میں نے ایک پرانی عمارت دیکھی جس میں چار بہت بڑے پتھر تھے جو مینار کی طرح قائم تھے اور ان کا ارتفاع تیس گز تھا۔ اور ان کے سروں سے پانی کی بوندیں ٹپکتی تھیں۔ اور کسی کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ کیا ہے؟

باغ کے اندر بلساں کے درخت تھے۔ روایت ہے کہ خلیفہ کا باپ شجر بلساں | تخم بلساں مغرب سے لایا تھا۔ اور اس ملک میں پویا گیا۔ اور ملک مغرب کے سوا ساری دنیا میں یہ درخت کہیں نہیں پیدا ہوتا ہے اور اب تو ملک مغرب میں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اگرچہ بلساں کا بیج ہوتا ہے مگر وہ ہر جگہ اگتا نہیں ہے اور اگر اگتا بھی ہے تو تیل نہیں نکلتا، بلساں کا درخت، آس (ملک عرب کا مشہور درخت ہے) کی طرح ہوتا ہے اور جب یہ جوانی پر آتا ہے تو تلوار سے شاخوں میں کچو کے لگا کر جا بجاشیشے باندھ دیے جاتے ہیں، اس طریقہ سے اس کا تیل گوند کی طرح شاخوں میں سے نکلتا ہے اور جب پورے طور پر تیل نکل آتا ہے تو درخت سوکھ جاتا ہے۔ اور باغ بان لکڑیاں لاکر شہر میں بیج ڈالتے ہیں۔ چھال موٹی ہوتی ہے جس کو درخت سے چھیل کر کھاتے ہیں اور بادام کا ذائقہ ہوتا ہے، درخت کی جڑ سے دوسرے سال کچے پھوٹ آتے ہیں اور بڑے ہونے پر اس کے ساتھ بھی مذکورہ بالا عمل جراحی کیا جاتا ہے۔

قاہرہ کے محلے | شہر قاہرہ میں دس محلے ہیں۔ اور محلہ کو یہاں حارہ کہتے

ہیں۔ ترتیب دار نام حسب ذیل ہیں۔ حارہ برجوان، حارہ زویلہ، حارہ الجودریہ، حارہ الامار، حارہ الدیالمہ، حارہ الروم، حارہ الباطلبہ، قصر الشوک، عبید الشار، حارہ المصاہدہ۔

قدیم شہر مصر کا بیان

جامع طولون | مصر (فسطاط) بلندی پر واقع ہے، شہر کے جانب مشرق پہاڑ پر مگر اونچا نہیں ہے، بلکہ سنگین پشتہ کی طرح پتھر دن کی سلیس ہیں۔ اور جامع طولون شہر کے کنارے بلندی پر ہے، جس کی دلدیواریا بہت مضبوط ہیں اور شہر آمد اور میا فارقین کے سوا میں نے ایسی خوبصورت دیوار کہیں نہیں دیکھی ہے۔ یہ مسجد کسی عباسی امیر کی تعمیر کردہ ہے جو مصر کا والی رہا ہے۔ حاکم بامر اللہ (متوفی ۱۰۲۴ھ) کے زمانہ میں (جو موجودہ خلیفہ کا دادا تھا) ابن طولون کے لڑکے قاہرہ میں آئے تھے اور انھوں نے تیس ہزار دینار مغربی پر مسجد کا بیج نامہ کر دیا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ان لوگوں نے مسجد کا دوسرا منارہ گرانا شروع کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ان سے کہلا بھیجا کہ یہ تو تم میرے ہاتھ بیع کر چکے ہو اب اسے کیوں گرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے منارہ فروخت نہیں کیا ہے۔ چنانچہ پانچ ہزار دینار پر دوسرا منارہ بھی خرید لیا گیا۔ خلیفہ مصر رمضان المبارک میں اسی مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ اور ایام جمعہ میں بھی۔ شہر طغیانی کے خوف سے بلندی پر آباد کیا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں بڑے اونچے پتھر تھے جن کو توڑ کر سطح کو ہموار کیا ہے۔ اب ایسے مقامات عقبہ (گھاٹی) کہلاتے ہیں۔ شہر مضر کو جب فاصلہ سے دیکھیں تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

مصر کے مکانات | شہر کی بعض عمارتیں چودہ منزل کی ہیں اور کوئی سات منزل بھی ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ ایک شخص

نے ست محلہ پر چن لگایا تھا اور ایک بچہ اکوٹھے پر لے جا کر پالا تھا، جب وہ جوان ہو گیا تو رہٹ کھینچتا تھا اور کنویں سے پانی نکالتا تھا۔ اس چھت پر نانبج، ترنج اور کیلے کے درخت لگائے تھے۔ اور یہ سب پھلتے تھے اور طرح طرح کے گلاب و نازبو (مردہ) کے پودے لگائے تھے۔

مصر کی گلیاں اور کوچے | میں نے ایک معتبر سوداگر سے سنا ہے کہ مصر میں متعدد مکانات ہیں، جن میں کرایہ کے لیے

حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور سپائش ان کی تیس تیس ہاتھ (۳۰ × ۳۰ = ۹۰۰) ہے جس میں تین سو چاس آدمی رہ سکتے ہیں۔ مصر کے بعض بازاروں اور کوچوں میں دن رات قندیلیں روشن رہتی ہیں، کیونکہ ان گلیوں میں سورج کی روشنی نہیں آتی ہے۔ اور لوگوں کی آمد و رفت برابر جاری ہے۔

شہر مصر میں علاوہ قاہرہ کے سات جامع مسجدیں قریب قریب واقع ہیں اور دونوں شہروں میں پندرہ مسجدیں ہیں۔ جن میں جمعہ کے دن ہر جگہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔

باب الجوامع | وسط بازار میں ایک مسجد ہے جس کو باب الجوامع کہتے ہیں۔ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی تعمیر کردہ ہے، جب کہ

آپ امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر کے والی تھے۔ یہ مسجد سنگ مرمر کے چٹا رسو ستونوں پر قائم ہے۔ اور جس دیوار پر صدر محراب ہے وہ کل سفید مرمر کی ہے اور پورا قرآن خوبصورت حروف میں ان دیواروں پر لکھا ہوا ہے۔ اور مسجد کے چاروں طرف بڑے بازار ہیں۔ اور مسجد کے دروازے بازار کی جانب ہیں جہاں قاری لے بعض گلیاں دو دو فرلانگ طویل ہیں۔

اور مدرس درس دیا کرتے ہیں۔ بڑے شہر کی تفریح گاہ یہی مسجد ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا ہے کہ یہاں پانچ ہزار آدمیوں سے کم مجمع ہو۔ جن میں طلبہ، عرائض نویس (قبالہ اور دستاویزات لکھنے والے) وغیرہ ہوتے ہیں۔ حاکم بامر اللہ نے فرزند انعم بن عاص سے یہ مسجد خرید کر لی ہے۔ کیونکہ ان لڑکوں نے حاکم سے کہا تھا کہ ہم محتاج اور فقیر ہو رہے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے باپ کی مسجد کی اینٹ و پتھر کھود کر بیچ ڈالیں۔ چنانچہ حاکم بامر اللہ نے ایک لاکھ دینار دے کر مسجد خرید لی اور مصر والوں کو گواہ کیا۔ بیچ نامہ کے بعد عجیب و غریب عمارت کا اس مسجد میں اضافہ کیا گیا۔ منجملہ ان کے ایک چاندی کا فیتیل سوزایا بنوایا جس میں سولہ پہل تھے۔ اور ہر پہلو ڈیڑھ لاکھ کا تھا۔ چنانچہ کل محیط چوبیس لاکھ تھا۔ جس میں کچھ اوپر سات سو چراغ مقدس راتوں میں روشن کیے جاتے تھے۔ اس فیتیل سوز کا وزن پچیس فنطار نقرہ تھا۔ (ایک فنطار کا وزن سو رطل اور ایک رطل ۱۴۴ درہم نقرہ کا مانا گیا ہے) جب یہ فیتیل سوز بن کر تیار ہوا تو مسجد کے کسی در میں نہیں سماتا تھا۔ تب مجبوراً ایک جدید دروازہ کھولا گیا اور اس کے اندر سے فیتیل سوز کو مسجد میں لائے۔ اور پھر اس نئے دروازہ کو بند کر دیا۔ اس مسجد میں ہمیشہ تلے اور پردس رنگین چٹائیاں بچھی رہتی ہیں۔ اور روزانہ شب کو سو سے زیادہ قندیلیں روشن کی جاتی ہیں، قاضی القضاة کا دفتر اسی مسجد میں ہے۔

اس مسجد کے جانب شمال ایک بازار ہے، جس کو **سوق القنادیل** سوق القنادیل (قندیلوں کا بازار) کہتے ہیں، ایسا بازار کسی شہر میں نہ ہوگا، ساری خدائی کا نفیس اور قیمتی مال اس بازار میں ملتا ہے۔ میں نے اس بازار میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا سامان دیکھا مثلاً صندوقچہ، گنگھی۔ اور چاقو وغیرہ۔ اور یہاں ایک قسم کا سخت پتھر دیکھنے میں آیا جو ملک

مغرب سے آتا ہو اور جس کو نادرہ کا صنایع تراش کر چیزیں بناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج کل دریائے فلزم سے ایک قسم کا سخت بتور برآمد ہوا ہے، جو مغرب کے بتور سے بہت زیادہ لطیف اور شفاف ہے۔ میں نے ہاتھی کا ایک دانت دکھا جس کا وزن کچھ اوپر سات من تھا۔ اور یہ ملک زنجبار سے آیا تھا۔ اور ایک چرسہ پیل کا دکھا جو حبش سے آیا تھا، یہ تین دوے کی کھال سے مشابہ تھا، اس کے جوئے بنائے جاتے ہیں اور نیز ملک حبش سے پالتو مرغ لاتے ہیں جو قد میں بہت اونچا ہوتا ہے، اور جس کے پردوں پر سفید نقطے ہوتے ہیں اور سر پر مور کی طرح کیس (کلنی) ہوتا ہے۔ مصر میں شہد اور شکر کی بھی افراط ہے۔ ددی (جنوری) کی تیسری تاریخ ہفتی اور سالگہ ف تھا کہ میں نے حسب ذیل پھول اور میوے ایک ہی دن بازار میں دیکھے۔

مصر کے بازار میں میوے اور پھولوں کی افسراط

سرخ گلاب، نیلوفر، زگس، ترنج، نابخ
لیوں مرکب، سیب، یاسمن، نازبو، بہی
انار، امرد، خرلوزہ، کچری، کیسلہ،

زیتون، تازہ ہٹر، خرمائے تر، انگور، گنا، بیگن، کدو، مولی، شلغم، کرم کلا، باقلہ، گکڑھی، کھیرا، پیاز، لہسن، گاجر، چغندر۔ یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ یہ سب میوے اور پھول مختلف موسم کے ہیں، یعنی کوئی خریف کے کوئی ربیع کے۔ بعض گرمی اور بعض جاڑے کے ہیں اور پھر ایک ہی فصل میں سب موجود ہیں، لوگ اس کو باور نہیں کریں گے، لیکن میری تحریر بلا غرض ہے، میں نے چشم دید واقعات لکھے ہیں اور جو سنی سنائی باتیں میں نے لکھی ہیں اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مصر ایک عظیم الشان صوبہ ہے، جس میں سرد سیر اور گرم سیر ہر قسم کی ہوائیں چلتی ہیں اور ہر حصہ ملک سے چیزیں

آتی ہیں، جو بازاروں میں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔

ظروف گلی | مصر میں ہر قسم کے مٹی کے برتن بنتے ہیں۔ اور وہ اس قدر لطیف اور شفاف ہوتے ہیں کہ اگر اس کے اوپر ہاتھ رکھو

تو اندر عکس نظر آتا ہے۔ گلاس، بڑے پیالے اور رکابیاں وغیرہ بناتے ہیں۔ اور ان برتنوں پر ایسا لگ (روغن) چڑھاتے ہیں جو دھوپ چھاں (بو قلمون) سے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس پہلو سے دیکھو نیا رنگ نظر آتا ہے۔ اور کانسج ایسا پاکیزہ اور شفاف بناتے ہیں کہ زبرد معلوم ہوتا ہے۔ جس کو قول کر بیچتے ہیں۔

مصری سوت | میں نے ایک معتبر بزاز سے سنا ہے کہ مصر میں باریک سوت جس کا وزن ایک درہم ہو، تین دینار مغربی کو بکتا ہے۔

(مساوی ۳ ۱/۲ دینار نیشاپوری) اور میں نے نیشاپور میں دریافت کیا تھا کہ اعلیٰ درجہ کے سوت کی کیا قیمت ہے تو جواب ملا تھا کہ جو سب سے بہتر ہو وہ بقدر ایک درہم (وزن میں) پانچ درہم کو بکتا ہے۔

وسائل آبِ رسانی | شہر مصر طولا دریا کے نیل کے کنارے واقع ہے اور اکثر محلات و مناظر ایسے موقع پر ہیں کہ اگر چاہیں تو دریا کے

نیل کا پانی ڈور (رستی) سے بھر لیں۔ لیکن عموماً شہر میں بہشتی نیل سے پانی لاتے ہیں، کوئی اونٹ پر لاتا ہے، کوئی کاندھے پر۔ اور دمشق کے پتیل کے گگرے بھی دیکھے، جس میں پیتا لیس سیر پانی آتا ہے۔ اور یہ بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک کھارنک کے پاس پانچ ہزار گگرے ہیں، جو کرایہ پر چلاتی ہے۔ اور نبی گگرا مانا نہ کرایہ ایک درہم ہو، جب واپس کیا جائے تو شرط ہے کہ اصلی حالت پر ہو۔

جزیرہ مصر | مصر کے سامنے مابین دریا ایک جزیرہ ہے، کسی وقت میں

یہاں شہر آباد کیا گیا تھا۔ یہ جزیرہ شہر کے مغربی جانب ہے، جس میں جمعہ مسجد اور باغات بھی ہیں۔ یہ جزیرہ حقیقت میں ایک چٹان پر ہے، جو نیل کے اندر ابھرا آئی ہو۔ میں نے دریائے نیل کے ان دونوں شاخوں کا اندازہ کیا ہے، وہ وسعت میں جھوں کے برابر ہوں گے۔ ان کی رفتار دھیمی (سست) ہے۔ شہر اور جزیرہ کے درمیان چھتیس کشتیوں کا ایک پل باندھا گیا ہے۔

۱۷۷۷ء جزیرہ | اسی طرح دوسرا شہر بھی نیل کے کنارے ہی جس کو جزیرہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی جمعہ مسجد ہے مگر ٹپ نہیں ہے۔ گھاٹ اور کشتی سے عبور کرتے ہیں، بغداد اور بصرہ کے مقابلہ میں بڑی اور چھوٹی کشتیوں کی مصر میں افراط ہے۔

مصر کے دوکاندار مال کی صحیح قیمت مصری تاجروں کی ایمانداری بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دوکاندار

خریدار سے جھوٹ بولے، تو اس کو اونٹ پر بٹھا کر ایک گھنٹہ ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور وہ شہر میں گشت کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص گھنٹہ بجا کر بلند آواز سے کہتا جاتا ہے کہ ”میں نے غلط نرخ بتایا تھا جس کی ملامت اٹھا رہا ہوں اور جو جھوٹ بولے گا اس کی سزا یہی ہے“ بقال، عطار، باسطی اور تمام دوکاندار خریدار کو سودار کھنے کے لیے بار دان دیتے ہیں۔ بار دان سے کانچ یا مٹی کا برتن اور کاغذ (لفافہ) مراد ہے (یعنی ہر جنس کے حسب حال ظرف ہوتا ہے)۔ خریدار کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سودار کھنے کے لیے ٹوکری یا زنبیل لیے پھریں۔

مصر میں جلانے کا تیل شلیم اور مولیٰ کے بیجوں سے مصر کی پیداوار نکالتے ہیں اور اس کو زیت حار (کڑوا تیل) کہتے ہیں۔ تلی (کجھ) کم پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تیل نایاب ہے۔ روغن

زیتون سستا بکتا ہے۔ بادام سے پستہ کا نرخ ہمیشہ گراں رہتا ہے۔ اور پندرہ سیر مغز بادام کی قیمت ایک دینار سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

بازاری اور دوکاندار عموماً خچروں پر سوار ہو کر گھر سے بازار

کرایہ کے خچر تک جاتے ہیں۔ جن پر زین کسا رہتا ہے۔ اور ہر سڑک و کوچہ میں زین کسے ہوئے خچر تیار ملتے ہیں، جس کا جی چاہے سوار ہو جائے۔ کرایہ بہت کم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پچاس ہزار چوپایہ (خچر) زین کسے ہوئے کرایہ پر چلتے ہیں۔ گھوڑے فوجی سپاہیوں کے لیے مخصوص ہیں باقی اصحاب دوکاندار، دیہاتی، پیشہ ور اور رؤسا، دُخروں پر ہی سوار ہوتے ہیں، میں نے بکثرت سیاہ و سفید دھاریوں کے خچر دیکھے ہیں جو گھوڑے سے کہیں بہتر تھے۔

میرے زمانہ سیاحت میں یہاں کے لوگ بہت دولت مند

مصر کا تمول تھے۔ ۳۳۹ھ میں (خلیفہ مستنصر باللہ) کے یہاں بیٹا پیدا ہوا حکم دیا گیا کہ تمام شہر اور بازار آراستہ کیے جائیں، اگر میں اس آرائش کی تعریف کر دوں تو بعض لوگوں کو یقین نہ آئے گا، بزازوں اور صرافوں وغیرہ کی دوکانیں زرو جو اہر، نقد و جنس، زر بفت اور قصب (مشروع) کے محتافوں سے اس طرح سچی ہوئی تھیں کہ بیٹھنے کے لیے جگہ باقی نہ تھی۔ رعایا خلیفہ کی جانب سے مطمئن ہے، کوئی شخص پولیس اور خفیہ نگاروں سے نہیں ڈرتا تھا، خلیفہ پر سب کو اعتماد ہے۔ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ نہ کسی کے مال و دولت کا خواستہ کرتا ہے۔ میں نے مصر میں جس قدر تمول کی افراط دیکھی ہے، اگر اس کا بیان کروں تو میرے عجیبی یقین نہ کریں گے مصریوں کی دولت مندی کا اندازہ میں نہیں کر سکتا ہوں۔ مصر کی جیسی آسائش میں نے کہیں نہیں دیکھی ہے۔ میں نے یہاں ایک عیبئی سا ہوکار دیکھا جس کے پاس کشتیاں اور روپیہ کی اس قدر افراط تھی جس کا

اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک سال کا واقعہ ہے کہ دریائے نیل میں طغیانی نہ ہوئی اور غلہ گراں ہو گیا۔ وزیر السلطنت نے اس ساہوکار کو طلب کر کے کہا کہ ”یہ سال نہایت خراب ہے اور رعایا کی حالت دیکھ کر امیر المومنین بے چین ہو رہے ہیں لہذا بتاؤ کہ تم! نقدی یا ادھار سے کس مقدار تک غلہ دے سکتے ہو؟“ ساہوکار نے جواب دیا کہ ”امیر المومنین اور حضور کے اقبال سے میرے پاس اس قدر غلہ موجود ہے کہ چھو سال تک ملک کی خوراک کے لیے کافی ہوگا۔“

اس وقت مصر کی مردم شناسی اس قدر تھی کہ نیشاپور کی مجموعی آبادی بمشکل اس کے پانچویں حصے کے برابر ہوگی۔ صاحب اندازہ سمجھ سکتا ہے کہ جس کے پاس اس قدر غلہ ہوگا اس کے پاس زر نقد کس مقدار میں ہوگا؟ کیسی اچھی رعایا ہے اور کیسا عادل سلطان ہے، جس کا زمانہ ایسا پُر امن ہے کہ جس میں مال و دولت کی افراط ہے، نہ تو بادشاہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ رعیت اس سے کچھ مخفی رکھتی ہے۔

یہاں میں نے ایک کارواں سرائے دیکھی جس کو دارالوزیر کہتے ہیں، یہ بزازہ ہے یہاں صرف

مصر کی کارواں سرائیں

قصب کے تھان فروخت ہوتے ہیں، اور نیچے کی منزل میں درزی بیٹھتے ہیں اور اس کے اوپر محرابی طاق (برج) ہیں۔ میں نے منظم سرائے سے پوچھا کہ اس سرائے کی آمدنی کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ سالانہ بیس ہزار دینار مغربی وصول ہوتے تھے۔ لیکن آج کل اس سرائے کا ایک حصہ شکستہ ہو گیا ہے جس کی مرمت ہو رہی ہے۔ لہذا ماہانہ آمدنی ایک ہزار دینار ہے۔ جس کا سالانہ بارہ ہزار ہوتا ہے۔ مصر میں اگرچہ اس سے بڑی کوئی سرائے نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس قسم کی دوستو سرائیں (خان) موجود ہیں۔

دعوت ایوان البکیر بزمانہ خلافت معد بن تمیم ملقب بہ مستنصر باللہ فاطمی ۴۴۰ھ

خلفائے فاطمین کا یہ دستور تھا کہ ہر سال عیدین کے موقعہ پر عام دعوت کرتے تھے۔ اور دربار عام میں خاص دعوت طلب ہوتے تھے، چنانچہ خواص قصر خلافت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور عوام دوسرے مکانات میں ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اس دعوت کے حالات میں بہت کچھ سن چکا تھا، لیکن دلی خواہش تھی کہ میں اپنی آنکھ سے یہ سماں دیکھ لوں، دربار کے ایک کاتب سے میرے دوستانہ مراسم تھے، میں نے اس سے کہا کہ سلاطین عجم میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کے دربار میں نے دیکھے ہیں، جو بڑی شان و شکوہ کے بادشاہ تھے۔ لیکن چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کا دربار عید بھی دیکھ لوں۔ چنانچہ میرے اس دوست نے پردہ دار (صاحب الستریا ناظر قصر خلافت) سے سفارش کر دی۔

قصر خلافت اور دعوت عید
رمضان المبارک ۴۴۰ھ (۱۰۴۹ء) کی آخر تاربخ
تھی کہ دربار سجایا گیا، کیونکہ صبح کو عید تھی۔ خلیفہ عید کی نماز پڑھ کر دربار میں آتا ہوں اور کھانے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ چنانچہ پردہ دار نے مجھے بھی قصر خلافت میں پہنچا دیا، صدر دروازے سے آگے بڑھ کر ایسی شہ نشین اور محلات دیکھے کہ اگر اس کا بیان کر دوں تو ایک کتاب بن جائے۔ بارہ ایوان مسلسل تھے اور ہر ایک مرتب تھا۔ میں جس ایوان کے اندر داخل ہوتا تھا وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا، اور ان

ہے کہ اس یہودی کے مال کا اندازہ صرف خدا ہی کو ہو۔ اس کے محل کی چھت پر تین سو نفری گولے رکھے ہوئے تھے اور ہر گولہ میں درخت تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا باغ لگا ہوا ہے۔ اور تمام پودے پھلوں سے بھجورم رہے تھے۔ ابوسعید کے بھائی نے خلیفہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی کہ میں اس وقت دو لاکھ دینار مغربی داخل خزانہ کرتا ہوں، کیونکہ برادر مرحوم کے قتل سے ہم لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ خلیفہ نے وہ عرضی باہر بھیج دی اور مجمع عام میں چاک کر ڈالی گئی۔ اور کہلا بھیجا کہ تم مطمئن رہو اور گھر کو واپس جاؤ، اب کسی کو نہ تم سے سروکار ہو اور نہ کوئی تمہارے مال و دولت کا محتاج ہو اور اس خاندان کی دلجوئی کی۔

محکمہ اوقاف | ملک شام سے قیروان تک میں نے سفر کیا ہے، ہر ہر گانو اور قریہ میں جس قدر مساجد ہیں ان کے مصارف وکیل خلیفہ ادا کرتا ہے۔ اس صرفہ میں چرائش کاتبیل، چٹائی، پوریہ، مصلیٰ، مہتمم فراش، موزنوں کی تنخواہ اور وظائف داخل ہیں۔

ایک سال کا واقعہ ہے والہی شام نے عرضی بھیجی کہ ”روغن زیتون مسال کم ہے، اگر فرمان عالی صادر ہو تو مساجد کے لیے کڑوائیل (جو مولیٰ اور شلم کے بیجوں سے نکالا جاتا ہے) دیا جائے“ اس پر حکم ہوا کہ تم صرف حکم کی تعمیل کرنے والے ہو وزیر نہیں ہو۔ (یعنی رائے دینے کے مجاز نہیں ہو) جس شرکاء تعلق خانہ خدا سے ہے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔ قاضی القضاة (چیف جسٹس) کا مشاہرہ دو ہزار دینار مغربی تھا اور اسی پڑتہ سے ماتحت قاضیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ یہ رعایا سے نہ تو رشوت لیں نہ کسی پر ظلم ہو۔

اعلان حج | یہ بھی دستور تھا کہ وسط رجب میں فرمان خلافت تمام قافلوں کی روانگی مساجد میں سنایا جاتا تھا کہ مسلمانو! حج کا زمانہ آ رہا ہے

اور حسب معمول امیر المؤمنین کی جانب سے فوج، گھوڑے، اونٹ اور زاراً مہیا ہے۔ اور اسی قسم کے دوسری منادی رمضان المبارک میں ہوتی تھی اور آغاز ذیقعدہ سے قافلے ایک مقررہ پڑاؤ (فردگاہ) پر جمع ہونے شروع ہوتے تھے۔ اور پندرہویں ذیقعدہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ اور اس لشکر کا روزانہ صرفہ خوراک ایک ہزار دینار مغربی تھا (باستثنائے مواجب جیب خرچ) جو ہر حاجی کو بہ حساب بین دینار دیا جاتا ہے۔ یہ قافلے پچیس یوم میں مکہ معظمہ پہنچتے تھے اور قیام دس دن ہوتا تھا۔ اور پھر پچیس یوم میں واپس آتے تھے، اس حساب سے ساٹھ یوم میں ساٹھ ہزار دینار مغربی ان کی خوراک کا صرفہ ہوتا تھا۔ اور صلے، العامات، مشاہرات جدا گانہ تھے، اور جو اونٹ کہ راستہ میں مر جاتے تھے ان کی قیمت بھی اس میں شامل نہیں ہے۔ الغرض ۳۳۹ھ میں لوگوں کو ایک فرمان سلطانی سنایا گیا کہ ”امیر المؤمنین حکم دیتے ہیں کہ اس سال حجاج کا سفر کرنا مصلحت کے خلاف ہے، کیونکہ حجاز میں قحط ہے اور مخلوق مر رہی ہے اور میرا یہ حکم اسلامی ہمدردی کی بنا پر ہے۔ چنانچہ حاجی رک گئے

۸۔ ناصر خسرو کی قاہرہ سے
مکہ معظمہ کو روانگی ہے

خلیفہ دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ غلاف کعبہ روانہ کیا کرتا تھا اور چونکہ اس سال محل براہ قلم روانہ ہوا تھا۔ لہذا یہ بھی اس قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوا اور غزہ ذی قعدہ کو مصر سے چل کر ساتویں تاریخ کو شہر قلم میں آیا اور یہاں سے جہاز پر سوار ہو گیا۔ اور پندرہویں دن شہر حارہ میں داخل ہوا۔ آج ذیقعدہ کی بائیسویں تاریخ تھی، اور جار سے چار دن میں مدینہ رسول اللہ صلعم میں پہنچا۔

ناصر خسرو مدینہ میں | مدینہ طیبہ ایک صحرا کے کنارے آباد ہے، شہر کی

زمین مرطوب اور شورہ زار ہو، چشمہ کا پانی ہو، مگر کمی کے ساتھ، اور کھجوروں کے باغات ہیں، یہاں قبلہ جنوب کی طرف واقع ہے۔

مسجد نبوی وسعت میں مسجد الحرام کے برابر ہے، اور رسول مقبول کا حظیرہ منبر مسجد کے پہلو میں ہے، یعنی جب قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو بائیں جانب پڑتا ہے، چنانچہ جس وقت خطیب منبر پر کھڑا ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کر کے درود پڑھتا ہے، تو دائیں ہاتھ کی طرف (روضہ اطہر کی جانب اشارہ کرتا جاتا ہے، حظیرہ نبوی محسن (تیج گوشہ) ہے۔ اور دیوارین ستون مسجد کے درمیان سے اٹھائی ہیں اور پانچ ستون ہیں۔ اس مکان کی چھت مثل حظیرہ کے ایک تکیہ نما دیوار سے گھیر دی ہے تاکہ اس پر کوئی چڑھ نہ سکے۔ اور چھت پر ایک جال لگا دیا ہے کہ چڑیاں بھی نہ جاسکیں۔ اور منبر و مقبرہ کے درمیان بھی ایک سنگ مرمر کا ایک حظیرہ ہے، یہ ایک نیچی عمارت ہے جن کو روضہ کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ یہ باغ، باغہائے بہشت سے ہے، رسول مقبول ارشاد فرماتے ہیں کہ: بین قبری و منبری روضۃ من ریاضۃ الجنۃ اور شیعوں کا قول ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مزار اسی جگہ ہے۔ اور مسجد کا ایک دروازہ شہر کے باہر جنوبی (شمالی) رخ پر ہے۔ اس کے بعد جنگل اور قبرستان ہے، جس میں امیر المومنین حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا مزار ہے اور اس جگہ کو قبور الشہداء کہتے ہیں۔ چونکہ حج کا زمانہ قریب تھا لہذا میں دو دن کے قیام کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گیا، سڑک مشرق کو جاتی تھی۔ مدینہ سے دو منزل پر ایک پہاڑ ہے اور اس میں ایک گھاٹی مثل درہ کے ہے جس کو جحفہ کہتے ہیں۔ اور یہ مقام مغرب و شام اور مضر کا میقات ہے، اور میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے حاجی

احرام باندھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک سال یہاں حاجیوں کا بڑا قافلہ پڑا ہوا تھا کہ یکایک سیلاب آگیا اور اہل قافلہ ہلاک ہو گئے۔ اور یہی وجہ تسمیہ جحفہ کی ہو، مکہ اور مدینہ میں سو فرسنگ کا فاصلہ ہے، مگر پہاڑی راستہ ہو میں آٹھ دن میں پہنچا تھا۔

ناصر خسرو کا دوسرا حج
 ۳۳۹ھ

یک شنبہ کے دن چھٹی ذالحجہ کو میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور باب الصفا میں اُترا، اس سال مکہ میں قحط تھا، اور ایک دینار نیشاپوری میں چھو سیر روٹی فروخت ہوتی تھی، مجاور مکہ سے چلے گئے تھے اور کسی ملک کا قافلہ نہیں آیا تھا۔ بدھ کے دن خدا کے فضل سے ہم نے عرفات میں حج کیا، اور دو روز مکہ معظمہ میں ٹھیرے، بہت سے لوگ بھوک اور محتاجی کی بدولت حجاز سے باہر چلے گئے تھے، میں اس مرتبہ بھی حج اور مکہ کے حالات بیان نہ کروں گا آئندہ جب مکہ معظمہ میں چھو مہینے قیام ہوگا اس وقت جو کچھ دیکھوں گا اس کو تفصیل سے بیان کروں گا۔

مکہ معظمہ سے میں مصر کو روانہ ہوا اور پچھترہ یوم میں داخل مصر ہوا۔ اس سال پینتیس ہزار آدمی حجاز سے مصر میں آئے تھے، خلیفہ نے سب کو جوڑے پہنائے اور پورے ایک سال تک سب کو وظیفہ دیا، کیونکہ یہ لوگ ننگے اور بھوکے تھے، یہاں تک کہ باران رحمت کا نزول ہوا اور ملک حجاز میں کھانے پینے کی افراط ہو گئی، اس وقت خلیفہ نے ان سب کو پوشاک اور انعام دے کر حجاز کو رخصت کر دیا۔

رجب ۴۲۸ھ (دسمبر ۱۰۲۸ء) میں دوسری مرتبہ فرمان خلافت سنایا گیا کہ حجاز میں قحط ہو اور حجاز کا جانا خلافت مصلحت ہو حاجی اپنے حال پر

رحم کر کے ارشاد خداوندی کی تعمیل کریں، چنانچہ اس سال بھی حاجی نہیں گئے، لیکن خلیفہ کی طرف سے ارسال غلاف کعبہ اور امیر مکہ اور مدینہ اور مجاور و خدام کے لیے جو سالانہ وظیفہ حجاز کو جاتا تھا اس میں کمی اور رکاوٹ نہیں کی گئی۔ اور امیر مکہ کا تین ہزار دینار مشاہرہ اسپ و خلعت کے علاوہ سال میں دو مرتبہ بھیجا جاتا تھا چنانچہ اس سال یہ وظیفہ قاضی عبداللہ (قاضی شام) کی معرفت روانہ کیا گیا، اور میں بھی قاضی صاحب کے ہمراہ براہ قلم روانہ ہوا۔ اس مرتبہ بھٹیوں میں ذبیقہ کو جہاز جار میں پہنچا۔ حج کا زمانہ بہت ہی قریب آ گیا تھا لہذا پانچ دینار پر ایک اونٹ کرایہ پر کر کے فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

ناصر خسرو کا تیسرا حج ۴۴ھ

آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچ کر بہ نوبت
خداوند عالم حج کیا، اس سال ملک

مغرب سے بہت بڑا قافلہ آیا تھا، واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں مغربوں نے عربوں سے بدرتہ (راہ نما) مانگا، چنانچہ حج سے واپسی کے وقت دونوں میں جنگ ہوئی اور دو ہزار سے زیادہ مغربی قتل ہوئے اور اکثر حاجی مغرب کو واپس نہیں گئے۔

اعراب کی وحشیانہ خدمت

اسی سال خراسان کے بعض حاجی
شام اور مصر کے راستے سے جہاز پر

سوار ہو کر مدینہ پہنچے، ذی الحجہ کی چھٹی تاریخ تھی اور اس قافلہ کو عرفات تک ایک سو چار فرسنگ طو کرنا تھے، چنانچہ ان حاجیوں نے کہا کہ اگر تین یوم کے اندر کوئی ہم کو مکہ معظمہ پہنچا دے اور حج نصیب ہو جائے تو فی کس چالیس دینار کے حساب سے معاوضہ ادا کریں گے۔ چنانچہ بدویوں نے ڈھائی دن میں عرفات پہنچا کر دینار وصول کر لیے، مگر مدینہ سے عرفات تک اس طرح لائے کہ تیز رفتاری

اونٹوں پر ایک ایک حاجی کو باندھ کر ڈال دیا تھا، چنانچہ ان میں سے دو حاجی تو اونٹوں ہی پر مر گئے۔ چار زندہ تھے، لیکن وہ بھی نیم مردہ، عصر کا وقت تھا کہ یہ لوگ ہمارے پاس پہنچے، مگر اس حالت میں کہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ بات ہی کر سکتے تھے، ان کا بیان تھا کہ ہم نے راستہ میں ان بدویوں سے بہ منت کہا کہ زرکرا یہ تمہارا ہو چکا، ہم کو چھوڑ دو کہ طاقت جواب دے چکی ہو، مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور اسی طرح لے کر آئے۔ الغرض وہ چار خراسانی حج کر کے شام کے راستہ سے واپس ہوئے، اور میں بھی حج سے فارغ ہو کر مصر کو روانہ ہو گیا، کیونکہ میری کتابیں وہاں رہ گئی تھیں، اور واپسی کا ارادہ نہ تھا۔

اسی سال امیر مدینہ مصر میں آیا تھا اور خلیفہ کی جانب سے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا، کیونکہ یہ امیر، امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے تھا

ناصر خسرو کی سیاحت
پانچواں سال ۴۴۱ھ

چنانچہ میں بھی امیر مذکور کے ہمراہ جہاز میں شہر قلمز تک آیا، اور یہاں سے امیر کی معیت میں مصر تک گیا۔

۴۴۱ھ کا واقعہ ہے کہ جب میں مصر میں تھا یہ خبر آئی کہ حلب کا والی خلیفہ سے باغی ہو گیا

والی حلب کی بغاوت

ہے۔ یہ خلیفہ کا ملازم تھا اور اس کا باپ شامان حلب میں سے تھا، امیر المؤمنین کا یہ ایک غلام تھا جس کو عمدة الدولہ کہتے تھے، یہ غلام مطالبان کا سردار بھی تھا اور بہت دولت مند، اور مطالبی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانہ اور دھونڈا کرتے ہیں، یہ لوگ اطرافِ مغرب دیا ر مصر اور شام سے آیا کرتے ہیں اور مصر کے پہاڑ اور پتھروں میں تکلیف اٹھاتے ہیں اور کھدوائی میں مال خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور بہتروں کا زکریہ صرف

ہو جاتا ہے، اور کچھ بھی نہیں ملتا ہو۔ رکھتے ہیں کہ اس علاقے میں فرعون کے خزانے مدفون ہیں) اور جب کسی کو خزانہ مل جاتا ہے تو اس کا پانچواں حصہ حکومت کے نذر کرتا ہے، اور باقی خود لے لیتا ہے۔ الغرض خلیفہ نے اس غلام کو بڑی ستان و شوکت سے حلب بھیجا اور اس کو بارگاہِ ذخیمہ وغیرہ (جو لوازمہ ملوک سے ہے) مرحمت فرمایا، چنانچہ یہ غلام حلب پہنچ کر معرکہ آرا ہوا اور مارا گیا۔ یہ غلام اس قدر دولت مند تھا کہ دو مہینے تک آہستہ آہستہ اس کا خزانہ منتقل ہو کر خزانہ شاہی میں آتا رہا، اور اس کے حرم سرا میں تین سو کنیزی تھیں، جن میں اکثر حسینہ جمیلہ تھیں۔ اور بعض ان میں سے محمد الدولہ کے شہستان عیش کے لیے مخصوص تھیں۔ خلیفہ نے ان کنیزوں کو مختار کر دیا تھا کہ جو چاہیں اپنا نکاح کر لیں، چنانچہ جن خاص کنیزوں نے نکاح منظور نہیں کیا، ان کو مع ان کے مال و اسباب کے آزاد کر دیا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں۔ اور ان میں سے کسی کی نسبت نہ کوئی خاص حکم ہوا، نہ کسی قسم کا جبر کیا گیا۔ اس غلام کے قتل ہو جانے پر والی حلب ڈر گیا کہ اب خلیفہ اور فوجیں بھیجے گا، چنانچہ اس نے اپنے ہفت سالہ لڑکے اور بی بی کو تحف و ہدایا کے ساتھ دربار میں بھیج کر معذرت چاہی۔ یہ لوگ تقریباً دو مہینے تک شہر کے باہر پڑے رہے، نہ اندر آنے کی اجازت ہوئی، اور نہ ان کے تحائف قبول ہوئے، لیکن جب شہر کے قضاة اور آئمہ سفارش لے کر دربار میں پہنچے، تب ان کا ہدیہ قبول ہوا، اور خلعت سے سرفراز ہو کر نصرت ہوئے

مصر میں باغ لگانے کا قاعدہ | مصر میں یہ عجیب بات ہے کہ جس فصل میں کوئی باغ لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔ کیونکہ جس قسم کے درخت مطلوب ہوں ہر وقت (ذخیرہ سے) مل سکتے ہیں، اور شائق لگا سکتا ہے، خواہ پھل ولے ہوں یا بغیر پھل کے ہوں۔ اور

اس کام کے لیے دلال مقرر ہیں جو فوراً فرمائش کی تعمیل کرتے ہیں، ان ذخائر کی یہ حالت ہے کہ درختوں کو گلوں میں لگا کر چھتوں پر رکھتے ہیں، اور اکثر مکانات کی چھتیں باغ ہوتی ہیں اور درخت اکثر نمدار ہوتے ہیں۔ مثلاً نارنگی، چکوترا، انار، سیب، بہی، اور پھولوں میں گلاب اور نازبو وغیرہ۔ اگر کوئی خریدار ہو تو مزدوران گلوں کو لکڑیوں میں باندھ کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اگرچہ ہو تو ان گلوں کو تین میں دبا دو اور جب چاہو زمین سے نکال لو۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے، اور درختوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ طریقہ مصر کے سوا تمام دنیا میں نہ میں نے دیکھا اور نہ کسی سے سنا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ یہ ایک لطیف طرزِ عمل ہے۔ اب میں واپسی وطن کا تذکرہ براہ مکہ معظمہ (خدا اس کو آفات سے محفوظ رکھے) کروں گا، اور مصر سے شروع کرتا ہوں۔

ناصر خسرو کی قاہرہ سے
(۱۲ ذی الحجہ ۱۱۸۵ھ)
روانگی براہ صعیب الاعلیٰ

میں نے قاہرہ میں عید کی نماز پڑھی اور سہ شنبہ کو بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ ۱۱۸۵ھ (اپریل ۱۱۸۵ء) جہاز میں سوار ہو کر براہ صعیب الاعلیٰ روانہ ہو گیا۔

ملک مصر کا یہ جنوبی حصہ ہے اور اسی حصہ ملک سے مصر میں دریائے نیل کا پانی آتا ہے۔ اور یہ بھی (صعیب الاعلیٰ) گویا مصر کا ایک صوبہ ہے، اور بیشتر مصر کی سرسبزگی کا باعث یہی حصہ ہے۔ اس میں نیل کے کنارے کنارے دونوں جانب بکثرت شہر اور قریہ آباد ہیں۔ جس کی تشریح موجب طوالت ہے۔ قاہرہ سے چل کر اب میں اس شہر میں پہنچ گیا جس کو اسیموط کہتے ہیں، یہاں ایون پیدا ہوتی ہے، یہ خشکاش ہے کہ جس کا بیج سیاہ ہوتا ہے، جب درخت بڑھ جاتا ہے اور اس میں بونہی بندھ جاتی ہے تو نشتر دیتے ہیں، اس سے ایک قسم کا لعاب (لبیدار شیرہ) نکلتا ہے، جسے بحفاظت جمع کرتے ہیں، اور اسی کا نام ایون ہے خشکاش کا دانہ مثل زیرہ کے بہت ہی چھوٹا

ہوتا ہے۔

۱۸۱ | اسیوط
اسیوط میں بکریوں کی بالوں کی پگڑیاں بنتی ہیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی۔ عجم میں جو باریک قسم کا صوف جاتا ہے، اور جسے مصری کہتے ہیں وہ سب صعبہ الاعلیٰ کا ہوتا ہے، کیونکہ مصر میں صوف نہیں بنا جاتا ہے؛ میں نے اسیوط میں ایک پھکا دیکھا جس کی نظیر نہ لہا اور (لاہور) میں دیکھی نہ ملتان میں۔ اور ظاہری شکل و صورت میں مثل رشیم کے معلوم ہوتا تھا۔

۱۸۲ | قوص
اسیوط سے میں شہر قوص میں داخل ہوا، یہاں پتھر کی ایسی بڑی عمارتیں دیکھیں کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص تعجب کرتا ہے۔ یہ ایک پرانا شہر ہے جس کی فصیل پتھر کی تھی اور اس کی تمام عمارتیں بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھیں، جن میں بعض پتھر وزن میں ساٹھ سو پچاس اور ایک ہزار ایک سو پچیس من ہوں گے، اور تعجب یہ ہے کہ دس پندرہ فرسنگ تک اطراف قوص میں نہ کوئی پہاڑ ہے اور نہ پتھر ہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لائے گئے ہیں۔

۱۸۳ | خمیہ رشیم | قوص سے چل کر خمیہ میں آیا۔ یہ بہت آبا د شہر ہے۔ اور بڑی مردم شماری ہے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ ہے، کھجوروں کے درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ یہاں بیس روز بھیرا رہا، کیونکہ یہاں سے دورا سے جاتے تھے، ایک صحرائی راستہ تھا جس میں پانی نہ تھا۔ اور دوسرا دریائی راستہ تھا۔ میں متردد تھا کہ کس راستہ سے سفر کروں۔ آخر کار دریا کے راستہ سے روانہ ہوا

۱۸۴ | اسوان
اور شہر اسوان میں پہنچا۔ اس شہر کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، جس کے دہانے سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ کشتی یہاں سے بلندی پر نہیں جاسکتی ہے کیونکہ نیل تنگ راستوں اور پہاڑی چٹانوں

سے نکلتا ہوا نیچے کی طرف آتا ہے۔

اسوان سے ولایت نوبیا کا راستہ ہے، نوبیا کے تمام باشندے عیسائی ہیں اور نوبیا کا بادشاہ سلطان کو ہمیشہ تحائف بھیجتا رہتا ہے۔

اور معاہدہ یہ ہے کہ نوبیا والوں پر فوج کشی نہ ہو، اور وہ نقصان سے محفوظ رہیں۔ شہر اسوان بہت مستحکم ہے تاکہ نوبیا سے اس پر فوج کشی نہ ہو سکے۔ چنانچہ شہر اور ملک کی حفاظت کے لیے یہاں ہمیشہ فوج رہتی ہے۔

شہر کے سامنے (مابین اسوان و قاہرہ) ایک جزیرہ ہے جو باغ کے مانند ہے۔ اس میں کھجور کے باغات اور زیتون وغیرہ کے درخت ہیں، اور

کاشت بہت ہوتی ہے۔ رہٹ سے آبپاشی کرتے ہیں، درختوں کی بھی افراط ہے۔ یہاں اکیس دن قیام رہا کیونکہ بحر قلزم تک دونوں فرسنگ کا ایک جگہ سامنے تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ حجاج (ادنٹوں پر سوار ہو کر) واپس آ رہے تھے۔ چنانچہ میں بھی اس انتظار میں ٹھیرا ہوا تھا کہ ادنٹ آجائیں تو کرایہ کر کے روانہ ہو جاؤں۔

قیام اسوان کے زمانہ میں میری ملاقات ایک شخص سے ہو گئی، جس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن فلج تھا۔ یہ پارسا اور نیک بخت آدمی تھا، اور کسی قدر منطق جانتا تھا، اس شخص نے اونٹوں کے کرایہ کرنے اور ہم سفر تلاش کرنے میں میری

مدد کی۔ چنانچہ ایک ادنٹ ڈیڑھ دینار پر کرایہ کیا۔ اور پانچویں ریح الاول ۴۲۲ھ (جولائی ۱۰۳۱ء) کو میں اسوان سے روانہ ہو گیا۔ اب میں مشرق و جنوب کی طرف سفر کر رہا تھا،

جب آٹھ فرسنگ طے ہو گئے تو ایک منزل آگئی جس کا نام ضیقہ تھا۔

جگہ کی جانب دراصل یہ ایک درہ تھا جس کے دونوں طرف قدرت

نے پہاڑ کی دو دیواریں کھینچ دی تھیں، اور دیواروں کے اندر تنو یا تھکے کا چوڑا میدان
 تھا، اور اس میدان میں ایک کنواں کھودا ہے جس میں پانی کی افراط ہو لیکن بد مزہ۔
 اس منزل سے چل کر پانچ دن تک برابر جنگل میں چلنا پڑتا ہے جس میں پانی میسر
 نہیں آتا ہے لہذا ہر شخص نے پانی کی ایک مشک بھر کر رکھ لی تھی، آگے چل کر
 ایک دوسری منزل پر پہنچے جس کو **حوش** کہتے ہیں۔

حوش | یہ ایک پہاڑ ہے جس میں پانی کے دو جھرنے ہیں، اور ایک
 گڈھے میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے، یہ میٹھا پانی تھا اور جھرنے
 اس قدر چوڑا ہے جس کے اندر آدمی جا کر اونٹ کے لیے پانی بھر لاتے ہیں۔
 سات دن ہو گئے تھے کہ اونٹوں کو پانی اور چارہ نہیں ملا تھا، کیونکہ اس
 راستہ میں دراصل کچھ نہ تھا۔ دن رات میں صرف ایک بار یعنی دھوپ تیز
 ہونے سے ظہر تک ٹھہر جاتے تھے اور باقی وقت چلنے میں گزارتا تھا۔ یہ
 پڑاؤ جن پر قیام ہوتا تھا، سب کو معلوم تھے، کیونکہ ایسی جگہ نہیں ٹھہرتے تھے
 جہاں آگ جلانے کو (کڑی وغیرہ) کچھ نہ مل سکے۔ البتہ جہاں اونٹ کی ٹینگیاں
 ملتی تھیں وہاں اتر کر کچھ پکا لیتے تھے، اونٹ بھی ان منزلوں سے واقف تھے
 اور سمجھتے تھے کہ اگر چلنے میں ذرا بھی کاہلی کی گئی تو پیاس کے مارے مر جائیں گے۔
 اور بغیر مہکائے جنگل میں منہ اٹھائے بھاگے چلے جاتے تھے، حالانکہ سڑک
 اور گیڈنڈی کا نشان تک نہ تھا، مگر پورپ کی طرف خود ہی چلے جاتے تھے۔
 کسی جگہ پندرہ فرسنگ پر بھٹوڑا کھاری پانی مل جاتا تھا، اور کبھی تیس چالیس
 فرسنگ تک پانی نہیں ملتا تھا۔

عیداب | اسیوں ربیع اول ۱۲۲۲ھ کو شہر عیداب میں پہنچے۔ اسوان
 سے عیداب تک پندرہ دن میں آئے، اور تقریباً دو سو فرسنگ

راستہ طے کیا (چالیں میں روزانہ) شہر عیذاب دریا کے کنارے واقع ہے، جمعہ مسجد بھی ہے۔ پاشو کی مردم شماری ہے، اور خلیفہ مصر کا مقبوضہ ہے۔ مجلس، زنجبار اور یمن سے چوکشتیاں آتی ہیں، ان کا محصول عیذاب میں وصول کیا جاتا ہے۔ اور یہاں سے اونٹوں پر مال لا کر شہر اسوان تک اسی جنگل کے راستے سے لے جاتے ہیں جس طرف سے کہ ہم لوگ آئے ہیں۔ اور پھر اسوان سے کشتیوں کے ذریعے سے (براہ نیل) مال جاتا ہے۔

قوم بجاہان | شہر عیذاب کے دائیں ہاتھ پر جب قبیلہ روکھڑے ہوں، تو سامنے ایک پہاڑ نظر آتا ہے، جس کی پشت پر ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جہاں گھاس بافراط ہے۔ اور ایک بڑی قوم آباد ہے، جس کو بجاہان کہتے ہیں۔ یہ لامذہب ہیں، کسی پیغمبر و پیشوا پر ایمان نہیں لاتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ آباد شہروں سے منزلوں دور رہتے ہیں۔ ان کے مقبوضہ جنگل کا طول ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ، اور عرض تین سو فرسنگ ہوگا۔ اور اس بعد مسافت میں صرف دو چھوٹے شہر آباد ہیں، جن میں سے ایک کا نام بحر النعام اور دوسرے کا عیذاب ہے۔

علاقہ مصر و نوبیا | طول میں یہ جنگل مصر سے حبشہ تک یعنی شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے۔ اور عرض میں ولایت نوبیا سے بحر قلزم تک یعنی مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ جنگل تمام دریاں کا کمال قوم بجاہان سے آباد ہے، یہ لوگ حظّہ بُرے نہیں ہیں، چوری و ڈکیتی بھی نہیں کرتے ہیں، اپنے مویشیوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔ مسلمان وغیرہ ان کے بچوں کو چڑا لے جاتے ہیں اور اسلامی شہروں میں لے جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔

بحر قلزم | دریائے قلزم۔ ایک خلیج ہے جو بحر محیط سے پھٹ کر بطور ایک شاخ

کے عدن تک چلی گئی ہو۔ اور جانب شمال شہر قلزم تک آئی ہو۔ بحر قلزم کے کنارے جو شہر آباد ہیں انھیں کے نام سے وہ پکارے جاتے ہیں مثلاً کہیں بحر قلزم کہیں بحر عیذاب اور کسی جگہ بحر النعام۔ بحر قلزم میں تین سو سے زیادہ جزیرے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان جزائر سے کشتیاں آتی ہیں جس میں روغن اور بنیر ہوتا ہو۔ کیونکہ اس علاقہ میں گائے، بکریاں بکثرت ہیں، کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ کوئی (سلاً) مصری ہو کوئی یمنی۔

شہر عیذاب میں کنوئیں اور چشمہ کا پانی نہیں ہے، بلکہ صرف آب باراں پر گزار ہے۔ اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی ہے تو یہی (بجاولان) پانی لا کر فروخت کرتے ہیں، میں تین مہینے تک یہاں رہا، ایک مشک پانی کبھی ایک درہم کو اور کبھی دو درہم کو خرید کیا کرتا تھا۔ اور روانگی کشتی کے انتظار میں یہاں ٹھیرا ہوا تھا۔ کیونکہ شمالی ہوا چل رہی تھی اور مجھ کو جنوبی ہوا کی ضرورت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے دیکھتے ہی مجھ سے درخواست کی کہ آپ ہماری خطابت (نماز پڑھانا) کریں میں نے بھی اس میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا، اور جتنے دن تک عیذاب میں رہا نماز پڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ روانگی کشتی کا زمانہ آگیا۔ اور کشتیاں شمال کو روانہ ہو گئیں۔ عیذاب سے چل کر میں جدہ میں داخل ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جیسا اصیل اونٹ یہاں کے جنگل میں پیدا ہوتا ہے، ویسا کہیں اور نہیں ہوتا۔ اور اسی نولح سے مصرود حجاز کو اونٹ لے جاتے ہیں۔

عیذاب کے ایک شخص نے (جس پر مجھے اعتبار ہے) ^{۱۵۵} ماہی قرش کا بیان بیان کیا کہ ایک مرتبہ یہاں سے جہاز حجاز کو جا رہا تھا، جس پر اونٹوں کا ایک گلہ امیر منجہ کے لیے بھیجا گیا تھا، اور میں بھی اسی پر سوار تھا کہ ایک اونٹ مر گیا، خلاصیوں نے اس کو بحر قلزم میں پھینک دیا کہ

مٹا ایک مچھلی پورا اونٹ نکل گئی۔ البتہ ایک پاؤں کا کچھ حصہ مچھلی کے منہ سے باہر نکلا ہوا تھا کہ دوسری مچھلی آئی اور اس نے اس مچھلی کو بجنہ نکل لیا اور کسی قسم کا اثر اس مچھلی پر نمایاں نہ ہوا۔ اس مچھلی کا نام قرش تھا۔ اسی شہر میں میں نے مچھلی کا ایک خول دیکھا، جس کو خراسان میں شفق کہتے ہیں۔ اور میں خراسان میں گمان کیا کرتا تھا کہ یہ ایک قسم کی سوسمار دگوہ ہے، یہاں آکر دیکھا تو وہ مچھلی تھی اور اس میں مچھلی کے پر موجود تھے۔

جس زمانہ میں کہ میرا قیام اسوان میں تھا، میرا ایک دوست تھا ابو عبد اللہ

ناصر خسرو کا ایک فیاض دوست

محمد بن فلیج (جس کا اول تذکرہ ہو چکا ہے) چنانچہ جب میں عیذاب کو آنے لگا تو عبد اللہ نے بنظر محبت اپنے وکیل کے نام، جو عیذاب میں رہتا تھا ایک خط لکھ دیا تھا کہ ”ناصر جو مانگے اس کو دے کر رسید لیتے رہو، حساب میں مقرر کر دیا جائے گا۔“ عیذاب میں تین مہینے میرا قیام رہا اور جو کچھ تھا وہ خرچ ہو گیا تھا، اس ضرورت سے وہ خط میں نے وکیل مذکور کو دے دیا، اس نے فیاضانہ طریقہ سے کہا کہ خدا کی قسم میرے پاس ابو عبد اللہ کی بہت سی چیزیں ہیں، جو مطلوب ہو وہ پیش کروں آپ مجھے وہ خط دکھائیں، مجھے محمد فلیج کے حسن سلوک سے بہت تعجب ہوا کہ بغیر ملاقات سابقہ میرے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا، اگر میں چالاک ہوتا اور جائز رکھتا تو اس خط کے ذریعہ سے ایک بڑی رقم وصول کر لیتا۔ الغرض میں نے وکیل مذکور سے تین من اور تین سیر آٹا لے لیا، اور یہ مقدار یہاں ایک بڑی چیز سمجھی جاتی ہے، اور میں نے اس کی ایک رسید لکھ کر دے دی۔ اور وکیل نے میری رسید اسوان بھیج دی۔ چنانچہ میری روانگی سے پہلے محمد فلیج کا جواب آ گیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ ”میری ملک سے جو کچھ ناصر طلب کرے

وہ اس کو دے دو، اور اگر تم اپنے پاس سے دو گے تو میں اس کا بھی معاوضہ کر دوں گا،“
 امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ المؤمن لا یکون
 محتشماً ولا معتقماً (مومن نہ شاندار بنتا ہے نہ مال غنیمت جمع کرتا ہے) یہ تذکرہ
 میں نے اس لیے لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین سمجھیں کہ لوگ ایک دوسرے کا اعتبار
 کرتے ہیں اور فیاضی ہر جگہ ہے۔ اور فیاض لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

(۹) بندرگاہ جدہ | جدہ بڑا شہر ہے اور اس کی تفصیل مضبوط ہے، اور بحر قلزم
 کے کنارہ (شمالی جانب) آباد ہے، پانچ ہزار کی مردم

شماری ہے۔ بازار خوبصورت ہیں، اور جامع مسجد کا قبلہ مشرق کی طرف ہے۔ شہر
 کے باہر کسی قسم کی عمارت نہیں ہے، صرف ایک مسجد ہے، جو مسجد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔ شہر میں دو دروازے ہیں، ایک جانب مشرق
 جو شہر مکہ کے رخ پر ہے، اور دوسرا جانب مغرب جو بحر قلزم کی طرف ہے۔ اگر
 جدہ سے سمندر کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھیں تو یمن کے شہر صنعہ
 میں پہنچ جائیں، جس کا فاصلہ پچاس فرسنگ ہے اور اگر جانب شمال سفر کریں تو جابا
 میں داخل ہوں، جو ملک حجاز کا شہر ہے۔ شہر جدہ میں نہ درخت ہیں نہ کھیتی ہوتی
 ہے، ضرورت کی تمام چیزیں دیہات سے آتی ہیں، جدہ سے مکہ معظمہ بارہ فرسنگ
 ہے۔ امیر جدہ والی مکہ کا غلام تھا، جس کو تاج المعانی بن ابی الفنوح کہتے تھے
 اور مدینہ طیبہ بھی والی مذکور کی حکومت میں تھا۔

میں امیر جدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بنظر شفقت، امیر جدہ نے
 واجب الادا محصول مجھ سے نہیں لیا اور معاف کر دیا، جس وقت میں دروازہ مشرق
 سے نکلا ہوں اس وقت امیر مذکور نے مکہ معظمہ میں یہ اطلاع کر دی تھی کہ یہ شخص
 ایک فقیر ہے، اور اس سے کسی قسم کا محصول نہ لیا جائے۔

جمعہ کے دن نماز ظہر کے وقت میں جدہ سے (براہِ سلم دروازہ) روانہ ہو کر یکشنبہ کے دن
 اخیر تاریخ جمادی الآخر کو مکہ معظمہ میں پہنچ گیا، نوح حجاز زمین کے حاجی عمرہ کے لیے
 شروع رجب میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بڑے چل پہل کا زمانہ ہوتا ہے، اور
 اسی دھوم دھام سے عید ہوتی ہے۔ چونکہ ان حجاج کا راستہ قریب کا ہے اور کسی
 قسم کی دشواری نہیں ہے لہذا حج کے زمانہ میں آتے ہیں اور سال میں تین مرتبہ
 آیا کرتے ہیں۔

(صفت شہر مکہ معظمہ^{۱۸۷})

ناصر خسرو کا چوتھا حج مکہ معظمہ کا جغرافیہ اور ارکان حج کا بیان

شہر مکہ پہاڑوں کے مابین آباد ہے اور بلند ہے اور شہر
 کے کسی جانب جائیں، جب تک داخل مکہ نہ ہوں
 سوا شہر نظر نہیں آتا ہے اور سب سے اونچا پہاڑ
 مکہ کے متصل کوہ ابو قیس^{۱۸۸} ہے۔ پہاڑ گنبد کی طرح
 گول ہے، اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر تیر بھیکیں تو چوٹی پر پہنچتا ہے اور ابو قیس شہر
 کے مشرق میں ہے۔ چنانچہ دمی (جنوری) کے مہینہ میں جب مسجد الحرام میں کھڑے
 ہوں تو آفتاب اس پہاڑ کی چوٹی سے نکلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے اوپر ایک
 پتھر کا ستون قائم ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نصب
 کردہ ہے۔ پہاڑ کے درمیان جو کھلا ہوا میدان ہے وہی شہر مکہ ہے جس کی وسعت
 دو تیروں کی رفتار سے زیادہ نہ ہوگی۔ مسجد الحرام اس کھلے ہوئے حصہ کے
 اندر ہے اور مسجد کے چاروں طرف شہر آباد ہے، جس میں گلیاں اور بازار ہیں۔

لہ مصنف نزہت القلوب نے شہر مکہ کا دور دو ہزار قدم سے زیادہ دکھایا ہے۔ جس کو ناصر خسرو نے

جہاں کہیں پہاڑ میں درہ آگیا ہو اس کو فصیل کی دیوار بنالیا ہو اور دروازہ لگا دیا ہو۔ شہر میں کہیں درخت کا پتہ نہیں ہو، البتہ جانب مغرب دروازہ مسجد الحرام پر جس کو باب ابراہیم کہتے ہیں، کنویں کے اوپر چند بلند اور پرنے درخت موجود ہیں۔

مسجد الحرام سے جانب مشرق ایک بڑا بازار ہو جو جنوب سے ^{۱۸۹۷} کوہ صفا شمال کی طرف چلا گیا ہو، اور بازار کے سرے پر جنوب کی طرف کوہ ابوقیس ہو، اور اس کے دامن میں کوہ صفا ہو جس کی شان یہ ہو کہ دامن کوہ کو سیڑھیوں کی طرح بلند کیا ہو اور اس میں پتھر اس ترتیب سے نصب کیے گئے ہیں کہ اس پر لوگ چڑھ جاتے ہیں، اور وہاں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں اور اسی کا نام ہو صفا مردہ پر سعی کرنا۔

بازار کے آخر میں شمال کی طرف کوہ مروہ ہو۔ یہ پہاڑ کسی قد ^{۱۹۰۷} کوہ مروہ اونچا ہو، جس پر لوگوں نے بکثرت مکانات بنائے ہیں اور یہ وسط شہر ہو۔ اور اسی بازار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک حاجی دوڑتے ہیں۔ جو حاجی دور سے عمرہ کے لیے آتے ہیں، وہ مکہ سے نصف فرسنگ پر جاتے ہیں جہاں نشانات میں ٹھایم ہیں اور مسجدیں بھی ہیں وہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں۔

احرام کے یہ معنی ہیں کہ سلعے ہوئے کپڑے جسم سے اتار کر ^{احرام عمرہ اور حج} ایک تہم باندھتے ہیں اور دوسرا تہم یا چادر اوپر سے اوڑھ لیتے ہیں۔ اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ (ای خدا میں تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں) اور میقات سے مکہ کی طرف آتے ہیں۔ اور جو شخص مکہ میں موجود ہو اور عمرہ کرنا چاہے وہ میل مقررہ تک جاتا ہو

اور وہاں سے احرام باندھتا ہے اور لبیک کے نعرے لگاتا ہے، اور مکہ میں عمرہ کی نیت سے داخل ہوتا ہے۔ اور جب شہر میں آتا ہے تو اول مسجد الحرام میں جاتا ہے، اور خانہ کعبہ کے قریب جا کر داہنے ہاتھ کو گھوم جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کعبہ کے بائیں ہاتھ پر ہوتا ہے اور اس رکن میں داخل ہوتا ہے جہاں حجر اسود نصب ہے (یعنی رکن عواتی) پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر آگے بڑھ جاتا ہے، اسی طرح واپس آتا ہے اور حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے، اب ایک طواف ختم ہوا۔ چنانچہ اسی طرح سات طواف کیے جاتے ہیں۔ اول تین مرتبہ تیزی سے، اور دوسری چار مرتبہ آہستہ سے دوڑنا چاہیے۔ اور ختم طواف کے بعد مقام ابراہیم (جو خانہ کعبہ کے برابر ہے) میں حاضر ہو کر اس کے پیچھے کھڑا ہو، اس طرح پر کہ مقام ابراہیم اب زائر اور کعبہ کے درمیان میں ہو، پھر دو رکعت نماز پڑھے، جس کو نماز طواف کہتے ہیں۔ پھر چاہ زم زم پر جا کر پانی پیے، یا چہرہ پر ملے۔ اور مسجد الحرام سے براہ باب الصفا نکل جائے، اور باب الصفا مسجد الحرام کے اس دروازہ کا نام ہے، جس سے نکلے ہی کوہ صفا سامنے آجاتا ہے۔ پھر حاجی کوہ صفا کی سیڑھیوں پر چڑھ جاتا ہے، اور رو بہ قبلہ ہو کر دعا پڑھے۔ اور دعا مقررہ ہو اور دعا کے بعد نیچے اتر آئے، اور بازار میں ہو کر مردہ کی طرف چلا جائے، یعنی اب جنوب سے شمال کی طرف پھر جائے۔ اس بازار سے گزرتے وقت مسجد الحرام کے سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ بازار ہے کہ جس میں خود رسول اللہ نے سعی کی ہے اور دوسروں کو سعی کی ہدایت فرمائی ہے، یہ صرف پچاس قدم ہیں۔

اس مقام کے دونوں طرف چار مینار ہیں، کوہ صفا کی جانب سے لوگ دو میناروں کے اندر دوڑتے ہوئے آتے ہیں، اور بازار کی طرف جہاں دوسرے دو مینار ہیں، درمیان سے دوڑتے ہوئے گزر جاتے ہیں، پھر کوہ مروہ

تک آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور سیڑھیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور مقررہ دعا پڑھ کر واپس آتے ہیں۔ اور دوسری بار پھر اس بازار میں آتے ہیں، چنانچہ چار مرتبہ صفا سے مروہ پر اور تین بار مروہ سے صفا پر جاتے ہیں۔ اس طرح بازار سے سات مرتبہ گزرتے ہیں، جب مروہ سے نیچے اترتے ہیں تو وہاں ایک بازار ہو اور سامنے ہی بیل ڈکانیں ہیں جہاں بیٹھ کر حجام سر کے بال کاٹتے ہیں۔ جب عمرہ ختم ہو جاتا ہے اور حرم سے باہر آتے ہیں تو اس بڑے بازار میں جو جانب مشرق ہو داخل ہوتے ہیں، اس کا نام سوق الطارین ہے۔

اس بازار کی عمارتیں خوبصورت ہیں، جس میں عطاروں ہی کی دکانیں ہیں۔ مکہ میں دو گرم حمام ہیں، جن کے فرش سنگ سبز کے ہیں، ان پتھروں کی سنگ بنائی جاتی ہے (سنگ فسان جس پر چاقو وغیرہ تیز کرتے ہیں) میرا قیاس ہے کہ مکہ معظمہ کے اندر شہری باشندے دو ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، اور تقریباً پانسو مسافر اور مجاور ہوں گے۔

یہ قحط کا زمانہ تھا، اور ایک دینار مغربی میں چوبیس سیر گیہوں فروخت ہوتا تھا۔ بہت آدمی یہاں سے چلے گئے تھے۔ شہر مکہ میں بلاد خراسان، ماورالنہر اور عراق وغیرہ کے لوگوں کے مکانات (رباط) موجود ہیں۔ لیکن اکثر شکستہ اور ویران تھے۔ خلفائے عباسیہ نے بکثرت خوبصورت عمارتیں بنائی ہیں لیکن اب ان میں سے بعض ویران ہو گئی ہیں اور بعض کی دیگر سلاطین نے مرمت کرادی ہے۔ مکہ معظمہ کے تمام چاہات کا پانی کھاری ہے، جس کو کوئی شخص پی نہیں سکتا ہے۔ البتہ بہت سے حوض اور پختہ تالاب موجود ہیں، جو دس ہزار دینار کی لاگت سے بنے ہوں گے۔ اور جب برسات کا پانی پہاڑی دروں سے بہ کر آتا ہے تو یہ بھر لیتے جاتے ہیں۔ میرے قیام کے زمانہ میں یہ سب حوض و تالاب

خالی پڑے ہوئے تھے۔

ایک امیر عدن مسی ابن شادول نے مکہ معظمہ میں ایک زمین دو زہر کارین تعمیر کی تھی، جس پر کثیر دولت صرف ہوئی تھی۔ عرفات میں اس نہر کے کنارہ کاشت ہوتی ہے اور اس جگہ نہر کو روک کر بند بنا لیا ہے جس پر خرزہ کے کھیت ہیں۔ بدیں وجہ مکہ معظمہ میں کمی پانی کی شکایت ہے۔ اور اس جگہ عوض بنے ہوئے ہیں، جس میں کاریز سے آکر پانی جمع ہوتا ہے، اور پھر اس میں سے بھشتی پانی بھرا کرتے ہیں۔ اور شہر میں لاکر فروخت کرتے ہیں۔ نصف فرسنگ چل کر راستہ میں ایک کنواں آتا ہے، جس کو پیر الزامد کہتے ہیں، اس کا پانی میٹھا ہے، اس جگہ خوبصورت مسجد بھی ہے۔ اس کنویں سے بھی بھشتی پانی لاکر شہر میں فروخت کیا کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ کی ہوا بہت گرم ہے، اور میں نے اخیر بہن (فروری) میں تروتازہ لگڑیاں، کھیرے اور بیگن دیکھے تھے۔

مکہ معظمہ میں اب چوتھی مرتبہ میرا آنا ہوا ہے، اور اس مرتبہ غرہ رجب ۱۲۲۲ھ سے بین ذی الحجہ تک قیام رہا۔ پندرہ فروردین (اپریل) کو بازار میں انگوڑا گئے تھے، جو دیہات سے شہر میں لاکر لوگ فروخت کر رہے تھے، اور اروی بہشت (مئی) کے شروع میں خرزہ بافراط آگیا تھا۔ اور نیز جاڑے میں تمام میوے ملتے ہیں، کبھی بازار خالی نہیں رہتا ہے۔

۱۔ ملک عرب اور ارضِ مین کا بیان

حجاز اور مین کا جغرافیہ | مکہ معظمہ سے جب جنوب کی طرف سفر کریں تو ایک
 صحیح دیگر حالات | منزل کے بعد صوبہ مین میں پہنچ جاتے ہیں اور بحر فلزم

کے کنارے کنارے کل یمن کا ملک ہے۔ یمن اور حجاز کی سرحد ملی ہوتی ہے اور ان دونوں ملکوں کی زبان عربی ہے۔ جغرافیہ کی اصطلاح میں، ارض یمن کو حمیر اور حجاز کو عرب کہتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے تین طرف سمندر ہے اور یہ علاقہ مثل جزیرہ کے ہے، کیونکہ مشرق کی طرف دریائے بصرہ (شط العرب) اور مغرب میں بحر قلزم ہے، کیونکہ ہوا چمکتا ہے کہ بحر قلزم ایک خلیج ہے اور جنوب میں بحر حیط ہے۔

اس جزیرہ (یمن و حجاز) کا طول کوفہ سے عدن تک شمالاً و جنوباً پانستو فرسنگ ہے۔ اور عرض عمان سے جار تک شرقاً و غرباً چار سو فرسنگ۔ حجاز کا ملک (عربستان) کوفہ سے مکہ معظمہ تک ہے، اور زمین حمیر (یمن) مکہ معظمہ سے عدن تک ہے۔

عرب میں آبادی کم ہے۔ باشندے خانہ بدوش اور صحرائی ہیں، ان کا اثاثہ البیت مویشی، بار برداری کے جانور اور خیمے ڈیرے ہیں۔

ارض حمیر تین حصوں پر منقسم ہے، ایک حصہ کا نام تہامہ ہے۔ یہ حصہ دراصل بحر قلزم کا مغربی ساحل ہے، جس کے کنارہ بہت آباد شہر ہیں۔ مثلاً صعہہ ^{۱۹۲}، زمیید ^{۱۹۳}، اور صنعا وغیرہ۔ یہ شہر جنگل کے رُخ پر آباد ہیں، اس صوبہ کا فرماں روا ابن مشادول کا ایک حبشی غلام ہے۔ دوسرا حصہ یمن کا کوہستانی ہے جس کو نجد کہتے ہیں۔ یہ صحرائی علاقہ سردسیر ہے، جس میں تنگ درے اور مضبوط قلعے ہیں۔ تیسرا حصہ مشرق کی طرف سے شروع ہوتا ہے، جس میں بکثرت شہر آباد ہیں مثلاً بجران عشر، بیشہ وغیرہ۔ اس حصہ میں بکثرت ناصیبہ واقع ہیں اور ہر ناحیہ ایک جداگانہ ملک ہے، جس کا رئیس بھی الگ ہوتا ہے اور یہ کل ملک کسی ایک مطلق العنان فرمانروا کے زیر حکومت نہیں ہے۔ سب خود سر قبائل ہیں۔ اور اکثر چور، ڈاکو اور راہزن ہیں۔ یہ علاقہ پیمائش میں دو سو اور ایک سو پچاس (۱۵۰ × ۲۰۰) فرسنگ ہے۔

میں یوم عید الصلیب میں یہ جشن منایا جاتا تھا اور خلیفہ کی سواری میں نہیں
 تک جاتی تھی۔ ۲۰ گز طغیانی ہونے پر منادی لہیل تمام شہر میں گشت لگا کر بہ
 آواز بلند پکارتا تھا۔ "زاد اللہ الیوم کذا وکذا"۔ یعنی خدا نے آج روڈ نیل کو بچل
 اور گزوں کے حساب سے اس قدر بڑھایا ہے۔

قدیم مصر (قسطاط) میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو حصن بابل (قصر الشیح) | **۳۲ اجامع عمرو بن العاص**

کے قریب نیل کے شرقی کنارے پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور فتح سکندریہ کے بعد
 حضرت عمرو بن العاص نے ۳۳ھ میں اس کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔
 سمت قبلہ کی تعمیر میں اسی صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ مسجد کا طول
 ۵۰ گز اور عرض ۳۰ گز ہے۔ اور ۲۳۰ ستون ہیں جو کھنڈرات منف وغیرہ
 سے آئے تھے جو آیات قرآنی سنگ رخام پر نقش تھیں۔ قدیم طرز عمارت
 میں اب بہت فرق آگیا ہے۔ اس مسجد میں اب چھ دروازے ہیں۔
 ۱۰۰۰۰ دس ہزار نمازی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کا نقشہ
 مسجد الحرام مکہ کے مطابق ہے۔

اس خلیفہ عبد العزیز اموی نے اپنے زمانہ گورنری میں از سر نو توسیع کی تھی جس
 پر عہد ماموں الرشید میں عبد اللہ بن طاہر نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ ۵۶۴ھ میں
 آگ سے جل کر برباد ہو گئی جس کی سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ تعمیر کی۔
 یہ جزیرہ قسطاط کا گویا ایک محلہ ہے، جو مشہور | **۳۳ جزیرہ مصر یا ورضہ**

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لوگرہ یا صندوق فرعون کی بی بی
 کو ملا تھا۔

۱۶۵ قاہرہ | ملک مصر کا پائے تخت جو ۳۶۱ھ میں پورا تعمیر ہوا اور اب دُنیا کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۶۹ مائیس خلافت فاطمیہ و خلیفہ المعز لدین اللہ | خلفائے فاطمین مصر پہلا خلیفہ ۳۴۱ھ سے ۳۶۵ھ تک حکومت کی۔

۱۷۱ قصر الکبیر | جو ہرہرونی نے خلیفۃ المعز لدین اللہ کی سکونت کے لئے قاہرہ میں دو محل بنوائے تھے چنانچہ قصر الکبیر جس میں خلیفہ کی سکونت تھی، اُس میں ناصر خسرو کی صراحت کے مطابق دس دروازے تھے۔

سفرنامے میں بجائے باب قصر الشوک کے باب السریہ دسج ہجریہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ دس دروازے بیرونی کہلاتے تھے۔ اور سُرنگ کے راستے سے جانب شاہی خلیج (جس کا سالانہ جشن ہوتا تھا) جو اندرونی راستے تھے وہ جدا گانہ تھے علی پاشا مبارک نے جو مقریزی کا ذیل (المخطط الجدید) لکھا ہے۔ اس میں جانب قبلہ باب الدلیم، اور ”باب عربت زعفران“ کا اور اضافہ کیا ہے۔

۱۷۲ جامع ازہر | قاہرہ کی پہلی مسجد ہے، جو قاید عظیم ابو الحسن جوہرہرونی نے فتح قسطنطین کے بعد تعمیر کی تھی۔ اسکو ابتدا میں جامع قاہرہ کہتے تھے۔

اس مسجد کا سنگ بنیاد بہ تاریخ سلخ جمادی الاولیٰ یوم شنبہ ۳۵۹ھ کو رکھا گیا۔ تقادورہ رمضان المبارک ۳۶۱ھ میں تعمیر مکمل ہو گئی تھی۔ اس میں پہلی نمازیم جمعہ کو ادا ہوئی۔

۱۷۳ جشن وفارنیل | وفارنیل کے حالات ناصر خسرو نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ خلافت فاطمیہ

مردم شماری اچھی ہو اور ہر نوع کی مخلوق ہو۔

قصر غندان، یمن کے شہر صنعاء میں ہو۔ اس محل کا اب ایک حصہ
قصر غندان ۱۹۷۷ء

وسط شہر میں بطور ٹیلہ کے یادگار ہو۔ کہتے ہیں کہ اس محل کا
 مالک ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے بکثرت

خزانے ہیں، لیکن بادشاہ سے رعیت تک کوئی اس خزانہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے
عقیق صنعاء

شہر صنعاء میں عقیق نکالا جاتا ہے۔ یہ ایک پتھر ہے کہ جس کو پہاڑ سے
 تراشے ہیں اور ان سنگ ریزوں کو ایک گرم توے میں ریت
 ڈال کر جلا دیتے ہیں۔ اور پھر ریت میں ڈال کر کچھ مدت تک سورج کی روشنی
 میں رکھتے ہیں، پھر چرخ پر چڑھا کر اس کو سڈول کرتے ہیں۔ یمن نے مصر میں
 ایک تلوار دکھی ہے جو یمن سے سلطان کے لیے آئی تھی۔ اس کا قبضہ دوسٹہ مثل یا قوت
 کے سراپا عقیق سرخ کا تھا۔

۱۱۔ مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کا بیان

میں اور پر کہ چکا ہوں کہ خانہ کعبہ مسجد الحرام کے صحن میں ہے اور
مسجد الحرام ۱۹۷۷ء

مسجد الحرام شہر مکہ کے وسط میں۔ جس کا طول مشرق سے
 مغرب کو اور عرض شمال سے جنوب کی طرف ہے لیکن (بیرونی) دیوار مسجد زاویہ

قائمہ نہیں بناتی ہے اور ارکان (ستون) کی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ گولائی
 کی طرف مائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو ہر طرف سے

نمازیوں کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ باب ابراہیم علیہ السلام سے باب
 بنی ہاشم (موجودہ باب بنی شیبہ) تک مسجد کا طول بہت ہے جس کی پیمائش
 چار سو چوبیس ہاتھ (تقریباً ۲۳۶ گز) ہے۔ اور عرض باب الندوہ موجودہ

باب الزاویہ) سمت شمالی سے باب الصفا (سمت جنوبی) تک ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی تین سو چار ہاتھ (تقریباً ۹۰ گز) ہو۔ اور مدور ہونے کی وجہ سے مسجد الحرام کہیں بہت تنگ اور کسی جگہ بہت کشادہ نظر آتی ہو۔ اور مسجد کے چاروں طرف تہرے دالان ہیں، جن کی چھت پٹی ہوئی ہو اور جس کو سنگ خام کے ستون اٹھاتے ہوئے ہیں۔ اور وسط عمارت بطور چوڑے کے ہو۔ صحن مسجد (صدر عمارت) کی جانب طولاً پینتالیس محراب ہیں جن پر چھت قائم ہو اور عرض میں تیس محراب ہیں اور سنگ مرمر کے جملہ ستون ایک سو چار اسی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ستون خلفائے عباسیہ کے حکم سے بغداد سے براہ شام (فرات اور بحر الروم) سے گزر کر مکہ معظمہ میں آئے تھے۔ روایت ہو کہ جب یہ ستون مکہ میں پہنچ گئے تو وہ شکستہ رتیاں کہ جن سے کشتیاں اور چرخیاں بندھی ہوئی تھیں فروخت کر دی گئیں تو ساٹھ ہزار مغربی دینار وصول ہوئے۔

ان ستونوں میں سے ایک باب الندوہ میں نصب ہو جو سنگ سرخ کا ہے کہتے ہیں کہ اس ستون کے وزن کے مطابق دینار تول کر قیمت دی گئی تھی اور اس کا وزن تقریباً ایک سو بارہ من ہوگا۔

تفصیل البواب مسجد الحرام | مسجد الحرام میں اٹھارہ دروازے ہیں اور سب خرابی ہیں۔ جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ اور کسی محراب میں ایسا دروازہ نہیں لگایا ہو جس کو کھول سکیں۔ جانب مشرق چار دروازے ہیں، گوشہ شمالی سے (پہلا دروازہ) باب النبی ہو جو تین محراب پر قائم ہو۔ اور اسی دیوار کے گوشہ جنوبی میں ایک دروازہ ہو وہ بھی

۱۔ اس کل رقمہ میں اب بھی نماز ہوتی تھی۔ نام خرمنے پائش میں لفظ ارش استعمال کیا ہو جو گز کے معنی میں ہو موجودہ ارش کی مقدار دس گز ہے۔ جس کو عرب عرشون کہتے ہیں۔

باب النبی سے موسوم ہے۔ ان دونوں دروازوں کا درمیانی فاصلہ تو ہاتھ سے زیادہ ہے۔ اس دروازے میں دو محراب ہیں، جب اس دروازہ سے برآمد ہو تو سامنے عطاروں کا بازار ہے، جس کی ایک گلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دولتکدہ تھا۔ حضور اسی دروازہ سے نماز کے لیے مسجد الحرام میں تشریف لاتے تھے۔ اور اسی دروازہ سے نکل کر مشرقی دیوار کی جانب باب علی علیہ السلام ہے۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد میں ادائے نماز کے لیے آتے تھے۔ اس دروازہ کی تین محرابیں ہیں۔ جب اس دروازہ سے مسجد میں جاؤ تو مسجد کے گوشہ پر دوسرا مینارہ ہے جو تسمی کے راستہ پر پڑتا ہے۔ اس مینارہ سے جو باب بنی ہاشم میں ہے دوڑنا چاہیے۔ اور یہ مینارہ بھی منجملہ ان چار میناروں کے ہے (جس کا ذکر سنی صفا مردہ میں ہو چکا ہے) جنوبی دیوار میں (کہ جو دراصل مسجد کا طول ہے) سات دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ رکن کے قریب ہے جو نصف دائرہ کی صورت میں ہے، اس کو باب الدقائقین (باب بغلہ) کہتے ہیں۔ یہ دو محرابوں پر قائم ہے اور جب کسی قدر مغرب کی طرف چلیں تو ایک اور دروازہ دو محراب کا ملتا ہے جس کو باب الفسانین (باب پاشا) کہتے ہیں۔ ذرا اور آگے بڑھیں تو باب الصفا ملتا ہے۔ اس دروازہ کی پانچ محرابیں ہیں۔ اور ان میں وسطی محراب بہت بڑی ہے اور دو بغلی چھوٹی ہیں۔ اور رسول مقبول اس دروازہ سے ہو کر کوہ صفا کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں آپ نے دعا فرمائی ہے۔ اس وسطی محراب کی دہلیزیں ایک بہت ہی سفید تھپڑ لگا ہوا ہے، یہ پہلے سیاہ رنگ کا تھا، جس پر رسول نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا۔ اور اس تھپڑ میں قدم مبارک کا نقش بن گیا ہے، اور صرف نشان قدم کو سنگ سیاہ سے تراشیں کہ سنگ سفید میں وصل کر دیا ہے۔ چنانچہ پانوں کی انگلیوں کے پوریں مسجد کے اندر

واقع ہوئی ہیں۔ بعض حاجی اس نشان قدم کا بوسہ لیتے ہیں۔ اور بعض تبرکات اس پر پاؤں رکھتے ہیں، لیکن میں نے نقش قدم چومنے کو واجب سمجھا۔

باب الصفا سے جانب مغرب تھوڑی دور چل کر باب السطوی (باب الرحمة و باب الجیاد) ہے جو دو محراب پر قائم ہے۔ اور تھوڑے فاصلہ پر باب التمارین (باب تکبیر مصری) ہے دو محراب پر۔ اور اس دروازہ سے آگے دو محراب پر باب المعامل (باب حمیدیہ) ہے۔ اور اس کے قریب الوجهل کا مکان ہے۔ جہاں اس وقت پانخانہ ہے۔ اور مغربی دیوار میں جو دراصل مسجد کا عرض ہے، تین دروازے ہیں۔ چنانچہ پہلے جنوبی گوشہ میں باب عروہ (باب الوداع) ہے، جس میں دو محراب ہیں۔ اور اس ضلع کے وسط میں باب ابراہیم علیہ السلام ہے، جس میں تین محراب ہیں اور شمالی دیوار پر کہ جو مسجد کا طول ہے چار دروازے ہیں۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں باب الوسیط (باب العمرہ) ہے، جس میں صرف ایک محراب ہے۔ اس دروازہ سے آگے بڑھ کر مشرق جانب باب العجلہ (باب باسطیہ) ہے۔ یہ دروازہ بھی ایک محراب کا ہے۔ اس دروازہ کے آگے بڑھ کر ضلع شمالی وسط میں دو محراب پر باب الندوہ (باب الیادہ) قائم ہے۔ اور ذرا اس سے آگے ایک محراب پر بالمشاہدہ (باب قاضی) ہے۔ اور گوشہ مسجد الحرام پر پہنچ کر شمال و مشرق میں ایک دروازہ ہے جس کو باب بنی شیبہ کہتے ہیں۔

خانہ کعبہ صحن مسجد الحرام کے درمیان میں ہے، جس کی عمارت خانہ کعبہ | شکل یہ ہے کہ عمارت مربع طولانی ہے، جس کا طول شمال سے جنوب کی طرف ہے۔ اور عرض مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ چنانچہ طول تین ماٹھ اور عرض سو لہ ماٹھ ہے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ مشرق کی طرف

ہو جو نام تو سین کے اندر ہیں وہ موجودہ زمانہ کے نام ہیں اور قدیم جگہ پر قائم ہیں۔

ہی۔ خانہ کعبہ کے اندر جانے پر رکن عاتق دہستے ہاتھ پر پڑتا ہے۔ اور رکن حجر الاسود بائیں ہاتھ پر ہوتا ہے۔ اور رکن مغربی جنوبی کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ اور رکن شمالی غربی کا نام رکن شامی ہے۔

حجر اسود حجر الاسود گوشہ دیوار کے ایک بڑے پتھر میں نصب ہے۔ اور اس قدر بلند ہے کہ جب ایک قد آدمی اس کے سامنے کھڑا ہو تو سنگ اسود اس کے سینہ کے مقابل ہوگا۔ حجر اسود کا طول ایک ہاتھ چار انگل اور عرض آٹھ انگل ہے، اور شکل و صورت میں گول ہے۔ اور حجر اسود سے خانہ کعبہ کا دروازہ چار ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔

حجر اسود اور دروازہ خانہ کعبہ کے مابین جو جگہ ہے، اس کا نام ملتزم ہے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ زمین سے چار ہاتھ بلند ہے۔ چنانچہ پورے قد کا آدمی زمین پر کھڑا ہو کر چوکھٹ تک پہنچتا ہے۔ لکڑی کی سیڑھی بنی ہوئی ہے، اور ضرورت کے وقت لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر جاتے ہیں۔ یہ سیڑھی اس قدر چوڑی ہے کہ دس آدمی برابر چڑھ اتر سکتے ہیں۔ اور زمین خانہ کعبہ اسی مقدار سے بلند ہے۔ جو بیان کر دی گئی ہے۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کا بیان

خانہ کعبہ کا دروازہ ساج کی لکڑی کا ہے، جس کے دوپٹ ہیں۔ اور ساڑھے چھ ہاتھ بلند ہے، اور عرض ہر کواڑ کا پونے دو گز ہے۔ اس حساب سے دونوں پٹ پٹس گز کے ہیں۔ دروازوں اور اس کے روکار پر کتابی ہیں، اور چاندی پر بیل بوٹے بنا کر اس طرح نسبت کاری کی گئی ہے کہ اول چاندی کو حل کر کے زمین

لہ چاندی کے پتر سے ڈھکا ہوا ہے اور تقریباً نواغ کھلا ہوا ہے۔

بنای ہے، اور پھر اس پر طلائی حروف میں کتابت ہو، اور یہ آیت شریفِ اول سے آخر تک لکھی ہوئی ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بَكَّةَ الخ اور چاندی کے دو بڑے کڑے (جو غزنین سے آئے ہیں) ہر ایک پٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ (اور اس قدر اونچے ہیں) کہ کسی کا ہاتھ اس پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور اسی طرح چاندی کے دو چھوٹے کڑے اور ہیں، جو دونوں پٹوں پر لگے ہیں (اور یہ اس قدر نیچے ہیں) کہ وہاں تک ہر شخص کا ہاتھ پہنچ جاتا ہے۔ اور ایک بڑا قفل چاندی کا چھوٹے کڑوں میں لگا ہوا ہے، جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہے، اور جب تک یہ قفل نہ کھولیں دروازہ نہیں کھلتا ہے۔

خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ کا بیان

دیوار کی چوڑائی (آثار) چھوڑا بشت (ا پ گز) ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے جو بالکل سفید ہے۔ اور تین چھوٹے خلوت کدے ہیں جو مثل چوہ ترے کے ہیں، جن میں سے ایک دروازہ کے مقابل ہے اور دو جانب شمال ہیں۔ خانہ کعبہ میں اور نیز چھت کے نیچے جس قدر ستون ہیں وہ سب چو کور ترشے ہوئے چوب سماج کے ہیں صرف ایک ستون گول ہے اور جانب شمال سنگ سرخ کا ایک بڑا تختہ نصب ہے، جس کو فرش زمین سمجھنا چاہیے۔

روایت ہے کہ رسول مقبول نے اس پر نماز پڑھی ہے، اور جو شخص اس مقام کو پہنچتا ہے، وہ اس جگہ نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ خانہ کعبہ کی دیواروں پر نگین سنگ مرمر کے تختے نصب ہیں اور مغربی جانب چھو محرابیں ہیں، جن پر چاندی کے

سلاہ نرہمت القلوب میں خانہ کعبہ کی اندرونی مساحت چوالیس گز اور پشت کی جانب سے دیوار کا طول ستائیس گز لکھا ہے + سلاہ اندر زانیہ کے سوا اب کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔

پتھر کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان حراہوں کی اونچائی قد آدم ہو جن پر پُر تکلف سہرا (چاندی کی زمین پر) کام ہو، یہ حراہیں سطح زمین سے بہت بلند ہیں اور کعبہ کی دیوار سطح زمین سے چار ہاتھ اونچی ہو، اور سب سے بلند دیوار چھت تک سنگ مرمر کی ہو۔ جس میں نقاشی کی گئی ہو۔ اور چاروں دیواروں کا بڑا حصہ طلا کار ہو، جس کے اندر تین خلوت کدے ہیں (جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) چنانچہ ایک رکن عرآتی میں ہو اور ایک رکن شامی میں، اور ایک رکن یمانی میں، اور ہر گوشہ میں لکڑی کے دو تختے چاندی کی کیلوں سے دیواروں میں جڑے ہیں۔ یہ تختے نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہیں، ہر تختہ کا طول پانچ گز اور عرض ایک گز ہو۔ جو خلوت کدہ حجر اسود کے عقب میں واقع ہو اس میں دیبائے سرخ کا فرش ہو۔ جب خانہ کعبہ کے دروازہ سے باہر نکلیں تو داہنے ہاتھ پر ایک زاویہ میں چوڑی ہو، جو عرضاً و طولاً تین گز ہو۔ اور وہاں زمین ہو، جس پر سے خانہ کعبہ کی چھت کا راستہ ہو۔ یہاں ایک منزل پر نقری دروازہ قائم ہو اس کو باب الرحمة (باب التوبہ) کہتے ہیں۔ اور چاندی کا قفل دروازہ پر لگا رہتا ہو۔ جب کوٹھے پر چڑھیں تو ایک دوسرا پست دروازہ ہو، اور زمین کے دروازہ کی طرح اس پر بھی چاندی کے پتھر ہیں۔ خانہ کعبہ کی چھت لکڑی سے پٹی ہوئی ہو۔ اور دیبا کی چھت گیری لگی ہوئی ہو۔ جس کی وجہ سے کی لکڑیاں (دہنی یا میال) نظر نہیں آتی ہیں۔ اور خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار پر دکارنس کے قریب ایک زرین چوکھٹا جڑا ہوا ہو جس میں سلطان مصر کا نام لکھا ہوا ہو۔ جس نے مکہ معظمہ کو خلفائے عباسیہ کے قبضہ سے نکالا تھا (یہ واقعہ ۳۳۰ھ ۹۸۰ء کا ہو۔ اس سلطان کا نام العزیز ولد بن اللہ ^{۱۹۹} اور اس کا دوسرا نام العزیز باللہ ہو) اور چار بڑے بڑے نقری چوکھے اور بھی مسلسل دیوار خانہ کعبہ پر چاندی کی کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں اور ہر ایک پر خلفائے مصر کا نام لکھا ہوا

ہو۔ جنھوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ چوکھٹے بھیجے تھے۔

ستونوں کے درمیان میں چاندی کی تین قندیلیں آویزاں ہیں اور خانہ کعبہ کی پشت (دیوار) رخام پانی کی ہو۔ جو بلور کی طرح چمکتی ہو۔ اور چھت کے ہر چار گوشہ میں روشندان ہیں۔ اور ہر ایک پر کانچ کے شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ جس میں سے روشنی چھن کر آتی ہو اور بارش کا پانی بھی نہیں آتا ہو۔

خانہ کعبہ کی چھت پر جانب شمال عین وسط میں پرنا لگا یا ہو۔ یہ پرنا لہ تین گز لانا ہوا ہو۔ جس پر سونے کا طبع ہو۔

غلاف کعبہ سفید رنگ کا تھا۔ اور دو جگہ نقاشی تھی۔ اور یہ کام ایک گز عرض میں بنایا گیا تھا، اور دونوں طرازوں (منقش کام) کے مابین اور پر نیچے تقریباً دس گز کا فاصلہ تھا۔ چنانچہ ان طرازوں کی وجہ سے خانہ کعبہ کی بلندی تین حصوں پر تقسیم ہو جاتی ہو۔ یعنی ہر حصہ تقریباً دس گز کا ہو۔ اور غلاف کے چاروں طرف زمیں محراب کے نشانات بناوٹ میں ہیں جو سونے کے تاروں سے بنے گئے ہیں، اور جن میں نقاشی کی گئی ہو۔ ہر دیوار میں تین محراب ہیں چنانچہ وسطی محراب بڑی ہو اور بغلی چھوٹی ہیں۔ اس طرح چاروں دیواروں پر بارہ محرابیں قائم ہیں۔ اور اسی مکان کے جانب شمال یعنی خانہ کعبہ کے باہر ایک دیوار ڈیڑھ گز کی ہو۔ جس کے دونوں سرے ارکان خانہ کعبہ تک چلے گئے ہیں یہ دیوار قوس نما یعنی نصف دائرہ کی صورت میں ہو۔ جس کا فاصلہ دیوار خانہ کعبہ سے پندرہ گز ہو۔ چنانچہ یہ دیوار اور یہاں کی زمین زمیں اور منقش سنگ مرمر کی ہو اور اس جگہ کا نام حجر ہو۔

خانہ کعبہ کی چھت سے پرنا لہ کا پانی اسی حجر میں گرتا ہو۔ پرنا کے نیچے حجر سنگ سبز کا محراب نما ایک پتھر تراش کر رکھ دیا ہو جس پر پانی گرتا ہو۔

اور یہ پتھر اس قدر بڑا ہے، جس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مقام ابراہیم | مقام ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ سے مشرق جانب ہے یہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں، چنانچہ اس کو ایک دوسرے پتھر میں تراش کر وصل کر دیا ہے جس پر ایک چوکور لکڑی کا خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے جو بلندی میں قد آدم ہے۔ جس کے چاروں گوشوں پر چاندی کی کلسیاں بنی ہوئی ہیں، غلاف کو دو طرف سے زنجیروں میں اٹکا کر بڑے پتھروں سے باندھ دیا ہے، اور دوہرے تالے لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ اس پر کسی کا ہاتھ نہ پہنچے، مقام ابراہیم اور خانہ کعبہ میں بیس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

چاہ زمزم کا بیان

چاہ زمزم اور اس کی عمارت | چاہ زمزم خانہ کعبہ سے جانب مشرق، اور حجر اسود کے گوشہ پر ہے زمزم اور خانہ کعبہ کے درمیان پھیلا لیتیں ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ زمزم کا محیط ساڑھے تین گز مرتفع ہے، اور پانی میں کھائی پن ہے، لیکن پی سکتے ہیں۔ زمزم کے چاروں طرف سنگ مرمر کا جگہ (کٹھہ) لگا دیا ہے، جس کی اونچائی دو ہاتھ ہے، اور زمزم کے چاروں طرف حوض بنا دیے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہے اور لوگ وضو کرتے ہیں۔ چاہ زمزم کے دہانے پر جالی دار لکڑی کا چوکھٹا جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ جس قدر پانی گرتا

لے اب ایک حجرے کے اندر ہے۔ جس کے باہر ایک درکھوٹا سادالان ہے اور یہی مصطلح شامی ہے جس کو امام شافعی نے اتباع حضرت عمر مصطلح قرار دیا تھا۔ اور اس مقام پر آیت دلالت و مقام ابراہیم مصطلح نازل ہوئی۔

لے نہ ہست الطوب میں لکھا ہے کہ چاہ زمزم کا علق چالین گز اور اس کا دہانہ گیارہ گز تھا اور چوبیس گز کا قہ تھا۔

لے اس کا مزہ مختلف اوقات میں بدلتا رہتا ہے۔

ہو وہ کنویں کے اندر چلا جاتا ہے۔

زمزم کی عمارت کا دروازہ مشرق جانب ہے۔

اس عمارت کے برابر جانب مشرق ایک مربع عمارت اور
سقاۃ الحاج | ہے جس پر گنبد (قبہ) ہے اور اس کا نام سقاۃ الحاج ہے۔

اس مکان کے اندر پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں، جس سے حجاج پانی

پیتے ہیں۔

اور اس سقاۃ الحاج کے مشرق کی طرف ایک دوسرے طولانی عمارت

ہے۔ جس پر تین گنبد ہیں۔

اس کا نام خزانتہ الزیت (روغن زیتون کا گودام) ہے۔
خزانتہ الزیت | جس کے اندر تین روغن زیتون اور قندیلیں رکھی گئی ہیں

ہیں۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف ستون قائم ہیں، اور دو دو ستونوں پر لکڑی

کے پٹاؤ رکھے ہوئے ہیں جن پر پڑتکلف نقش ذنگار ہیں، جس میں کٹڈے اور

کانٹے (دھک) جڑے ہوئے ہیں، تاکہ رات کو ان کے اندر شمع اور چراغ

روشن کیے جائیں۔ اور اس میں قندیلیں لٹکاتے ہیں اور اس نورانی سلسلہ کا

نام مشاعل ہے۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے مشاعل مذکور کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز ہے اور یہی

محل طواف ہے۔ مسجد الحرام کے صحن میں خانہ کعبہ کے علاوہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک

عمارت زمزم، دوسرا سقاۃ الحاج اور تیسرا خزانتہ الزیت ہے۔

اور مسجد الحرام کے اطراف میں جو سائبان ہے، اس کے نیچے دیوار سے متصل

بلاد مغرب، مصر، شام و روم، عراقین، خراسان، ماورالنہر وغیرہ کے مساکین

کے لیے صندوق (گولک) رکھے ہیں۔

امیر مکہ کا محل | مکہ معظمہ سے جانب شمال چار فرسنگ کے فاصلہ پر ایک

ناحیہ ہے جس کو برقمہ کہتے ہیں، امیر مکہ کی یہاں سکونت ہے، اور اسی جگہ امیر کی فوج بھی رہتی ہے۔ برقمہ میں نہر اور باغات ہیں، اور یہ ناحیہ دو فرسنگ طولانی ہے اور اسی قدر عرض بھی ہے۔

میں اس سال ابتدائے رجب سے مکہ معظمہ میں مجاور تھا۔ اور مکہ والوں کا دستور ہے کہ جب کے مہینے میں روزانہ سورج نکلتے ہی خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کھولنے کا بیان

متولیان خانہ کعبہ | خانہ کعبہ کا کلید بردار عربوں کا ایک قبیلہ بنی شیبہ ہے۔ جو خانہ کعبہ کے متولی ہیں۔ خلیفہ مصر کی جانب سے ان متولیوں کو تنخواہ اور خلعت ملا کرتا ہے۔

افتتاح دروازہ کا بیان | اس قبیلہ کا ایک سردار ہے، جس کے پاس کنجی رہتی ہے۔ جب وہ دروازہ کھولنے آتا ہے، تو پانچ چھو آدمی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں، یہ لوگ جب دروازہ پر پہنچتے ہیں، تو دس حاجی اس سیڑھی کو اٹھا کر لاتے ہیں (جس کا ذکر کر چکا ہوں) اور دروازہ کے سامنے کھڑی کر دیتے ہیں، اور وہ بوڑھا سردار اس پر چڑھ کر دہلیز پر کھڑا ہوتا ہے، اور دو شخص اور بھی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ اور دیباے زرد کی چادر کھولتے ہیں، جس کا ایک سرا ایک آدمی کے ہاتھ میں اور دوسرا دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور اس بوڑھے سردار کو بطور پردہ چادر میں چھپا لیتے ہیں تاکہ وہ قفل کھولے، چنانچہ وہ قفل کھولتا ہے، اور قفل کو کڑوں سے نکالتا ہے، اس وقت حاجیوں کا ایک گروہ دروازہ پر جمع رہتا ہے، اور دروازہ کھلتے ہی

وہ ہاتھ اٹھا کر (بلند آواز سے) دعا مانگتے ہیں۔ اور جو لوگ شہر میں ہوتے ہیں وہ حاجیوں کی آواز سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ حرم کا دروازہ کھل گیا، اب بالاتفاق حجاج اونچی آواز سے دعا مانگتے ہیں، اور اس کی آواز سے مکہ گونج اٹھتا ہے۔ اور وہ بوڑھا سردار حرم میں داخل ہوتا ہے، اور وہ دو آدمی اسی طرح پر وہ کیے کھڑے رہتے ہیں، اور وہ بوڑھا دو رکعت نماز پڑھ کر حرم سے واپس آتا ہے، اور خانہ کعبہ کے دروازہ (دونوں پٹ) کھول دیتا ہے، اور آستانہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، اور بلند آواز سے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اہل بیت پر درود کا ہدیہ بھیجتا ہے۔ بعد ازاں وہ بوڑھا اور اس کے ہمراہی دروازہ کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور حاجی اندر آنا شروع ہوتے ہیں، اور حرم میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد واپس ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ دو پہر تک قائم رہتا ہے۔ جب خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں تو منہ دروازہ کی طرف ہوتا ہے، اور دوسری طرف بھی منہ کرنا جائز ہے، مگر یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ خانہ کعبہ بھر چکا ہو اور دوسروں کے لیے گنجائش نہ ہو۔ میں نے شمار کیا تو اس وقت سات سو بیس حاجی تھے۔

یمن کے قافلے حج کو آتے ہیں

عموماً یمنی ہندوؤں کی طرح لنگی باندھتے ہیں، اور سر کے	یمنی اور ہندی
بال کا نڈھوں پر پڑے رہتے ہیں، اور داڑھیاں بٹی	کی
ہوتی ہوتی ہیں، اور ہندوؤں کی طرح قتیف کا بنا ہوا	نسلی مشابہت

کنارا کر میں لگائے رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہنود کا مزاج بوم (اصلی وطن) یمن ہے۔ اور کتارہ (کنارا) کو معرب کر کے قتالہ کر لیا ہے۔ شعبان، رمضان اور شوال

میں بھی دو شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو خانہ کعبہ کا دروازہ کھولتے ہیں اور جب ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر دروازہ نہیں کھلتا۔

عمرہ جعرانہ^{۲۲}

جعرانہ | مکہ معظمہ سے چار فرسنگ پر، جانب شمال ایک مقام ہے جس کو جعرانہ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول مقبول جعرانہ میں مع فوج کے مقیم تھے کہ سوٹھویں ذیقعدہ کو آپ احرام باندھ کر مکہ میں تشریف لائے، اور عمرہ کیا۔ جعرانہ میں دو کنوئیں موجود ہیں۔ ایک کو بیور الرسول اور دوسرے کو بیور علی (صلوات اللہ علیہما) کہتے ہیں، دونوں کا پانی بہت ہی میٹھا ہے۔ اور دونوں میں دس گز کا فاصلہ ہے۔ اس قدیم سنت کو لوگ برتتے ہیں، اور اس موسم میں عمرہ کرتے ہیں۔ ان کنوئوں کے پاس ایک پہاڑی ہے، جس کے پتھروں میں گڑھے پڑ گئے ہیں، اور ان کی صورت پیالہ نما ہے، روایت ہے کہ رسول مقبول نے اپنے ہاتھ سے ان گڑھوں میں آٹا گوندھا ہے، چنانچہ جو حاجی یہاں آتے ہیں وہ بھی ان گڑھوں میں چاہات مذکور سے پانی لے کر آٹا گوندھتے ہیں، یہاں لکڑی کی افراط ہے، چنانچہ حاجی لکڑیاں توڑ کر روٹی پکاتے ہیں، اور تبرکاً ملکوں ملکوں لے جاتے ہیں۔

اور اسی جگہ ایک دوسری پہاڑی ہے، جس پر حضرت بلال حبشی نے کھڑے ہو کر اذان دی تھی۔ چنانچہ حاجی بھی اسی جگہ اذان دیا کرتے ہیں۔ فی زمانہ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزار سے زیادہ اونٹوں کی عماریاں نظر آتی تھیں، معمولی اونٹوں کا کیا شمار ہے۔

مصر سے مکہ معظمہ تک جس راستہ سے اس مرتبہ میں آیا ہوں اس کا فاصلہ تین سو فرسنگ تھا، اور مکہ سے یمن بارہ فرسنگ ہے۔

عرفات کا میدان پہاڑیوں کے اندر ایک پشتہ کے مانند
 ہے۔ جس کا طول دو فرسنگ اور عرض دو فرسنگ ہے
 اس میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ
 اور جبل الرحمتہ

ایک مسجد ہے، چنانچہ اینٹ کا ٹوٹا پھوٹا منبر ہنوز باقی ہے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت
 آتا ہے تو خطیب منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، پھر اذان ہوتی ہے، اور دو رکعت
 نماز جماعت سے مسافروں کی طرح پڑھتے ہیں، پھر سب مل کر تکبیر کہتے ہیں اور
 دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خطیب اونٹ پر سوار
 ہوتا ہے اور سب مشرق کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، ایک فرسنگ کے فاصلہ
 پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے، جس کو جبل الرحمتہ کہتے ہیں، وہاں کھڑے ہو کر دعا
 مانگتے ہیں، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔

ابن شادول مذکور نے جو امیر عدن تھا، بصرہ کثیر ایک پہاڑ سے
 (جو یہاں سے فاصلہ پر ہے) نہر نکال کر عرفات کے میدان میں لے گیا ہے، اور
 یہاں حوض بنائے ہیں جو حج کے زمانہ میں پانی سے لبریز کر دیے جاتے ہیں کہ
 حاجیوں کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔ اور نیز ابن شادول نے جبل الرحمتہ پر چار بڑی
 محراب بنائی ہیں، جس کے گنبد پر قیام عرفات کے دنوں میں چراغ اور شمعیں
 روشن کی جاتی ہیں، جس کی روشنی دو فرسنگ سے نظر آتی ہے۔ ایسا مشہور ہے کہ
 امیر مکہ نے ایک ہزار دینار لے کر تعمیر کی اجازت دی تھی۔

ناصر خسرو کا
 چوہتا حج
 نون ذی الحجہ ۴۴۲ھ کو (توفیق الہی سے) میں نے چوہتا حج
 کیا۔ اور غروب آفتاب کے بعد حجاج اور خطیب عقادعات سے
 چل کر ایک فرسنگ کے فاصلہ پر مشعر الحرام میں آکر ٹھیرے
 جس کو مزدلفہ کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایک خوبصورت عمارت مقصورہ کی

طرح بنائی، وہاں حاجی نماز پڑھتے ہیں اور منیٰ میں جو کنکریاں پھینکتے ہیں وہ اسی جگہ سے اٹھاتے ہیں۔

منیٰ اور مسجد خیف
دستور یہ ہے کہ عید کی رات کو مزدلفہ میں بٹھیرتے ہیں اور یہاں صبح کی نماز پڑھتے ہیں، اور سورج نکلنے ہی منیٰ چلے جاتے ہیں اور اسی جگہ حاجی قربانی کرتے ہیں۔ منیٰ میں ایک بڑی مسجد ہے جس کو مسجد خیف کہتے ہیں۔ اس دن خطبہ اور عید کی نماز پڑھنے کا دستور نہیں ہے۔ اور نہ اس پر رسول اللہ صلعم نے عمل فرمایا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں بٹھیرتے ہیں اور کنکریاں پھینکتے ہیں، جس کی تفصیل مناسک حج میں بیان کی گئی ہے۔ بارہویں تاریخ کو جس کا دل چاہے وہ منیٰ سے اپنے مقام کو واپس جائے اور جس کو مکہ جانا ہو وہ مکہ چلا جائے۔ چنانچہ حج سے فارغ ہو کر میں خانہ کعبہ سے رخصت ہوا اور ایک بدوی کا اونٹ لھاتک کرایہ کیا۔ مکہ معظمہ سے لھاتک بیان کرتے ہیں کہ تیرہ یوم میں پہنچتے ہیں۔

۱۲۔ مکہ معظمہ سے ناصر خسرو
جمعة کے دن انیسویں ذی الحجہ ۱۲۲۲ھ
(مطابق خرداد) کو مکہ معظمہ سے چل کر ست
روانگی اور ملک یمن کا سفر
فرنگ کے فاصلہ پر ایک مرغزار ملا،

یہاں سے کوہستانی سلسلہ شروع ہوا، جب میں اس پہاڑی راستہ سے چلا، تو سامنے جنگل تھا جس میں آبادی بھی تھی، اور ایک کنواں ملا جو بئر الحسن بن سلامتہ کے نام سے مشہور تھا۔ ہوا سرد تھی، اور راستہ مشرق کو جا رہا تھا، چنانچہ دو دن کے دن بائیسویں ذی الحجہ کو میں شہر طائف میں پہنچا، جس کی مسافت مکہ سے بارہ فرنگ تھی۔

طائف | طائف ایک ناحیہ ہے، جو پہاڑ پر آباد ہے، خرداد (جون) کے

ہبینہ میں اس قدر سردی تھی کہ لوگ دھوپ میں بیٹھتے تھے، اور مکہ معظمہ میں خربوزہ بافراط تھا۔ قصبہ طائف ایک چھوٹا سا شہر ہے، جس کا قلعہ مستحکم ہے، ایک مختصر سا بازار بھی ہے، اور معمولی سی مسجد بھی۔ پانی کے چشتے ہیں، انار اور انجیر کے درخت بافراط ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مزار شہر کے قریب ہے۔ خلفائے عباسیہ نے اس جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کی ہے، جس کے ایک گوشہ میں مزار کو شامل کر لیا ہے۔ اور اس کے دائیں ہاتھ پر محراب و منبر ہے۔ مسجد کے قریب لوگوں نے مکانات بنا کر سکونت اختیار کی ہے۔

اب ہم طائف سے روانہ ہوئے، راستے میں پہاڑ اور کھنڈرات نظر آئے، دوران سفر میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی گڑھیاں اور مزارع ملتے رہے، کھنڈرات میں ایک چھوٹا سا ویران قلعہ مجھے دکھایا گیا، بدویوں نے کہا کہ یہ لیلیٰ کا مکان تھا، اور ان کا قصہ عجیب ہے۔

ناحیہ ثریا
اور
قلعہ مطار

یہاں سے ہم ایک قلعہ میں پہنچے جس کو مطار کہتے ہیں۔ یہ مقام طائف سے بارہ فرسنگ ہے۔ مطار سے ناحیہ ثریا میں آئے، یہاں کھجوروں کے باغات تھے، اور کھیتوں میں ذریعہ رہٹ چاہات سے پانی دے رہے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ناحیہ میں کوئی حاکم اور سلطان نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ اسی قبیلہ کا ایک سردار ہے، مگر یہ سب چور و ڈاکو ہیں، ہر روز آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ طائف سے اس منزل تک پچیس فرسنگ قیاس کرتے ہیں۔

حصن بنی نسیر
اور
قلعہ جزع

ثریا سے چل کر قلعہ جزع ملا، نصف فرسنگ میں چار قلعے تھے، ان میں سے جو سب سے بڑا قلعہ تھا، اور جس میں ہم ٹھہرے تھے، اس قلعہ کا نام حصن بنی نسیر تھا۔ کھجور کے

درخت کم تھے۔ اور ہم نے جس بدوکا اونٹ کرایہ کیا تھا، اس کا مکان جزع میں تھا۔ چنانچہ پندرہ دن تک یہاں ٹھہرنا پڑا، کیونکہ کوئی راہ ناموجود نہ تھا جو دوسری منزل تک پہنچائے، اس علاقہ میں عرب کے ہر قبیلے کی ایک جداگانہ چراگاہ، (بیڑ) ہے، اور کوئی بیگانہ اس علاقہ میں نہیں جاسکتا ہے، کیونکہ جس کو بلا راہ نما کے پا جاتے ہیں اس کو گرفتار کر کے کپڑے تک اتار لیتے ہیں۔ لہذا ہر قوم کی طرف سے ایک بدرقہ مقرر ہے جو مسافر کو اپنی حد تک پہنچاتا ہے۔ رضیخیر، بدرقہ اور قلاؤز کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی راہ نما) آئندہ منزل میں اعراب بنی سواد کا علاقہ آنے والا تھا چنانچہ اتفاق سے اس قبیلہ کا ایک سردار جزع میں آگیا، ہم نے اس کو بدرقہ میں لے لیا۔

ناصر خسرو کی سیاحت کا ساتواں سال ۴۲۳ھ اس سردار کا نام ابو غانم عبس بن البعیر تھا، چنانچہ ہم ابن البعیر (اونٹ کا بچہ) کے ہمراہ روانہ ہوئے ایک گروہ ہماری طرف لپکا، اور سمجھے کہ اچھا شکار ہاتھ لگا، کیونکہ یہ قبائل ہریگانہ شخص کو صید (شکار) کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا سردار ہمارے ہمراہ تھا، اس وجہ سے کوئی شخص نہ بولا، ورنہ یہ ہم کو قتل ہی کر ڈالتے۔ غصہ کہ اس قبیلہ میں چند روز ٹھہرنا پڑا، کیونکہ اگلی منزل کے لیے بدرقہ نہ تھا، چنانچہ اس منزل سے دس دس دینار کے معاوضہ پر دو راہ نما، ہمراہ لے (تا کہ وہ دوسرے قبیلہ تک پہنچادیں)۔ ان ہی قبائل میں ایک قبیلہ تھا جس کے ہفتاد سالہ بڑھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ تمام عمر میں اونٹ کے دودھ کے سوا ہم نے کچھ نہیں کھایا ہے، کیوں کہ ان جنگلوں میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا ہے البتہ ایک کرڈی کیسی گھانس ہوتی ہے، جس کو اونٹ کھاتا ہے، اس بدیوں کا خیال تھا کہ ساری دنیا ایسی ہی ہوگی۔ الغرض میں قبیلہ قبیلہ گھومتا پھرا، اور

ہر جگہ جان کا خطرہ تھا، لیکن یہ محض خدائے پاک کی مرضی تھی کہ ہم لوگ ان منزلوں سے صحیح و سلامت نکل آئے۔

اب ہم ایسے کھنڈرات میں پہنچے جس کو ہر ما کہتے تھے، ہر ایسا سر باکے انا ر ق د میہ | گنبد کی طرح پہاڑیاں تھیں کہ میں نے ویسی کسی ملک میں نہیں دیکھیں، اور اس کی اونچائی اس قدر تھی کہ تیر پہنچ سکے، اور برصیہ مرغ کی طرح چمکدار، ہوا ز اور سخت تھیں، جس میں کوئی شگاف بھی نہ تھا۔ اس منزل سے آگے بڑھے، ہمارے ساتھی جب سوسمار (گوہ) دیکھتے تھے تو مار کر کھا جاتے تھے۔ اور جہاں عربوں کی آبادی ہوتی تھی وہاں اونٹنی کا دودھ دوہتے تھے، میں نہ سوسمار کا گوشت کھاتا تھا اور نہ یہ دودھ پیتا تھا، راستہ میں جہاں کوئی پھل دار درخت ملتا (جس کے پھل اُرد کے برابر تھے) اس کے چند پھل توڑ کر رکھ لیتا، اور اسی پر قناعت کرتا تھا۔ چنانچہ بڑی مصیبت اور تکلیف کے بعد تیس آصف کو فلج میں پہنچا، مکہ معظمہ سے یہاں تک ایک سو اسی فرسنگ کی مسافت تھی۔

وسط جنگل میں ہر کسی زمانہ میں بڑا ناچہ تھا، لیکن اب تعصب کے ^{۱۲۸} فلج | ہاتھوں برباد ہو رہا ہو، جب میں یہاں آیا ہوں تو آباد تھا، جس کا طول ڈیڑھ میل اور عرض ایک میل تھا۔ اور اس رقبہ کے اندر چودہ قلعے تھے، یہاں کے باشندے چور مفسد اور جاہل ہیں، یہ چودہ قلعے دو حصوں پر تقسیم تھے، کیونکہ ان قبائل میں ہمیشہ سے پھوٹ اور دشمنی چلی آتی تھی، اور ان کا قول تھا کہ ہم لوگ اصحاب کہف کی نسل سے ہیں۔ جن کا خدائے کلام مجید میں مذکورہ کیا ہے۔ اس جگہ چار کار ریزیں تھیں، جن سے تلخستان میں پانی جاتا تھا ان کی کھیتیاں بلندی پر تھیں۔ اور کھیتوں کی آبپاشی کا بڑا ذریعہ چاہات ہیں

اونٹوں سے ہل جوتے تھے، کیونکہ میں نے اس نوح میں کہیں بنیل نہیں دیکھے کاشت کی مقدار قلیل تھی، ایک آدمی کی روزانہ اجرت سن سیر غلہ ہے، اور یہی ان کی خوراک ہے، نماز مغرب سے دوسری نماز مغرب تک رمضان المبارک کی طرح کچھ نہیں کھاتے ہیں، صرف دن میں کھجوریں کھا لیتے ہیں۔ اس علاقہ کی کھجور بصرہ وغیرہ کے مقابلہ میں بہت اچھی ہیں۔ یہاں کے آدمی مفلس ہیں اور بدنصیب کیونکہ باوجود افلاس کے آئے دن لڑتے ہیں اور خونریزیاں کرتے ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کی کھجور پیدا ہوتی ہے، جس کا نام میدون ہے۔ اس کا وزن دس درہم کے برابر ہوتا ہے اور گھنٹی کا وزن تقریباً ڈیڑھ دانگ، بیان کیا جاتا ہے کہ اگر بیس سال تک یہ کھجوریں رکھی رہیں تو خراب نہیں ہوتی ہیں۔

قلج والوں کا لین دین نیشاپوری روپیہ سے تھا، فلج میں میرا قیام چار مہینے رہا، مگر ایسی حالت میں کہ جس سے زیادہ سخت مصیبت نہیں ہو سکتی ہے، کتابوں کی دو خرجیوں کے سوا میرے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی اور یہ اعراب (بدوی) ننگے بھوکے اور جاہل تھے، جب نماز پڑھنے آتے تو تلوار و سپر باندھ کر آتے تھے، اور کتابوں کے خریدار نہ تھے۔ میں ایک مسجد میں مقیم تھا اور میرے پاس کسی قدر لاجورد اور شخرف موجود تھا، چنانچہ میں نے دیوار مسجد پر اس رنگ سے ایک بیت لکھا اور اس کے اندر ہیل بوٹے بنائے جس کو دیکھ کر یہ بدوی حیرت زدہ رہ گئے اور سب قلعے والے جمع ہو کر دیکھنے آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ اگر اس مسجد کی محراب میں ایسی ہی گل کاری کر دو تو سون کھجوریں نذر کریں گے۔ اور یہ مقدار ان کے نزدیک بڑی مالیت تھی اس لیے کہ میرے قیام کے زمانہ میں عرب سے یہاں ایک فوج آئی تھی اور سپاہی ان سے پانسو من کھجوریں مانگتے تھے، مگر انھوں نے نہ دیں اور آمادہ جنگ ہو گئے۔ چنانچہ قلعے کے دس آدمی

مارے گئے اور عربوں نے ایک ہزار نخل کاٹ ڈالے، لیکن اس پر بھی اُنھوں نے دس من کھجوریں نہ دیں۔ جب مجھ سے معاہدہ ہو گیا تو میں نے اس محراب کو نقش و نگار سے آراستہ کر دیا اور ان سو من کھجوروں سے میری حاجت روائی ہو گئی کیونکہ میں تو زندگی سے مایوس ہو رہا تھا اور فلج میں کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا اور اس کا تو وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی اس جنگل سے رہائی نصیب ہوگی کیونکہ اس مقام سے چاروں طرف جب تک دو سو فرسنگ کا خوفناک اور مہلک جنگل طے نہ کیا جائے، کسی آبادی کی صورت نظر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے چار مہینے میں کسی جگہ پانچ من گیہوں کا انبار نہیں دیکھا، آخر کار ایک قافلہ شہرِ مایہ سے آیا جو آدم (خوشبود) چڑھ (خرید کر تاہو) اور یہ اہم خرید کر لے آئے جاتے ہیں۔ اور پھر میں سے فلج میں لاتے ہیں اور سودا گروں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ ایک عرب مجھے بصرہ لے جانے پر آمادہ تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو کرایہ میں ادا کرتا۔ اور یہاں سے بصرہ تو فرسنگ کے فاصلہ پر تھا اور اونٹ کا معمولی کرایہ ایک دینار تھا حالانکہ ایک اچھا اونٹ دو تین دینار میں فروخت ہوتا تھا، مگر چونکہ میرے پاس نقدی نہ تھی بلکہ معاملہ ادھار پر تھا، اس لیے مجھ سے کہا جاتا تھا کہ تیس دینار ادا کرو تو بصرہ پہنچا دیں۔ میں نے مجبوراً منظور کیا، کیونکہ میں نے کبھی بصرہ دیکھا بھی نہ تھا۔ معاہدہ کے بعد عربوں نے کتابوں کی خریدیاں اونٹ پر لادیں۔ اور میرے بھائی (خواجہ ابوسعید) کو سوار کر لیا اور میں پیادہ ساتھ ہولیا اور بناتِ نبش کے مطلع کی طرف روانہ ہوئے، زمین ہموار تھی۔ پہاڑ اور شیلے نہ تھے، جہاں زمین بہت سخت تھی، وہاں برسات کا پانی جمع تھا۔ اور دن رات چلتے تھے ہمیں راستہ کا نشان نظر نہ آتا تھا، لیکن تعجب ہے کہ صرف بانسلی کی آواز پر دن رات

۱۷ ص ۱ جلد ۱۰ ص ۱۰ شب و روز میرفتند کہ بیچ جا اثر راہ پدید نبود الا بر سماع میرفتند ۱۷ سماع سے بدویا کی تھی خوانی مراد ہے۔

بغیر راستہ و نشان کے یہ اونٹ بھاگے چلے جاتے تھے، ناگاہ ایک گنویں پر پہنچے جس میں پانی تھا۔ الغرض چار شبانہ روز میں یتامہ پہنچے۔

یتامہ میں ایک بڑا اور پُرانا قلعہ تھا، اور قلعہ کے باہر شہر اور بازار ہے، ^{۲۰۲} **یتامہ** جس میں ہر قسم کے دستکار موجود تھے۔ اور جامع مسجد خوبصورت ہے۔

اس ملک کے امیر قدیم زمانہ سے علوی چلے آتے ہیں اور کسی غیر نے اس علاقہ پر قبضہ نہیں کیا ہے، کیونکہ اس ناحیہ کے قریب کوئی دوسرا زبردست سلطان و بادشاہ نہیں ہے۔ ان علوی امیروں کی بھی ایک شان و شوکت ہے۔ جلو میں تین چار سوسوار نکلتے ہیں، اور ان کا مذہب زیدی ہے۔ اقامت میں یہ الفاظ کہتے ہیں: "محمد و علی خیر البشر و وحی علی خیر العمل"۔

یتامہ سادات کی بستی ہے، کاریزوں سے پانی بہتا رہتا ہے۔ اور نخلستان ہیں جس سال کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی ہے، تو ایک دینار میں سینتیس من تک بک جاتی ہیں۔ یتامہ سے لٹسا چالیس فرسنگ شمار کرتے ہیں۔ سفر کے لیے موسم سرما مناسب ہے، کیونکہ برساتی پانی جا بجا ملتا ہے، جس کو پی سکتے ہیں اور گرمیوں میں پانی نہیں ملتا ہے۔

شہر لٹسا ^{۲۰۳}

لٹسا | شہر لٹسا جنگل کے کنارے آباد ہے، کیونکہ جس طرف سے جانا چاہو ایک بڑا جنگل طر کرنا پڑے گا۔ اور لٹسا سے قریب تر اسلامی شہر جس میں سلطان رہتا ہے وہ بصرہ ہے۔ لٹسا سے بصرہ کا فاصلہ ایک سو چھاس فرسنگ ہے اور بصرہ کے کسی سلطان نے کبھی لٹسا پر فوج کشی کا خیال نہیں کیا ہے۔

شہر لٹا کی تعریف

ابوسعید قرظی فرمانروائے لٹسا | لٹسا ایک ایسا مقام ہے کہ جس میں شہر اور
دہیات کی شان پائی جاتی ہے اور اس
میں ایک قلعہ بھی ہے، شہر کے چاروں طرف
کے حالات اور متفرق واقعات

مٹی کی چار مضبوط فصیلیں ہیں، جو یکے بعد دیگرے واقع ہیں فصیل کی دونوں دیوہروں
کے مابین تقریباً ایک ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے، شہر میں پانی کے بڑے چشمے ہیں
جن میں تقریباً پانچ پانچ چکیاں چل سکتی ہیں، ان چشموں کے پانی سے کام لیا جاتا
ہے اور پانی فصیل کے باہر نہیں جاتا ہے۔

قلعہ کے درمیان بڑا شہر آباد ہے جس میں بڑے شہروں کی طرح تمام چیزیں
میسر آتی ہیں اور نینٹ ہزار سے زیادہ فوج رہتی ہے۔

روایت ہے کہ لٹسا کا سلطان سید تھا، لیکن اس نے لوگوں کو مذہبِ اسلام
سے منحرف کر دیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ میں نے تم پر سے روزہ نماز اٹھا دیا۔
صرف میری ذات تمہارے لیے مرجع و مآب ہے، اس سلطان کا نام ابوسعید تھا۔
جب شہر والوں سے پوچھو کہ تمہارا مذہب کیا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم
ابوسعیدی ہیں۔

یہ لوگ نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن آنحضرت کی رسالت
کے قائل ہیں۔ ابوسعید نے ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ
میں پھر تمہارے پاس آؤں گا۔ ابوسعید کی قبر لٹسا میں ہے اور اس کا مقبرہ شاندار
بنایا ہے، اور یہ اپنے بیٹوں کو وصیت کر گیا ہے کہ میری اولاد میں سے ہمیشہ پتھول کر
حکومت کرتے رہیں اور رعایا کی عدل و انصاف سے حفاظت کریں اور باہم

اتحاد رکھیں دیہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آؤں۔

ان فرمانرواؤں کا ایک بڑا عمل ہی اور وہی ان کا دار الحکومت ہے جس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے جس پر چھٹی حکمران مل کر بیٹھتے ہیں اور اتفاق رائے سے فیصلہ کرتے ہیں، اور ان کے ذریعے بھی چلے ہیں۔ چنانچہ یہ چھ فرمانروا ایک تخت پر بیٹھ کر اجلاس کرتے ہیں، اور وزرا دوسرے تخت پر بیٹھتے ہیں اور جملہ امور باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ فرمانروائے لہما کے اس وقت زر خرید بیس ہزار غلام زندگی اور حبشی ہیں جو کھیتی اور باغبانی کا کام کرتے ہیں۔ اور رعایا سے بطریق عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) بھی کچھ نہیں لیا جاتا۔ اگر رعایا میں سے کوئی محتاج یا مقروض ہو جائے تو اس کی کفالت کرتے ہیں جس سے اس کی حالت سنبھل جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی کا قرضدار ہوتا ہے تو اصل رقم سے زیادہ نہیں لیتے ہیں۔ اگر کوئی مسافران کے شہر میں آئے اور وہ دستکار ہو تو کام چلانے کے لیے اس کو سرمایہ دیتے ہیں تاکہ وہ ضروری سامان متعلقہ خرید سکے اور کامیابی پر اہل روپیہ واپس کر دے۔ اگر کوئی شخص جو صاحب جائداد و املاک ہو اور اس کا کاروبار بگڑ جائے اور دوبارہ کام نہ چلا سکے تو یہ بادشاہ اپنے غلاموں کو نامزد کرتے ہیں کہ یہ جا کر ان کا کام کریں اور بگڑے ہوئے کاموں کو درست کریں۔ اور اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے۔ لہذا میں سرکاری چکیاں ہیں جن میں رعایا کا آٹما مفت پستنا ہے اور چکیوں کی مرمت اور ملازموں کی تنخواہ خزانہ شاہی سے ادا ہوتی ہے۔ یہ سلاطین سادات اور ان کے وزرا شائزہ (مشورہ ہندہ

لہ باب مفاعلہ سے مشاورہ کا فاعل شائر غلط ہے بلکہ شائر ہونا چاہیے۔ قال ابو سعید

فلان وزیر فلان و شائرہ اسی مشاورتہ (رج شورا و کشور) تاج العروس

شرح قاموس جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ مصر۔

یامبران کو نسل (کہلاتے ہیں)۔

لحسامیں جامع مسجد نہیں ہے، نہ نماز ہوتی ہے، نہ خطبہ ہوتا ہے، لیکن ایک عجمی نے جس کا نام علی بن احمد ہے یہاں ایک مسجد بنوائی ہے۔ یہ ایک دولت مند مسلمان حاجی ہے اور جو حاجی اس شہر میں آتے ہیں، یہی شخص ان کی خدمت کرتا ہے۔

لحسامیں لین دین سیدہ سے ہوتا ہے اور سیدہ تھیلیوں میں رہتا ہے اور ہر تھیلی میں چھ ہزار درہم کی مقدار میں سیدہ ہوتا ہے۔ معاملہ کے وقت بجنسہ تھیلیاں گن کر دیتے ہیں اور نقدی کو تھیلوں سے نہیں نکالتے ہیں۔ دسیدہ کے ٹکڑے بصورت درہم ہوں گے۔

لحسامیں کمر بند (پٹکے) عمدہ بنے جاتے ہیں جو بصرہ اور دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کو منع بھی نہیں کرتے ہیں۔ لیکن خود نہیں پڑھتے ہیں۔ جب سلطان دربار کرتا ہے تو وہ ہر شخص کے سوال کا معقول جواب دیتا ہے اور اخلاق سے پیش آتا ہے، شراب کبھی نہیں پیتا ہے۔

۲۰۴
شبانہ روز ایک گھوڑا زین کسا ہوا اور طوق و باگ ڈور سے تیار ابوسعید کی قبر پر کھڑا رہتا ہے تاکہ جس وقت ابوسعید قبر سے اٹھے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ روایت ہے کہ ابوسعید نے اپنی اولاد سے یہ بھی وصیت کی ہے کہ جب میں دوبارہ تم میں واپس آؤں اور تم مجھ کو پہچان نہ سکو تو میری شناخت یہ ہے کہ میری ہی تلوار سے سر اڑا دو۔ اگر میں ہوں گا تو اسی وقت زندہ ہو جاؤں گا۔ اور یہ قاعدہ اس لیے مقرر کر دیا ہے کہ کوئی ابوسعید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

سلاطین لحسامیں سے کسی نے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اور عین طوائف کے وقت حجاج کو قتل کر دیا تھا۔

اور حجرِ آسود کو رکن سے نکال کر لمبے گئے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ یہ پتھر لوگوں کے حق میں مقناطیس ہے جو تمام عالم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ کیش نبوت اور عظمت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے، ورنہ حجرِ آسود تو ایک زمانہ دراز سے موجود ہے اور کوئی بھی وہاں نہ جاتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر حجرِ آسود ان لوگوں سے خرید کر مکہ معظمہ لے گئے۔ (داور اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔) (یہ واقعہ تاریخوں میں تفصیل سے درج ہے)۔

لمبے میں تمام حیوانات کا گوشت فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً بلی، کتا، گدھا، بیل، بکری، وغیرہ اور ان جانوروں کا سر اور چمڑہ گوشت کے قریب ہی رکھ دیتے ہیں تاکہ خریدار سمجھے کہ اُسے کس جانور کا گوشت خرید کرنا ہے۔ اس شہر میں کھلا پلا کر گتے کو اس قدر فریہ کرتے ہیں کہ وہ چری ہوئی بکری کی طرح ہو جاتا ہے اور موٹاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا، پھر اس کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔

لمبے سے جانب مشرق سات فرسنگ پر خلیج فارس ہے، اگر **جزیرہ بحرین** اس راستے سے جائیں تو اقل بحرین آتا ہے، یہ ایک جزیرہ ہے جس کا طول پندرہ فرسنگ ہے، اور بڑا شہر ہے، کھجور کے باغات بہت ہیں۔ اور اس سمندر سے موتی نکلتے ہیں۔ غوطہ خور جس قدر موتی نکالتے ہیں اس کا نصف حصہ سلاطین لمبے کا حق ہے۔

خلیج عمان ۲۵ اور اگر لمبے سے جنوب کی طرف چلیں تو عمان ملتا ہے۔ یہ دریا خلیج عمان (عمان) عرب کی زمین پر بہتا ہے جس کے تین طرف جنگل اور خشکی ہے اور ناقابلِ گزر ہے، ولایت عمان اسی فرسنگ مرتب ہے، اور گرم سیر علاقہ ہے۔ اس ملک میں جو ہندی جس کو نارجل کہتے ہیں پیدا ہوتا ہے۔ اگر عمان سے مشرق کی طرف براہِ خلیج فارس جائیں تو کیش (جزیرہ قیس) اور مکران کے علاقہ

میں پہنچ جائیں۔ اور اگر جنوب کی طرف جائیں تو عدن پہنچیں۔ اور اگر دوسری طرف (جانب شمال) جائیں تو فارس میں داخل ہوں۔ لہذا میں اس کثرت سے کھجوریں پیدا ہوتی ہیں کہ مویشیوں کو کھلا کر موٹا کرتے ہیں، اور کبھی یہ افراط ہوتی ہو کہ تین من ایک دینار کو بکتی ہیں۔

اگر لہذا سے شمال کی طرف جائیں تو سات فرسنگ پر ایک ناحیہ ہو جس کو قطیف کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک بڑا شہر ہو جس میں نخلستان بکثرت ہیں۔

عرب کے کسی فرمانروا نے لہذا پر فوج کشی کی تھی چنانچہ اس نے منجملہ چار ہزیلوں کے ایک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ایک سال تک محاصرہ کیے پڑا بھی رہا اور بڑا حصہ شہر کا تباہ بھی کر دیا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔ اور جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو دریافت کیا (بروئے علم نجوم) کہ میں لہذا کو فتح کر لوں گا یا نہیں۔ کیونکہ یہاں کے باشندے کافر ہیں، میں نے مصلحت وقت کے مطابق جواب دے دیا، میرے نزدیک بروی بھی لاندہبی میں لہذا والوں کے قریب قریب ہیں، چنانچہ بعض ایسے ہیں جو سال میں ایک مرتبہ بھی ہاتھ نہیں دھوتے ہیں۔ میں جو کچھ کہ رہا ہوں یہ میرا ذاتی تجربہ ہو، جھوٹی باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ متفرق طور پر نہیں بلکہ نو مہینے تک مسلسل ان لوگوں میں رہا ہوں۔ میں اونٹ کا دودھ نہیں پی سکتا تھا۔ بدیں وجہ جہاں کہیں پینے کو پانی مانگتا تھا، وہاں یہ لوگ دودھ پیش کرتے تھے جب میں نہ لیتا اور پانی ہی مانگتا تو جواب دیتے کہ ”جہاں پانی دیکھو وہاں مانگو، کیونکہ پانی تو ایسے شخص کے گھر میں ملے گا کہ جہاں پانی کا وجود ہو۔ انھوں نے تمام عمر میں حام اور پانی کے چشنے کبھی نہیں دیکھے تھے۔“

۱۳۔ ناخضر و یکامہ | اب پھر میں نفس مطلب پر آتا ہوں، یا امہ سے جب سے بصرہ جاتا ہوں | میں بصرہ روانہ ہوا تو کسی منزل پر پانی ملتا تھا اور

کہیں نہ ملتا تھا۔ آخر کار بیسویں شعبان ۳۳۲ھ کو میں بصرہ پہنچا۔

بصرہ ^{۲۰۶} شہر بصرہ کی فضیل بڑی ہی، مگر جانب دریا فضیل نہیں ہے۔ بصرہ میں شط بہتا ہے (نواح بصرہ کے قریب دجلہ اور فرات آکر مل گئی ہیں اس کا نام شط ہے) اور جب جو برہ کا پانی بھی اس میں آکر ملتا ہے تو اس کو شَطُّ الْعَرَبِ کہتے ہیں۔ شط العرب سے دو بڑی نہریں نکالی ہیں جن کے دہانوں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے اور دونوں نہروں کو کاٹ کر قبلہ کی جانب چار فرسنگ تک لے گئے ہیں۔ پھر آگے چل کر دونوں نہروں کے دہانے ملا دیے گئے ہیں پھر ایک فرسنگ کے بعد دوسری نہر بھی جانب جنوب گھمادیا ہے، اور پھر ان نہروں سے اطراف و جوانب میں بکثرت نہریں نکالی ہیں جن کے کنارے نخلستان اور باغات لگائے ہیں۔

نہر معقل و نہر ابلہ ^{۲۰۹} ان دو بڑی نہروں میں سے ایک جو بلندی پر مشرقی شمالی گوشے میں ہے اس کا نام نہر معقل ہے اور جو مغربی جنوبی گوشے پر ہے، اس کا نام نہر ابلہ ہے۔ اور ان دونوں نہروں کے اتصال سے ایک بڑا جزیرہ پیدا ہو گیا ہے جو مستطیل واقع ہوا ہے، اور شہر بصرہ میں اس مستطیل کے ایک چھوٹے ضلع (عرض) پر آباد ہے۔ اور بصرہ کے مغربی جنوبی گوشے پر ایک چٹیل میدان ہے جس میں آبادی، پانی اور درختوں کا نام و نشان نہیں ہے میرے زمانہ قیام میں شہر کا اکثر حصہ ویران ہو چکا تھا، اور آبادی منتشر تھی، یعنی ایک محلہ سے دوسرے محلے تک ڈیڑھ ڈیڑھ میل تک ویرانہ تھا تاہم در و دیوار مستحکم اور مردم شماری اچھی تھی۔ سلطان بصرہ کی آمدنی بہت تھی۔ اور ان دنوں امیر بصرہ ابو کالجاردیلمی کا بیٹا تھا جو صوبہ فارس پر حکمران تھا۔ اور امیر بصرہ کا وزیر ابو منصور شہ مردان تھا۔

بصرہ کا بازار | بصرہ میں روزانہ تین جگہ بازار لگتا تھا، صبح سوق الخزامی میں لین دین ہوتا تھا، دوپہر کو سوق عثمان میں اور شام کو سوق القدامین میں۔ بصرہ کے بازار میں خریداری کا یہ طریقہ ہے کہ ہر شخص نقدی صرفے کے حوالے کر دیتا ہے اور صرفے سے ایک جفتی (ہنڈی) لکھا لیتا ہے، پھر جو شے چاہتا ہے خرید کر تا ہے اور قیمت کے لیے صرفے کا حوالہ دے دیا جاتا ہے، شہر کا کوئی دوکان دار چفتی سے زیادہ مال نہ دیتا تھا۔

ناصر خسرو حمام بصرہ میں | جب میں بصرہ پہنچا ہوں تو برسنگی اور مفلسی سے میری حالت پاگلوں جیسی تھی اور تین مہینے

ہو چکے تھے کہ خط نہیں بنوایا تھا لہذا حمام کا ارادہ کیا کہ اسی ذریعے سے بدن میں کچھ حرارت پیدا ہو۔ کیونکہ ہوا سرد تھی اور کپڑے پاس نہ تھے، اور ہم دونوں بھائی پڑانی لنگیاں باندھے ہوئے تھے، اور ٹاٹ کا ایک ایک ٹکڑا پیٹھ پر بندھا ہوا تھا سردی سے بچنے کے لیے، خیال آیا کہ حمام میں داخل ہوں، چنانچہ کتاہوں کا تھیلہ فروخت کیا، اس کی قیمت میں چند ٹکے ملے، وہ ایک پڑیہ میں باندھ کر رکھ لیے کہ مالک حمام کو دوں گا اور تھوڑی دیر کے لیے وہ حمام میں داخل کر لے گا اور بدن کا میل دھو ڈالیں گے۔ جب میں نے وہ پیسے اس کے سامنے رکھے تو وہ میرا منہ دیکھنے لگا اور ہم کو پاگل سمجھا۔ اور کہنے لگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور لوگ حمام سے نکلنے والے ہیں۔ اور ہم کو حمام میں داخلہ کی اجازت بھی نہ دی، چنانچہ حمام سے ہم شرمندہ ہو کر نکل بھاگے۔ حمام کے دروازے پر اردے کھیل رہے تھے، انھوں نے ہم کو دیوانہ سمجھا اور پیچھے پڑ گئے۔ پتھر پھینکنے لگے اور غل بچانے لگے، چنانچہ ہم ایک گلی میں چلے گئے اور زمانہ کی حالت کو بنظر تعجب دیکھتے تھے اور

اونٹ والا تین دینار مغربی کرایہ مانگتا تھا۔

ناصر خسرو کی ابوالفتح | اب بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہ سوچی کہ وزیر اہواز
 سے جس کا نام ابوالفتح علی بن احمد تھا (رجوع کروں)۔
 علی بن احمد سے ملاقات

یہ وزیر صاحب فضل و کمال تھا۔ شعر اور ادب سے واقف تھا اور فیاض بھی تھا۔ بصرہ میں مع اہل و عیال اور غلاموں کے ٹھیرا ہوا تھا، لیکن اس وقت وہ خود بے کار تھا۔ بصرہ میں میری ایک ایرانی سے دکہ وہ بھی اہل علم تھا، ملاقات ہو گئی تھی اور وہ وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور اکثر وزیر سے صحبت رہتی تھی، لیکن یہ شخص بھی تنگ دست تھا اور اس قدر استطاعت نہ تھی کہ میری مدد کر سکے، لیکن اس نے میرا حال وزیر سے بیان کیا۔ وزیر نے ایک خادم کو مع گھوڑے کے میرے پاس بھیجا کہ جس حال میں ہوں اس کے پاس چلا آؤں۔ لیکن میں اپنی پریشان حالی اور برہنگی سے شرمایا اور جانا مناسب نہ سمجھا۔ عرض نہ کر کے معذرت کر دی اور گزارش کر دیا کہ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس تحریر سے دو مطلب تھے۔ ایک یہ کہ میری محتاجی کی پر وہ پوشی ہو جائے، دوسرا یہ خیال تھا کہ وزیر سمجھے گا کہ شخص بھی صاحب فضل و کمال ہے اور جب اس کو مضمونِ خط پر اطلاع ہوگی تو وہ میری اہلیت کا اندازہ کرے گا اور جب وزیر کا سامنا ہوگا تو ندامت نہ ہوگی۔ چنانچہ وزیر نے اسی وقت تین دینار میرے پاس بھیج دیے کہ اس رقم سے کپڑے بنالو، میں نے دو اچھے جوڑے سلوائے اور تیس دن وزیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ یہ شخص ادیب فاضل، خوبصورت، خلیق اور متدین تھا، تقریر اچھی کرتا تھا۔ اور اس کے چار بیٹے تھے، سب سے بڑا لڑکا فصیح، ادیب، فاضل اور ہوشیار تھا۔ اس کو رئیس ابو عبد اللہ احمد بن علی بن احمد کہتے تھے۔

یہ نوجوان شاعر تھا اور فطرتی بھی اور عقل و فراست کے ساتھ پرہیزگار بھی۔ مجھے اپنے پاس ٹھیرایا۔ چنانچہ اول شعبان سے پندرہ رمضان تک میں ابو عبد اللہ کا مہمان رہا اور وزیر نے اعرابی کو امانٹ کا کرایہ بھی ادا کر دیا اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائی۔ خدا نے پاک اپنے سب بندوں کو قرض سے سبکدوش کرے (بحق الحق و اہلہ) اور جب میں نے بصرہ سے جانا چاہا تو وزیر نے ہم کو انعام و اکرام دے کر دریا کے راستے سے رخصت کر دیا۔ چنانچہ خوش حالی اور اطمینان کے ساتھ ہم لوگ فارس میں پہنچ گئے۔ (اس فیاض آدمی کی برکت سے اور خداوند عالم ایسے فیاض لوگوں سے خوشنودر ہے)۔

مشاہد حضرت علی | بصرہ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کے نام سے تیرہ مشہد
 کرم اللہ وجہہ | (درگاہ) میں منجملہ ان کے ایک کا نام مشہد بنی مازن ہے۔
 یہ وہ ہے کہ جب ربیع الاول ۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت علی بصرہ میں تشریف
 لائے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ (جمل) کے واسطے نکلی تھیں
 اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے مسعود نہشلی کی دختر لیلیٰ سے نکاح کیا تھا
 چنانچہ یہ مشہد اسی لیلیٰ کا مکان ہے۔ اور امیر المومنین علیہ السلام نے بہتر دن اس
 مکان میں قیام فرمایا ہے، اور پھر کوفہ کو تشریف لے گئے۔

دوسرا مشہد جامع مسجد کے پہلو میں ہے جس کو مشہد باب الطیب کہتے
 ہیں۔ میں نے جامع مسجد بصرہ میں ایک لٹھا دیکھا جو تین ہاتھ لانا اور پانچ باشت
 چار انگل موٹا تھا اور اس کا ایک سرا بہت ہی موٹا تھا۔ یہ لٹھا ہندوستان سے
 آیا تھا۔

روایت ہے کہ امیر المومنین اس کو اٹھا کر مسجد میں لائے تھے۔ باقی گیارہ مشہد
 اپنی اپنی جگہ پر ہیں اور میں نے ان سب کی زیارت کی ہے۔

ناصر خسرو دوبارہ | اس کے بعد ہماری حالت درست ہوگئی تو ہم دونوں بھائیوں
حمام بصرہ میں نے کپڑے بدلے اور ایک دن پھر اس حمام میں گئے جہاں
لوگوں نے ہم کو گھسنے نہیں دیا تھا۔ جیسے ہی ہم نے دروازے پر قدم رکھا، مالک
حمام اور جو لوگ وہاں موجود تھے، وہ ہمارے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے
اور ہم داخل حمام ہوئے۔ نہلانے والوں اور مہتمم حمام نے ہماری خدمت کی جب
ہم نہا کر نکلے تو کپڑے اتارنے والے درجہ میں (جامہ کن) جس قدر خادم موجود
تھے وہ ہماری تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور جب تک ہم کپڑے پہن کر
باہر نہیں آگئے اس وقت تک وہ کھڑے رہے اور حمام والوں میں سے کسی
نے اپنے دوست سے کہا کہ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے فلاں روز حمام میں داخل
ہونے سے منع کیا تھا“ اور وہ جانتے تھے کہ ہم ان کی زبان نہیں جانتے ہیں،
چنانچہ میں نے عربی میں جواب دیا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو ہم وہی ہیں جن کی پیٹھ پر کل ٹاٹ
کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا چنانچہ وہ شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔ اور یہ دونوں حالتیں
بین دن کے اندر گزر گئیں۔ یہ تذکرہ میں نے محض اس لیے کیا ہے، تاکہ لوگ سمجھیں
کہ گردش زمانہ سے جو مصائب پڑیں ان سے نالہ و فریاد نہ کرنا چاہیے اور خدا
جل جلالہ و عم نوالہ کے فضل و رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ بڑا رحیم ہے۔

دریائے بصرہ کے مدوجزر اور اس کی نہروں کا بیان

مدوجزر کے اسباب | دریائے عمان کا خاصہ ہے کہ دن رات میں دو مرتبہ
مد (چڑھاؤ) پر آتا ہے، جس سے دس گز پانی اونچا ہو جاتا ہے اور جب پورا
چڑھاؤ ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ گھٹتا ہے۔ اور پانی دس بارہ گز اتر جاتا ہے اور
یہ دس گز (جس کا ذکر ہو چکا ہے) پیمائش، بصرہ میں ایک پیمانہ سے معلوم ہو جاتی ہے

جو ایک دیوار کے نیچے نصب ہو اور اگر اس علاقہ کی زمین نیچی اور سہوار ہوتی تو یہ پانی دور تک پھیل جاتا اور وہی حالت ہوتی جو دجلہ اور فرات کی ہے کیونکہ یہ دونوں اس درجے کست رفتار ہیں کہ بعض مقامات پر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کدھر جا رہے ہیں۔ جب مد ہوتا ہے تو تقریباً چالیس فرسنگ دونوں کا پانی بڑھتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پلٹ کر بلندی پر چڑھ رہا ہے، لیکن بعض مقامات پر دریا کے کنارے) باعتبار بلندی و پستی زمین کے مد و جزر ہوا کرتا ہے، یعنی جس مقام پر نیچی زمین ہوتی ہے، وہاں پانی بہت پھیلتا ہے اور جہاں زمین اونچی ہوتی ہے وہاں کمتر اور اس کو مد و جزر (جوار بھٹا) کہتے ہیں۔ اور اس کا تعلق ماہتاب سے ہے کیونکہ چودھویں تاریخ کو جب ماہتاب راس و زحل کی سمت ہوتا ہے تو پانی میں نہایت مد (چڑھاؤ) ہوتا ہے اور جب ماہتاب افق مشرق و مغرب میں ہوتا ہے تو اس وقت جزر (انار) ہوتا ہے اور مد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب ماہتاب چودھویں تاریخ کو (بحالت بدر) آفتاب کے مقابل ہوتا ہے تو پانی بڑھنا شروع ہوتا ہے یعنی اس وقت مد بہت ہوتا ہے اور پانی زیادہ اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اور جب ماہتاب حالت تریسٹیس میں ہوتا ہے تو پانی گھٹتا ہے، یعنی بوقت مد اس کا ارتفاع اس قدر نہیں ہوتا جس قدر کہ اجتماع اور استقبال کے وقت (یعنی ٹھیک آفتاب کے مقابل) اور یہی مناسبت سے جزر بھی کم ہوتا ہے، اور انہی دلائل کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مد و جزر کا تعلق ماہتاب سے ہے اور واقعی بات خدا کے علم میں ہے۔

شہر ابلہ ^{۲۱۱} شہر ابلہ نہر کے کنارے آباد ہے اور نہر بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر بہت آباد ہے جس میں محلات، بازار، مساجد اور رباط کبیر ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ اصلی شہر نہر ابلہ کے شمالی جانب ہے اور جنوبی

سمت میں بھی محلے، مسجدیں، بازار اور رباط ہیں اور عمارتیں بڑی بڑی ہیں جن سے بہتر اور ستھری دنیا میں نہ ہوں گی۔ اس حصّہ شہر کا نام شق عثمان ہے اور یہ بڑی نہر جو دجلہ اور فرات کا مجموعہ ہے اسی کو شط العرب کہتے ہیں۔ اور نہر اُتْبہ کے مشرق جانب ہے اور شہر جنوب کی طرف ہے۔ نہر اُتْبہ اور نہر محقل دونوں بصرہ میں اگر مل گئی ہیں جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔ بصرہ میں میٹل ناچے ہیں اور ہر ناحیہ میں بکثرت مواضع اور مزرعے ہیں۔

اعمال بصرہ کا بیان

بصرہ کے مشہور ناچے | اعمال بصرہ حسب ذیل ہیں۔
 حِثان، شَرَبیہ، بِلّاس، عَقْر، مِیسان، بَلقیم،
 نحر العرب، شط العرب، سَعْد، سَام، جَعْفَریہ، المِشان، الصّهل،
 الجوّذہ، جزیرۃ العظْم، مرادۃ الشّریر، جزیرۃ لعرش، الحَمیلک، جَزْرہ
 المنفردات۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس جگہ نہر اُتْبہ کا دہانہ ہے کسی زمانہ میں اس جگہ سے کشتی کا پار ہونا ناممکن تھا، کیونکہ یہاں بہت بڑا بھنور پڑتا تھا۔ بصرہ کی ایک متمول بنی بنی نے حکم دیا کہ چار سو کشتیاں چھوارے کی گٹھلیاں بھر کر اور کشتیوں کو مضبوط طریقے سے بند کر کے، اس جگہ ڈوب دی جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد سے کشتیاں گزرنے لگیں۔

ناصر خسرو بصرہ سے | الغرض نصف شوال ۳۲۳ھ کو بصرہ سے روانہ ہو کر کشتی میں سوار ہوا۔ شہر اُتْبہ سے چار فرسنگ تک (جس راستہ سے کہ ہم آئے تھے) نہر کے براہ فارس وطن کو جاتا ہے

دونوں طرف باغ، چمن، محلات اور مناظر تھے اور یہ سلسلہ برابر چلا گیا تھا نہر ابلہ سے ہر طرف شاخیں نکالی ہیں جن میں سے ہر ایک ندی کے برابر ہو، شق عثمان میں پہنچ کر ہم شہر ابلہ کے سامنے کشتی سے اتر کر ٹھہر گئے۔

سترہ سوال کو ایک بڑی کشتی میں سوار ہونے جس کا نام بوحسی تھا جو لوگ اس کشتی کو اطراف و جوانب سے دیکھ رہے تھے، وہ دُعائیں مانگ رہے تھے کہ "ای بوحسی خدا تجھ کو ڈوبنے سے بچائے۔"

عبادان^{۱۲} | عبادان پہنچ کر ہم کشتی سے اترے۔ عبادان مثل ایک جزیرے کے شط العرب کے کنارے آباد ہے اور اس مقام پر شرط کی دو

شاخیں ہو گئی ہیں۔ چنانچہ کسی جانب سے بھی بغیر عبور شرط العرب عبادان میں پہنچ نہیں سکتے ہیں۔ عبادان کی جنوبی سمت میں بحر فارس (شاخ بحر الحیط) واقع ہوا ہے جب شط العرب مد پر آتا ہے تو عبادان کی دیواروں کے نیچے تک پانی آجاتا ہے اور جب اُتار پر ہوتا ہے تو دو فرسنگ ہٹ جاتا ہے۔

عبادان میں لوگوں نے چٹائیاں خریدیں اور کسی نے اشیاء خوردنی دوسرے دن صبح کو پھر بوحسی شط العرب میں چلنے لگی اور ہم جانب شمال روانہ ہوئے، اور دو فرسنگ تک چلے گئے سب لوگ شط العرب کا خوش ذائقہ پانی پیتے ہیں۔ میٹھے پانی کی یہ لہر شعلہ آتش کی طرح درمیان میں رواں تھی۔

حُثَابِیا فانوس البحر^{۲۱۳} | جب آفتاب نکلا تو دریا میں کوئی شجر چٹیا کی طرح نظر آنے لگی اور جس قدر نزدیک ہوتے گئے وہ

بڑی معلوم ہونے لگی۔ جب ہم اس کے مقابل پہنچے اور باتیں ہاتھ پر ایک فرسنگ کا فیصلہ رہ گیا تو باد مخالف چلنے لگی، کشتی کا لنگر ڈال دیا اور بادبان گرا دیے گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا شجر ہے؟ تو سب کہنے لگے کہ یہ حُثَابِ ہے۔

خشاب^{۲۱۲} کی شکل و صورت اس طرح پر ہے کہ ساج کے چار بڑے ستون ہیں جو منجلیق کی طرح مرتج کھڑے کیے گئے ہیں اور ان کا قاعدہ

(نیچے کا ضلع) چوڑا ہے اور لاس (اوپر کا ضلع) تنگ ہے۔ اور سطح آب سے یہ ستون چالین گز بلند ہیں اور اس کے اوپر سنگ ریزے اور پتھر رکھے ہوئے ہیں اور ان کو ستون مذکور سے وصل کر کے چھت کی طرح پاٹ لیا ہے۔ اس چھت پر چار محراب قائم ہیں، جس پر محافظ کشتی موجود رہتا ہے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس خشاب کا بانی ایک بڑا سوداگر ہے اور بعض کا قول ہے کہ کسی بادشاہ کا بنایا ہوا ہے، بہر حال اس تعمیر سے دو مقصد تھے، اول یہ کہ پانی میں جہاں ریت جمع ہو گئی ہے اور پانی گھٹ گیا ہے، اگر وہاں کوئی بڑی کشتی پہنچ جائے تو زمین پر مٹی نہ جائے اور رات کو لال ٹین کے اندر چراغ جلاتے ہیں جو ہوا سے گل نہیں ہو سکتا ہے اور مسافر دؤر سے روشنی دیکھ کر احتیاط کرتے ہیں، کیونکہ اگر کشتی یہاں پہنچ جائے تو پھر اسے کوئی نکال نہیں سکتا ہے۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ سمیتیں (اطراف) معلوم ہوتی رہیں اور اگر کوئی دریائی چور ہو تو دیکھ کر احتیاط کریں اور کشتی وہاں سے واپس لائیں۔ جب اس خشاب سے گزر گئے اور وہ نظر سے غائب ہو گیا تو اسی شکل و صورت کا ایک دوسرا نمودار ہوا، لیکن اس خشاب پر گنبد نہ تھا جو غالباً ناتمام رہ گیا ہے۔ دینے خشاب روشنی کا مینار تھا جس کو لائٹ ہاؤس کہتے ہیں اور عربوں نے اس کا نام فانوس البحر رکھا تھا۔

یہاں سے مسافر (براہ خوزستان) شہر مہربان میں داخل ہوئے۔

مہربان^{۲۱۳} یہ بڑا شہر ہے جو دریائے کنارے کے جنوب مشرق آباد ہے، بازار بھی بڑا ہے اور جامع مسجد بھی خوبصورت ہے، لیکن برساتی پانی پر گزر رہی اور بحیرہ اس پانی کے نہ چاہات ہیں نہ کا ریز، جن کے ذریعے میٹھا پانی مہیا ہو سکے۔ باشندوں

نے حوض اور تالاب بنا رکھے ہیں جس کی وجہ سے پانی کی قلت نہیں ہوتی ہے اور شہر میں تین بڑی مہان سرائے ہیں جس میں سے ہر ایک مثل قلعہ کے مضبوط اور بلند ہے۔ جامع مسجد کے منبر پر یعقوب بن لیث کا نام لکھا ہوا تھا، میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو اس نے بیان کیا کہ اس شہر کو یعقوب بن لیث (دصفان) نے فتح کیا ہے اور اس کے قبل خراسان کے کسی حکمران کو اس کے فتح کرنے کی طاقت نہ تھی۔ جب میں مہر و بان میں پہنچا ہوں، اس وقت ابو کا تجار (دفرمانزلے فارس) کا بیٹا یہاں حکمران تھا۔ اس شہر میں اشیاء خوردنی دوسرے شہروں سے آتی ہیں کیونکہ یہاں صرف محلی کی پیداوار ہے۔ یہ شہر ریمٹ اور بندگاہ ہے۔ یہاں سے اگر دکن کی طرف دریا کے کنارے کنارے جائیں تو ناحیہ توتہ اور گازرون ملتا ہے۔

میں اس شہر میں چند روز مقیم رہا، جس کا سبب یہ تھا کہ راستہ پر خطر تھا اور ابو کا تجار کے بیٹے باہم مصروف جنگ تھے اور ملک میں تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ اراغان میں ایک بزرگ اور فاضل شخص ہے، جس کو شیخ سدید محمد بن عبد الملک کہتے ہیں۔ شہر کے قیام سے چونکہ میں افسردہ خاطر ہو رہا تھا لہذا شیخ کا نام سنتے ہی میں نے اس کو ایک خط لکھا اور اپنے حال سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ مجھے اس شہر سے ایسی جگہ پہنچا دیجیے جہاں امن و امان ہو الغرض خط پہنچتے ہی تیسرے دن میرے پاس تین مسلح پیادے پہنچ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم کو شیخ نے بھیجا ہے کہ ہم آپ کے ہمراہ اراغان چلیں، چنانچہ مجھ کو نہایت آرام سے اراغان لے گئے۔

اراعان ^{۲۱۵} یہ بھی بڑا شہر ہے، بیس ہزار کی مردم شماری ہے۔ اراغان کے شرقی جانب ایک ندی ہے جو پہاڑ سے نکلی ہے اور پھر اس ندی کے شمال سے گھاٹ بڑی

نہریں اور نکالی ہیں اور زر کثیر صرف کر کے شہر میں پانی لائے ہیں۔ پھر شہر سے نہر کو باہر لے گئے ہیں اور اس کے کنارے باغ و چمن لگائے ہیں جن میں کھجور، نارنگیاں، ترنج اور زیتون کے درخت بافراط ہیں۔

آبادی کی یہ کیفیت ہے کہ جس قدر مکانات زمین کے اوپر ہیں اسی قدر زمین کے نیچے بھی ہیں اور ان فیشبی مکانات اور تہ خانوں میں بھی پانی کے نل موجود ہیں جس کی وجہ سے گرمیوں میں آرام ملتا ہے۔ مہروبان میں ہر ملت و مذہب کے آدمی موجود ہیں اور فرقہ محترمہ کا امام ابو سعید بصری ہے۔ یہ فصیح البیان شخص تھا، علم ہندسہ اور حساب میں بھی اس کو دعویٰ تھا، چنانچہ علم کلام اور حساب وغیرہ میں ابو سعید سے میرا مباحثہ ہوا اور دونوں طرف سے خوب ہی سوال و جواب ہوئے۔

محرم ۲۲۳ھ کے شروع میں براہ کوستان
سیاحت کا اٹھواں سہال مہروبان سے اصفہان کو روانہ ہوا۔ راستہ

میں ایک تنگ درہ ملا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہرام گور نے اس کو تلوار سے کاٹا ہے اور اسی لیے اس کا نام شمشیر برید ہے۔ اس جگہ پانی کی افراط ہے جو دائیں ہاتھ کی جانب ایک جھرنے سے نکلتا ہے اور بلندی سے نیچے کو دوڑتا ہوا آتا ہے۔ عوام کا بیان ہے کہ موسم گرما میں ہمیشہ پانی آتا ہے اور جاڑے میں ٹک کر ٹیج ہو جاتا ہے۔

یہاں سے لوردغان میں داخل ہوا جو ارغان سے چالیس
لوردغان فرسنگ ہے۔ لوردغان سے صوبہ فارس کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں اس شہر سے خان لنجان میں پہنچا، جس کے صدر دروازے پر سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہاں سے اصفہان سات فرسنگ ہے۔ خان لنجان کی رعایا بہت ہی امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہے اور سب کا روبرو لوگ ہیں۔

۲۱۷
اصفہان | خان لنگان سے چل کر آٹھ صفر ۱۲۴۴ھ کو میں اصفہان میں داخل ہوا۔ بصرہ سے اصفہان تک ایک سو اسی فرسنگ کی مسافت ہو۔

شہر اصفہان مسطح زمین پر آباد ہے۔ آب و ہوا اچھی ہے اور دن گز زمین کھودنے پر ٹھنڈا اور شیریں پانی نکل آتا ہے۔ شہر کی فصیل بلند اور مضبوط ہے جس میں دروازے اور مورچے بنائے ہیں اور تمام فصیل پر کنگرے ہیں۔ شہر کے اندر نہریں بہتی ہیں اور عمارتیں بلند و خوبصورت ہیں۔ وسط شہر میں ایک بڑی اور خوشنما جامع مسجد ہے۔ شہر نیاہ کی دیوار ۱۳ فرسنگ میں ہے۔ تمام شہر آباد ہے، کسی جگہ ویرانہ نظر نہیں آیا بازار بہت ہیں، صرفہ بازار میں دو سو صراف ہوں گے۔ ہر بازار الگ الگ ہے اور اس کی حد بندی دروازوں سے کی گئی ہے، یہی حالت تمام شہر کے محلوں کی ہے جس میں مضبوط دروازے لگے ہوئے ہیں۔ مہان سرائیں اچھی تھیں اور ایک کوچہ تھا جس کا نام کو طراد تھا، چنانچہ اس کوچہ میں پچاس سرائیں تھیں اور ہر ایک سرائے میں دلال اور تاجر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس قافلہ کے ہمراہ میں آیا تھا ان کے پاس ایک ہزار تین سو خروار وزن تھا۔ جب میں شہر میں پہنچا تو قافلہ والوں میں سے کوئی نظر نہ آیا کہ یہ لوگ کہاں اترے، کیونکہ نہ قلت جگہ کی شکایت تھی، نہ کمی خوراک کی۔

جب سلطان طغرل بیگ ابوطالب محمد بن میکائیل بن سلجوق رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو فتح کیا ہے تو اصفہان کا والی ایک نیشاپوری جوان تھا جو ادیب، خوشنویس، سلیم الطبع اور خوبصورت تھا جس کو خواجہ عمید کہتے تھے۔ علم دوست فصیح البیان اور فیاض تھا۔ اور سلطان نے حکم دیا تھا کہ "تین برس تک رعایا سے خراج نہ لیا جائے، چنانچہ خواجہ نے اس پر عمل کیا۔ اور آوارہ وطن اشخاص آکر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اور خواجہ عمید سلطان کے ارکان مشورہ میں سے تھا۔

میرے پہنچنے سے پہلے یہاں عظیم الشان قحط تھا لیکن جب میں پہنچا ہوں اس وقت جو
 کے کھیت (فصل ربیع) کٹ رہے تھے۔ گیہوں کی سوا دو سیر (۲ ۱/۲) روٹی ایک درہم
 عدلی کو فروخت ہوتی تھی اور اسی حساب سے جو کی روٹی ساڑھے چار سیر (۴ ۱/۲)
 بجتی تھی۔ لوگوں کا بیان تھا کہ ایک درہم میں بارہ سیر روٹی سے کم کبھی کسی نے فروخت
 ہوتے نہیں دیکھی ہے۔ جن ممالک میں فارسی زبان بولی جاتی ہے میں نے ان شہروں
 میں اصفہان سے زیادہ خوبصورت اور آباد کوئی دوسرا شہر نہیں دیکھا ہے۔ کہتے
 ہیں کہ اگر گیہوں اور جو اور دوسرے غلے میں سال تک کھتوں میں رکھے رہیں
 تو خراب نہیں ہوتے۔ بعض کا قول ہے کہ جب فصل شہر نہ تھی تو آب و ہوا بہت
 ہی اچھی تھی اب فصل بنانے سے تبدیل ہو گئی جس کی وجہ سے بعض اشیا خراب
 ہو جاتی ہیں۔ لیکن دیہات کی آب و ہوا بدستور ہے۔ چونکہ قافلہ دیر میں پہنچا اس لیے
 بیس دن تک اس کے انتظار میں اصفہان میں مقیم رہا۔

۲۱۸۷ | اٹھائیس صفر ۳۲۲ھ کو اصفہان سے روانہ ہو کر موضع ہیشما باد میں
 پہنچا اور یہاں سے براہ صحر او کوہ مکیان قصبہ نائین میں داخل ہوا۔

اصفہان سے اس قصبہ تک تین فرسنگ کا فاصلہ تھا اور نائین سے چالیس فرسنگ
 چل کر موضع کرمہ میں آیا۔ یہ جنگلی پرگنہ کا ایک موضع ہے جس میں دس بارہ گاؤ آباد
 ہیں اور یہ گرم مقام ہے۔ کھجور کے باغات ہیں۔ یہ ناحیہ قدیم زمانہ میں کوفچی دربان
 کے ڈاکو قوم کے قبضے میں تھا۔

امیر ابو الحسن گیلکی بن محمد
 فرما زوائے طبرس کے حالات

میرے زمانہ سیاحت میں امیر گیلکی نے
 ان لوگوں سے یہ ناحیہ چھین لیا تھا اور اس
 امیر کی طرف سے ایک موضع میں جس میں

ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہے، اس کا نائب رہتا ہے۔ اور اس موضع کا نام پیادہ ہے

اور ناسب مذکور اس علاقہ کا منتظم ہو۔ وہی راستوں میں امن و امان قائم رکھتا ہو۔ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لیے کہیں جاتے ہیں تو امیر گیلگی کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے ہیں اور ان کو گرفتار کر کے مال چھین لیتے ہیں اور قتل کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس سردار کی نگرانی کے باعث راستہ پُر امن اور مخلوق آسودہ ہو (خدا نے تبارک تعالیٰ تمام شاہان عادل کا محافظ اور مددگار رہے اور سلاطین سلف کی روحوں پر اپنی رحمت نازل کرے)۔

اس جنگل کے راستہ پر دو دو فرسنگ کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے برج بنا دیے ہیں اور حوض بھی ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہو۔ اور یہ حوض ایسے مقام پر ہیں جہاں کی زمین میں کھا نہیں ہو۔ اور یہ برج اس لیے بنائے ہیں کہ مسافر راستہ نہ بھولیں اور نیز گرم و سرد موسم میں تھوڑی دیر ان میں آرام کریں۔

راستے میں ریگ رواں (ایک قسم کی دلدل) بہت ہو۔ اس ریگستان میں اگر کوئی راستہ بھول جائے تو پھر اس کا ریگ سے نکلنا محال ہو رہی جاتا ہو۔ ریگستان طو کرنے کے بعد زمین شور نمایاں ہوئی جس کی سطح ابھری ہوئی تھی۔ چھو فرسنگ تک اسی قسم کی زمین تھی۔ اگر کوئی شخص ذرا بھی راستے سے بہک جائے تو اس زمین میں دھنس جائے۔ یہاں سے میں براہ رباط زبیدہ جس کو رباط مرامی بھی کہتے ہیں روانہ ہوا۔ رباط زبیدہ میں پانچ کنویں ہیں۔ اگر یہ رباط اور چاہات نہ ہوتے تو اس جنگل سے کوئی مسافر گزر نہیں سکتا تھا۔ یہاں سے موضع رستا باد میں داخل ہوا۔ جو طبس کے چار مواضعات میں سے ایک موضع ہے اور نویں ریج الاول کو شہر طبس میں داخل ہوا۔

طبس^{۲۱۹} | اصفہان سے طبس تک ایک سو دس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

شہر طس کی آبادی گنجان اور دیہات سے مشابہ ہو، پانی کی کمی ہو اور زراعت بھی کمتر ہو۔ لیکن نخلستان اور باغات بہت ہیں۔ جب طس سے شمال کی طرف چلیں تو چالینگ فرسنگ کی مسافت پر نیشاپور آتا ہے اور جب جنوب کی سمت سے ضبیص کو براہ بیابان روانہ ہوں تو یہی چالینگ فرسنگ کی مسافت ہو۔ اور شرق میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ اس وقت طس کا حاکم گیلیکی بن محمد تھا جس نے طس کو بزور تلوار فتح کیا ہے۔ رعایا بہت امن اور آسائش سے رہتی ہے۔ چنانچہ شب کو مکالوں کے دروازے بند نہیں کرتے ہیں اور مواشی گلیوں میں کھلے پھرتے ہیں (باوجود کہ فصیل نہیں ہے) اور کسی عورت کی یہ طاقت نہیں ہو کہ غیر آدمی سے باتیں کرے اور اگر ایسا ہو تو دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور امیر کے عدل و حفاظت کی وجہ سے چور اور ڈاکو بھی نہیں ہیں۔ عرب و عجم میں صرف چار مقام پر انصاف اور امن و امان میں نے دیکھا ہے (۱) ناحیہ رشت میں بزمانہ حکومت لشکر خال (۲) دلیستان میں بزمانہ امیر امیران جستان بن ابراہیم (۳) امیر المومنین المنتصر باللہ فاطمی کے عہد میں (۴) طس میں بزمانہ حکومت ابو الحسن گیلیکی بن محمد۔ میں نے جہاں تک سیاحت کی ہے، بجز ان چار مقامات کے اور کہیں ایسا امن و امان نہ دیکھا ہے، نہ سنا ہے۔ امیر مذکور نے طس میں مجھے سترہ دن مہمان رکھا، دعوتیں کیں اور رخصت کے وقت صلہ دیا اور پھر مجی معذرت کی (خداوند تعالیٰ اس سے خوشنود ہو) اور ایک سوار کو زوزن تک میرے ساتھ روانہ کیا جس کا فاصلہ بہتر فرسنگ تھا۔ طس سے بارہ فرسنگ پر ایک قصبہ ملا جس کو رستہ کہتے ہیں۔

اس قصبہ میں پانی کے چشمتے تھے، کھیت، باغ، درخت، فصیل، جامع مسجد، مواضع اور مزرع بھی بکثرت تھے۔ نویں ربیع الثانی کو رتہ سے

روانہ ہو کر بارہویں کو شہر تون میں پہنچے۔ رقبہ اور تون میں بینا فرسنگ کا فاصلہ ہے۔
تون ۲۲۱ | تون کسی زمانہ میں بڑا شہر تھا، لیکن جب میں نے دیکھا، اس وقت اکثر حصہ دیران ہو چکا تھا۔ اور جنگل کے کنارے آباد ہے۔ چپتے اور کاریز موجود ہیں۔ مشرقی سمت میں بکثرت باغات ہیں اور قلعہ بھی مضبوط ہے۔

کہتے ہیں کہ اس شہر میں چار سو کاریز ہیں جن میں مصلے بنے جاتے تھے۔ اور شہر کے مکانوں میں پستے کے درخت بہت تھے۔ بلخ و تخارستان کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ پستے کا درخت بجز پہاڑ کے نہ کہیں اگتا ہے اور نہ کہیں ہوتا ہے۔

جب میں تون سے روانہ ہوا تو سوار مذکور نے بیان کیا کہ
کاریز کنابد ۲۲۱ | ایک مرتبہ میں تون سے کنابد کو جا رہا تھا کہ رہزموں نے جنگل سے نکل کر ہم پر حملہ کیا، چند آدمی ڈر کر کاریز کے کنویں میں جا گرے، اس کے بعد ان میں سے ایک شخص کا باپ آیا جو اپنے بیٹے کو از حد چاہتا تھا۔ اس نے اجرت دے کر ایک آدمی کو کاریز میں اتارا کہ اس کے لڑکے کو نکال لائے۔ چنانچہ بہت سی رسیاں فراہم کی گئیں اور بہت لوگ جمع ہو گئے۔ سات سو گز رسی بچھی گئی تب وہ مزدور کاریز کی تہ میں پہنچا اور نخس کورستی میں باندھ کر کھینچ لیا۔ جب وہ مزدور باہر نکلا تو اس نے بیان کیا کہ اس کاریز کے اندر پانی بافرط ہے اور چار فرسنگ تک چلی گئی ہے۔ اور مشہور ہے کہ کینخسرو کے حکم سے یہ کاریز تعمیر کی گئی ہے۔

قائن ۲۲۱ | ۲۳ ربیع الاول کو میں شہر قائن میں پہنچا، تون سے یہاں تک اٹھارہ فرسنگ ہوتے ہیں۔ لیکن قافلہ چار دن میں پہنچتا ہے، کیونکہ اس منزل کے کوس سخت ہیں۔

قائن بڑا شہر اور مستحکم ہے جس کے گرد خندق ہے اور جامع مسجد بھی شہر کے اندر ہے اور جس جگہ مقصورہ ہے وہاں بڑی محراب ہے اور تمام خراسان میں اتنی بڑی محراب میری نظر سے نہیں گزری، لیکن یہ محراب مسجد کے شایان نہیں ہے۔ اور تمام شہر کے مکانات کی چھتیں لداؤ ہیں (جن پر گنبد ہیں)۔

قائن سے جب مشرق و شمال کی طرف روانہ ہوں تو اٹھارہ فرسنگ پر زوزن^{۲۲۳} ہے۔ اور جنوبی سمت میں تین فرسنگ پر ہرات ہے۔ قائن میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کو ابو منصور محمد بن دوست کہتے تھے۔ ہر علم سے باخبر تھا، طب، نجوم اور کسی قدر منطق بھی جانتا تھا۔ مجھ سے سوال کیا کہ افلاک اور ستاروں کے ماورا کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ چیز کا اطلاق صرف ان اشیاء پر ہوتا ہے جو داخل افلاک ہیں (نہ کسی اور پر)۔ یہ سن کر کہنے لگا کہ ان گنبدوں (افلاک) کے ماورا کچھ اور ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ضرور ہونا چاہیے، کیونکہ عالم محدود ہے جس کی حد فلک الافلاک ہے۔ اور حد کی تعریف یہ ہے کہ اپنی جز سے جدا نہ ہو۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا تو واجب آیا کہ افلاک کی اندرونی کیفیت بیرونی کے مخالف ہو، پس جس شیء کو عقل ثابت کرتی ہے وہ غیر متناہی ہے۔ اور اگر وہ تو کہاں تک؟ اور اگر غیر متناہی نہیں ہے تو وہ کیوں کر فنا ہوگا؟ الغرض اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں اس مسئلہ میں حیرت زدہ ہو رہا ہوں میں نے کہا سب کا یہی حال ہے۔ الغرض عبید نیشاپوری اور رتیس زوزن کی باہمی مخالفت کے سبب سے ایک مہینہ تک قائن میں قیام رہا۔ اور امیر گیلکی کی سوار کو میں نے یہاں سے واپس کر دیا۔ اور قائن سے بقصد روانگی سرخس روانہ ہوا۔ اور دوسری جمادی الآخر کو سرخس میں داخل ہوا۔ بصرہ سے سرخس تک تین سو نوے فرسنگ کا فاصلہ شمار میں آیا۔

سرخس | سرخس سے میں رباط جعفری، رباط عمروی اور رباط لغمتی کے راستے سے روانہ ہوا، کیونکہ یہ تینوں رباط اس منزل میں قریب قریب واقع ہیں۔

مرورود | اور بارہویں جمادی الثانی کو میں شہر مرورود میں پہنچا۔ اور دو یوم کے بعد براہ آب گرم یہاں سے روانہ ہو کر انیس تالیخ کو فاریاب میں داخل ہوا جو مرورود سے پھتیس فرسنگ تھا۔ اس وقت خراسان کا فرمانروا چغری بک ابوسلمان داؤد بن میکائیل بن سلجوق تھا۔ مگر ان دنوں امیر مذکور شہزادگان میں تھا۔ اور وہاں سے مرو (شاہ جان) جانے کا قصد تھا جو اس کا دار الحکومت تھا، لیکن راستہ کی بدامنی سے میں سنگلان کو چلا گیا۔ اور یہاں سے براہ ستر درہ بلخ میں داخل ہوا۔

بلخ | جب میں رباط ستر درہ میں پہنچا تو سنا کہ میرا بھائی خواجہ ابوالفتح عبد الجلیل وزیر خراسان (ملقب بہ ابونصر) کے ارکان میں ہے۔ اور مجھے خراسان سے نکلے ہوئے سات برس ہو چکے تھے۔ جب دست گرد میں پہنچا تو میں نے ایک بھیر و بنگاہ دیکھی کہ شہزاد خان کو جا رہی ہے۔ میرا دوسرا بھائی خواجہ ابوسعید جو ہم سفر تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ جواب ملا کہ ذریکا! پھر پوچھا کہ تم ابوالفتح عبد الجلیل کو پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالفتح کا ملازم ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اسی وقت ایک شخص آیا اور پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ ہم نے کہا کہ حج سے۔ اس نے کہا کہ ہمارے خواجہ کے دو بھائی تھے اور وہ دونوں عرصے سے حج کو گئے ہوئے ہیں اور خواجہ ہمیشہ ان کا مشتاق رہتا ہے، لیکن جس کسی سے پوچھتا ہے کوئی حال نہیں بتاتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ میں نا صر کا خط لایا ہوں، جب تمہارا آقا ملے گا تو اس کو دوں گا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ قافلہ سڑک پر ٹھیر گیا اور ہم بھی راستے پر کھڑے رہے۔ اس نوکر نے کہا کہ اب

خواجہ آیا ہی چاہتا ہی، تم کو موجود نہ پائے گا تو رنجیدہ ہوگا۔ اگر تم ناصر کا خط مجھ کو دو تو میں خواجہ کو دے دوں، وہ بہت خوش ہوگا۔ میرے بھائی نے کہا کہ تم ناصر کا خط چاہتے ہو یا خود ناصر کو؟ دیکھو یہ ناصر ہی! وہ خادم خوشی کے مارے ایسا متوالا ہو گیا کہ اس سے کچھ اٹھاتے دھرتے نہ بن پڑا۔ میں دیہات کے راستے سے لہج کو جا رہا تھا اور خواجہ ابوالفتح دست گرد سے آ رہا تھا اور میری خدمت میں خراسان کو جا رہا تھا۔ میرا حال سن کر دست گرد سے لوٹا اور جو کھان کے پل پر ٹھہر گیا، یہاں تک کہ ہم بھی پہنچ گئے۔ یہ شنبہ کا دن تھا اور چھبیسویں تاریخ جمادی الثانی ۱۱۷۷ھ (دسمبر ۱۷۵۲ء) کی تھی۔ بھائی سے ملنے کی کوئی امید نہ تھی اور میں خود متعدد مرتبہ ہلاکت میں پڑ چکا تھا اور امید حیات باقی نہ تھی۔ ایسی حالت میں بھائی سے مل کر اور اس کو دیکھ کر از حد مسترت ہوئی اور خداوند تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اور اسی دن ہم سب لہج پہنچ گئے اور میں نے حسب حال یہ مین شعر لکھے:-

رنج و عنائے جہاں اگر چہ دراز است

با بد و نیک بیگماں بر آید

چرخ مسافر ز بہر ماست شب و روز

بہر چہ یکے رفت بر اثر دگر آید

ما سفر برگزشتنی گزرانیم

تا سفر ناگزشتنی بدر آید

ترجمہ اشعار فارسی حسب ذیل ہے :-

رنج و غم ہیں گرچہ دنیا کے طویل
نیک و بد کرتے ہیں سب انساں سبر
واقعہ ہے یہ ”ہمارے واسطے
آسمان ہر رات دن گرم سفر“
دوسرا ہوتا ہے اس کا جانشین
ایک جب دنیا سے جاتا ہے گزر
میں بھی ہوں اس راستہ پر گامزن
جس سے ممکن ہی نہیں راہ مفر
ختم ہو یعنی کسی عنوان سے
دادی دشوار و بحرِ خطر

میں پنج سے مصر گیا تھا اور دہاں سے مکہ معظمہ اور پھر بصرہ ہو کر فارس میں
واپس آیا اور بلخ میں داخل ہو گیا۔ علاوہ بریں ان ممالک کے اطراف میں زیارتوں کو
بھی گیا تھا، چنانچہ مجموعی مسافت میری سیر و سیاحت کی دو ہزار دو سو بیس
فرسنگ تھی۔

میں نے جو کچھ دیکھا تھا، اس سرگزشت کو سچائی سے لکھ دیا ہے۔ بعض
روایتیں جو میں نے سنی ہیں اگر اس میں کچھ خلاف ہو تو ناظرین اس خاکسار کی
جانب منسوب نہ کریں اور مواخذہ سے معاف فرمائیں اور بُرے الفاظ سے
یاد نہ کریں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور سفر مشرق کا اتفاق ہوا تو جو کچھ مشاہدہ
کردں گا وہ بھی اس سفر نامہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ
وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

حواشی سفر نامہ متعلق ہمسار و دیار مشاہیر حکما و علما وغیرہ

۱۔ قبادیان | بلج کا مشہور ناحیہ تھا، اب دیران ہے۔ عجم البلدان یا قوت حموی صفحہ ۲۳ جلد ۷۔

۲۔ مرو | مطلق مرو سے ہمیشہ مرو شاہ جان مراد ہوتا ہے۔ شیخ شیراز فرماتے ہیں ۷ طیبیہ پری چہرہ در مرو بود۔ کہ در باغ دل قامتش سر و بود ارباب جغرافیہ کا قول ہے کہ ”بہ لحاظ عظمت و شان اس شہر کو شاہ جان لعینی نفس السلطان (روح سلطان) کا خطاب دیا گیا تھا۔ اور یہ عربی لہجہ ہے خراسانی مروز اور مرو شاہ جہاں کہتے ہیں لیکن اس میں بھی وہی جلالت و عظمت ہے۔ صوبہ خراسان میں مرو، أم القری کا درجہ رکھتا ہے۔ ابو اسحاق اصطرخسی جس نے ۳۳۲ھ / ۹۵۱ء میں بلاد العرب سے ہندوستان تک سیاحت کی ہے اپنے جغرافیہ مسالک الممالک میں لکھتا ہے کہ ”مرو ہمیشہ مرو شاہ جان کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق طہورت پیشدادی کا بنا کر دہ ہے اور شہر کا بانی ذوالقرنین ہے۔ مرو ایک کھلے ہوئے میدان میں آباد ہے جس کے اطراف میں پہاڑوں کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ زمین ریتی ہے اور تمام عمارتیں مٹی کی ہیں۔ تین مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ان مساجد میں ایک مسجد بازار اور دارالامارۃ، ابو مسلم خراسانی بانی دولت عباسیہ کی یادگار ہے۔ اصطرخسی کے زمانہ سیاحت تک امرائے مرو دارالامارۃ میں اجلاس کرتے تھے۔ یہ عمارت اینٹوں کی تھی اور اس کا قتبہ ۵۵ گز دور کا تھا، قلعہ وسعت میں شہر کے برابر تھا لیکن اب دیران دشکستہ ہو چکا ہے۔ باوجود بلندی کے قلعہ کے اوپر ہنوز کاریز (زمیں دوزنہر) جاری ہیں جن سے کھیتیاں ہوتی ہیں۔ بازار اعلیٰ درج

کے صاف ستھرے میں عید کی نماز محلہ راس المیدان میں ہوتی ہے اور شہر کے اندر چار نہیں ہر مزقہ، ماجان، رزق، نہر سعدی خراسانی جاری ہیں اور ان سب کا منبع دریائے مرغاب (ما، مرو) ہے جو بامیان کی طرف سے بہتا ہوا آتا ہے جس کے گرد عمارات مساجد اور بازار ہیں اور شہر کے اندر چاکر دروازے ہیں۔ باب المدینہ، باب سخجان، باب بالیں، باب درمشکان۔ ابتدا میں مرو شاہ جان، مامون الرشید عباسی کا دار الخلافہ تھا اور وہ اس شہر کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور اس کا محل باب درمشکان میں تھا۔ ۱۹۶۲ء میں امین الرشید پر فتح پانے کے بعد بغداد میں منتقل ہوا۔

عباسیوں کے بعد آل سلجوق کا دار الحکومت قرار پایا اور سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں بڑے عروج پر تھا۔ ۱۱۶۱ء میں تولی خاں نے تباہ کیا۔ اس وقت مرد فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں ۹۰ ہزار فوج موجود تھی اور تینوں مسجدوں میں نماز ہوتی تھی۔ تولی خاں نے قتل عام کیا اور تقریباً ۲۰۰ برس تک مرو ویران پڑا اور ۱۲۳۹ء میں شاہرخ مرزانے از سر نو آباد کیا اور دریائے مرغاب سے نہر لایا (آب رفتہ بخو آمد) اور قدیم بند کو درست کیا۔ عمق نہر ۲۰ گز سے ۵۰ گز تھا۔ دسویں صدی ہجری میں اوزبکوں نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب گھنڈرات باقی ہیں۔ مرو علمی بستی تھی جس کے فقیہ اور ادیب مشہور ہیں۔ جامع مسجد اور مدارس میں دس عظیم الشان کتب خانے تھے جس کی تفصیل مجمع البلدان میں ہے۔ حکیم برزویہ اور بابر بدخنی کا وطن تھا۔ آب و ہوا ضرب المثل تھی۔ نہروں کی وجہ سے پانی کی افراط تھی۔ ہر گھر میں حمام تھے۔ روٹی بہ لحاظ ذائقہ تمام خراسان میں مشہور تھی۔ تر بوز عراق تک جاتا تھا۔ ریشم کی پیداوار بہت تھی۔ جرجان اور طبرستان میں جب ریشم کے کارخانے قائم ہوئے تو کپڑے مرو سے بھیجے گئے تھے۔ مرو کے ریشمی کپڑے بھی مشہور ہیں اور میوہ میں منقہ، انجیر، عناب بافراط ہوتا تھا۔ مرو کے مشہور قریے اور ناچے حسب ذیل ہیں:-

خرق، ہرمز قرہ، باشان، سجان، سوسقان، دندالقان، مروارود، قصر خف اور لوگر۔ مرو سے بعض مشہور شہروں کے فاصلے حسب ذیل ہیں:-

نیشاپور۔ ۷۰ فرسنگ، سرخس۔ ۳۰ فرسنگ اور پنج = ۱۲۲ منزل۔ نقشہ میں مرد کا موقع حسب ذیل ہے: طول البلد ۴۲ درجے ۱۰ دقیقہ مشرق، عرض البلد ۳۷ درجے ۳۰ دقیقہ شمال (انتخاب از مصطحی صفحہ ۲۵۸۔ مقدسی ۲۹۸، ابن حوقل ۳۱۴، ہمائی ۳۲۰ معجم یا قوت ۳۷ و گنج دانش حالات مرو و صور الممالک قلمی)۔

پنج دیہہ | جس کا عربی میں "الخمیس خذری" ترجمہ ہوا اس کا مختصر نام خمقری ہے۔ خراسان کے ناحیہ مرو و رود میں ایک نہایت سرسبز اور آباد قصبہ تھا۔ ابتدا میں پنج گانو کی آبادی ایک دوسرے سے متصل تھی لیکن آخر میں ترقی کر کے یہ پنج گانو ایک قصبے کی صورت میں آباد ہو گئے اور اس مجموعہ کا نام پنج دیہہ قائم رہا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں پنج دیہہ بڑے عروج پر تھا۔ تاتاریوں نے جب خراسان پر حملہ کیا ہو اس وقت آبادی منتشر ہو گئی۔ یہ ایک علمی بستی تھی، ابو عبد اللہ محمد شایخ مقامات تحریری متوفی ۵۸۲ھ اس خاک کا ایک نامور عالم تھا۔ اب بھی پنج دیہہ روسی ترکستان میں ایک قصبے کی حیثیت سے آباد ہے۔ نقشہ میں کشک (مرغاب) ندی کے کنارے جانب مشرق واقع ہے طول البلد ۶۲ درجے ۴۵ دقیقہ مشرق اور عرض البلد ۳۵ درجے ۵۸ دقیقہ شمال ہے۔ ضیاء الملک والذین امیر عبدالرحمن خاں والی خداداد افغانستان کے عہد میں گورنمنٹ روس کے مقابلے میں جب حد بندی کے لیے کمیشن مقرر ہوا تو مارچ ۱۸۵۵ء میں پنج دیہہ حدود افغانستان سے خارج ہو کر روسی ترکستان میں داخل ہو گیا۔ اور اس وقت فوجی چھاوٹی ہے۔ آبادی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تختہ بازار مشہور چوک ہے، نہایت سرد مقام ہے، موسم سرما میں پنج دیہہ کی پہاڑی برف پوش چوٹیوں کا منظر نہایت دلکش ہوتا ہے کسی شاعر نے

کیا خوب کہا ہے:-

دامن کہار میں پیک نظر کے سامنے سلسلہ تھا ایک چٹانوں کا سرسبز و تاب
ان کے اوپر چوٹیاں ابرو پہ بل ڈلے ہوئے جن کے عارض پر پڑا تھا ابرسین کا نقاب
سب کے اوپر برف کا دیائے اہیں موجزن جس کو سورج نے کیا تھا غیرت لعل مذاب
(معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ و صفحہ ۳۶۵ و انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا دنیا بان فارس)

مرو الرودیامروالنہر | چونکہ یہ شہر نہر کے کنارے آباد تھا لہذا مرو الرود
مشہور ہوا۔ حکیم زجاجی کہتا ہے

بنا کام در مرو رودش بخشش از اں پس کہ شد روزگارش درشت
آب مرغاب کا سر چشمہ کوہ بامیان ہے۔ آب مرو، بلخ، ہرات، اور سبستان کی
ندیاں بھی اسی سے نکلی ہیں۔ یہ مرو شاہ جان سے بہت چھوٹا ہے۔ لغت عرب میں مرو
اس سفید پتھر کو کہتے ہیں جس سے آگ جلاتے ہیں (چھماق) اور سرخ پتھر سے آگ
نہیں جلائی جاتی چونکہ اس علاقے میں سفید پتھریاں اور سفید رنگ کے ریزے بہت
ہیں۔ لہذا اس مناسبت سے شہر کا نام مرو قرار پایا تھا۔ ۳۵۵ء سے گورنٹ روس
کے قبضے میں ہے اور روسی ترکستان میں شامل ہے۔ ہرات سے ۲۳۰ میل اور خجوا سے
۲۸۰ میل کا فاصلہ ہے۔ ۶۳ درجے ۳ دقیقہ طول البلد مشرق اور ۳۶ درجہ ۲۸ دقیقہ شمال
عرض البلد ہے۔ مرو شاہجان سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ مرو کی آبادی نہایت
قدیم ہے۔ اس کا یونانی نام مرچیانہ یعنی عوس البلاد ہے۔ عربوں کے عہد میں بھی نہایت
آباد رہا۔ مرو کے مشہور مقامات میں سے قصر آحف اور دزہ ہیں۔ قصر مذکور بلخ کے
راستے پر ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ اور دزہ انبار کی سڑک پر تھا جس کی مسافت
مرو سے ۴ فرسنگ تھی۔ یہاں نہریں جاری تھیں، باغات کی افراط تھی جن میں انگور کبوتر
پیدا ہوتا تھا۔ ایک صدی گزری ہو کہ قدیم مرو کو روس نے تباہ کر دیا ہے جس کے کھنڈرات

باقی ہیں اور مسلمان فاتحین کے مزار ان کی فتوحات کی یاد دلاتے ہیں۔ جدید مرو
 قدیم شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر آباد کیا گیا ہے اور یقین ہے کہ مرور و کو آئندہ
 بڑی ترقی نصیب ہوگی۔ کیونکہ سیاسی حیثیت سے اس کا موقع نہایت اہم ہے
 علاوہ ازیں زراعت و تجارت کے کافی وسائل موجود ہیں۔ **عاشق آباد**
 ترکستان میں روسیوں کا نیا شہر جس کی آبادی دس ہزار ہے متصل علاقہ تفتی
 ترکمان) سے جو بڑی تجارتی سڑک مشہد مقدس کو کوہستان کے محاذ میں جاتی
 ہے اور مشرق میں مرو کی طرف گھوم کر آڈل بہری رود بعدہ دریائے تجند کو عبور
 کرتی ہے، اس پر ریلوے لائن ہے جو بخارا کے علاقے میں ہو کر سینٹ پیٹرسبرگ
 (پیٹروگراد یا لینن گراڈ) دارالحکومت روس تک گئی ہے۔ دریائے مرغاب کے عہد
 مرو کے علاقے میں نہایت سرسبز و شاداب نخلستان (کھجور کے باغات) ہیں اور اطراف
 شہر میں باغات ہیں جن میں انگور اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور خربوزہ بھی، مرو کا بازار **مرو**
 ہے، جہاں اونٹ، گھوڑے، بھیریں اور ترکمانی قالینوں کی تجارت ہوتی ہے۔
 بردہ فروشی کا بازار اب سرد پڑ گیا ہے۔ ملکی پیداوار میں کپاس خوب ہوتی ہے پہاڑوں
 سے گندھک، نمک، کوئلہ وغیرہ کافی مقدار میں نکلتا ہے۔ مرو کی نسبت سے
 مرو دشت بھی مشہور ہے لیکن وہ صوبہ فارس کا ایک جنگل ہے جس کو مرور و سے
 کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مرو کی نسبت مروی اور مروزی آتی ہے۔ **صطری ۲۶۹**۔

(مجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۲ و کتاب "ورلڈ آف ٹوڈے" حالات روسی ترکستان
 جلد دوم جدید حالات کے لیے مسٹرا مینڈ کا سفر نامہ (مرواوسس) دیکھنا چاہیے
 جس میں آثار قدیمہ کے بھی نقشے ہیں۔

ترکستان اور بلاد چین کے مابین جو عظیم الشان
 درہ کوہ واقع ہے وہی ترکی اقوام کا مسکن تھا

۵۔ ابو سلیمان جعفری بک

اور ان اقوام کے اسباب حیات بھی اسی جگہ مہیا تھے۔ غزنی، خطائی، تاتاری، ترکمانی، سلجوقی سب ایک ہی قبائل ہیں اور پھران میں تاتاری اور سلجوقی خاص کر ممتاز ہیں۔ سلجوقی بانی خاندان کا نام تھا جس کے دو پوتے طغرل بک محمد اور اورچغری بک داؤد نہایت نامور ہوئے اور انھوں نے اپنے قبائل کی مدد سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ ناصر خسرو جب سفر کو نکلا تو اس وقت چغری بک اپنے بڑے بھائی طغرل بک کی طرف سے حجّون سے نیشاپور تک جو علاقہ تھا اس کا والی (گورنر) تھا۔ ۴۲۱ھ میں جب سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو طغرل بک اور چغری بک نے ملک میں عام بغاوت کردی اور فریقین میں مقابلے جاری ہو گئے چنانچہ نیشاپور (۴۲۹ھ) اور خراسان (۴۳۹ھ) کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا اور سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنیاد ڈالی گئی۔ امیر المومنین القائم بامر اللہ عباسی کے دربار سے طغرل بک کو ۴۳۳ھ میں رکن الدین کا خطاب ملا اور خلعت کے ساتھ مذہبی حیثیت سے بلاد مفتوحہ کی من حکومت بھی مرحمت ہوئی۔ اس کا ردوائی کے بعد طغرل بک نے اپنا دار السلطنت ”رم“ کو قرار دیا اور چغری بک نے بیحیثیت والی، مرو شاہجان کو دار الحکومت بنایا جس کے ماتحتی میں اس وقت ناصر خسرو جو زجانان کا افسر مال (حاکم پرگنہ) تھا۔ چغری بک نے یہ مقام پنج بتاریخ ۱۸ رجب ۴۳۵ھ یوم دوشنبہ مطابق ۳۰ اگست ۱۰۴۵ء انتقال کیا۔ الپ ارسلان، جو بعد میں اپنے چچا طغرل کے لادلفوت ہونے پر دارش سلطنت ہوا، اسی چغری بک کا بیٹا تھا۔

۷۔ **قرآن** | دو چیزوں سے انصال کا نام قرآن ہو اور اصطلاح نجوم کے مطابق، باشتنائے آفتاب جب دو ستارے کسی برج میں داخل ہوں تو ان کو

قرآن کہتے ہیں یہ اتصال ایک دوسرے پر ہو یا ایک دقیقہ یا ثانیے پر۔ راس و مشتری کا قرآن عروج و شرف میں نہایت سعید ہوتا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ نجومیوں کا عقیدہ ہے۔

۱۔ جوزجانان یا جوزجان و جوزجانان، مابین مردود و بلخ کا ایک بڑا پرگنہ ہے، جس کا صدر مقام ہیوڈیہ تھا۔ اور اس کے مشہور مواضع، شہورخان، انبار، فاریاب، انخز (اندخود) کندورم، مرسان، برزورہ ہیں۔ اور یہ کل پہاڑی علاقہ ہے مگر نہروں کی وجہ سے سرسبز ہے۔ شہورخان سے انبار ایک منزل اور فاریاب سے تین منزل ہے۔ آب و ہوا معتدل ہے جوز اور غلہ زیادہ اور میوہ کم پیدا ہوتا ہے۔ دباخت کیا ہوا چڑھ اس علاقے سے تمام خراسان میں جاتا تھا (مجموع البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ و صخری جلد اول صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ لیڈن ۱۸۷۷ء و ابن حوقل ۳۲۲)

۲۔ قدیم سنہ فارسی یزدجردی | اقوام عالم میں جو سنین جاری ہیں ان میں سنہ فارسی بہ لحاظ قدمت

سب پر فائق ہے۔ یہ سال شمسی اصطلاحی تھا یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ ۳۶۵ دن میں کرتا تھا اور نجومیوں نے سالانہ ایام کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تین تین یوم کے اور بارہواں مہینہ اسفندار ۳۵ یوم کا رکھا تھا۔ لیکن اس پنج روزہ اضافے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال تقریباً ایک چوتھائی دن (ربع شبانہ روز) کی کسر بڑھنے لگی جو چوتھے برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لیے ایک سو بیس سال کے بعد ایک مہینہ کیبیسہ (لوند) کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے۔ اور جس مہینہ کے آخر میں کیبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینے کا بھی رکھ دیتے تھے چنانچہ اس صہول کے مطابق سب سے پہلا کیبیسہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اردی بہشت میں

اور تیسرا خرداد میں ہو کر تباہ تھا۔ اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴) سال (۱۲۰ × ۱۲۰ = ۱۴۴۰) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبھی کا دور ختم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس عظیم الشان جشن کا فخر صرف جمشید کو حاصل ہوا۔ اور جمشید کے بعد رسم قرار پائی کہ ہر کیم فروردین کو عام جشن منایا جائے چنانچہ تاریخ عجم میں یہی جشن نوروز اکبری کے نام سے مشہور ہے اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہے اور برج حمل میں آفتاب اسی تاریخ کو داخل ہوتا ہے حکیم عمر خیام نیشاپوری نے اس سنہ کی اصلاح کی اور اس کا نام سنہ جلالی تک شاہی رکھا۔ فرما کر وایان اسلام نے ایرانی رسم و رواج کے لحاظ سے سنہ فارسی یزدجردی کے اجراء میں باوجود سنہ ہجری کے کوئی مداخلت نہیں کی چنانچہ ناصر خسرو کے زمانے میں سنہ ہجری کے ساتھ سنہ فارسی بھی لکھا جاتا تھا جیسا کہ فی زمانہ سنہ ہجری و انگریزی لکھا جاتا ہے۔

شبرغان، اشبورقان، اشفورقان، شبورقان، شبرقان، شفورقان | شبرغان

مصنف جام جم کا قول ہے کہ شبرغان پر گنہ جوزجانان کا صدر مقام تھا اور آٹھویں صدی تک خوب آباد رہا، بہر حال پر گنہ میں یہ سب سے بڑا قصبہ تھا۔ اور بلخ سے ۲۲ فرسخ (مسافت ڈیووم) کا فاصلہ ہے۔ صطخری وغیرہ نے بھی ناحیہ جوزجانان کا قصبہ لکھا ہے یہ نہایت سرسبز مقام ہے ہنر جاری ہے باغات کثیر ہیں مگر زراعت بہت ہوتی ہے۔ ۶۱۴ھ تک آباد تھا دھم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۴۹ دجام جم صفحہ ۳۵۶ و صطخری (۲۴۱)

غلبہ باریاب | (فارباب) پر گنہ جوزجانان کا، ایک آباد گانو تھا جو مغربی جیون پر تھا اور شبورغان سے تین منزل کا فاصلہ تھا اور طالقان بھی اسی قدر

فاصلہ پر فاریاب سے ہے۔ امام محمد بن یوسف شاگرد حضرت سفیان ثوری و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ظہیر فاریابی، اس کے نامور فرزند میں بلخ سے فاریاب ۶ منزل پر ہے اکثر طلبہ فاراب اور فاریاب میں غلطی کرتے ہیں۔ فاراب بلاد فرغانہ (ماوراءالنہر) میں بلاساکون کے متصل ایک پرگنہ ہے اور دنیائے اسلام میں معلم ثانی ابو نصر محمد بن طرخان فارابی متوفی ۳۳۹ھ کے انتساب سے قیامت تک مشہور رہے گا۔ فاریاب، طالقان سے چھوٹا ہے۔ مگر پانی کی افراط ہے، باغات کثرت سے ہیں، مکانات مٹی کے ہیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ فاریاب ایک متمدن شہر ہے تمام ضرورت کی اشیاء ملتی ہیں۔ جامع مسجد میں مینارہ نہیں ہے (صطخری صفحہ ۲۷۰، ابن حوقل ۳۲۱، معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۲۲، ۳۲۸)

علاء سنکدان | یہ عجمی لہجہ ہے۔ عربی جغرافیوں میں یہ نام نہیں ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ موضع سنجان ہے جو مرو رود کے گویا دروازے پر ہے اور اس کو در سنکدان بھی کہتے ہیں (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۱۴)

علاء طالقان | اس نام کا ایک بڑا شہر صوبہ طخارستان میں ہے اور مختلف مقامات میں اس نام کے چند قصبات بھی ہیں یہ طالقان، مرو رود اور بلخ کے درمیان ہے جن میں صرف تین منزل کا فاصلہ ہے (از معجم البلدان جلد ۷ ابن حوقل صفحہ ۳۲۱)

علاء نیشاپور | لیس فی الارض مثل نیشاپور بلد کھسب و دلت عفو در
ابو العباس روزنی
 جزا خاک نیشاپور و خوش آب و دیر کہ نہ آب است نہ خاکست گلاب است و عبیر
 سطح سمندر سے ۳۹۲۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ طول البلد ۳۶ درجہ ۱۲ دقیقہ عرض البلد ۵۸ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے اور مشہد مقدس کے مغرب میں ہے۔ صوبہ خراسان میں نیشاپور کا شمار ام البلاد میں ہے اور قدیم نام ابر شہر ہے۔

۱۴ نمبر شخص | جس کو شخص بھی کہتے ہیں، صوبہ خراسان میں ایک قدیم شہر ہو جو مروشا ہجان اور نیشاپور کے ٹھیک وسط میں واقع ہو اور شخص سے ہر دو مقامات کا فاصلہ ۶ منزل ہو۔

۱۵ اہمات المدارس | چوتھی صدی ہجری سے قبل دنیائے اسلام میں باضابطہ اجرائے مدارس کا پتہ نہیں چلتا ہو۔

علامہ سیوطی "حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ" میں لکھتے ہیں کہ ۲۰۱ھ میں الحاکم بامر اللہ فاطمی نے قاہرہ میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کیا تھا گویا سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے یہ پہلا مدرسہ تھا جو سلاطین اور امراء دولت کے لیے چراغ ہدایت بنا، بعد ازاں نیشاپور میں عام قومی چندے سے ایک مدرسہ استاد ابو بکر بن فورک متوفی ۲۱۵ھ کے لیے تعمیر ہوا۔ تیسرا مدرسہ نیشاپور میں امیر نصر بن بکتگین (برادر محمود غزنوی) نے ۲۱۹ھ میں یا اس کے بعد ہی قائم کیا اور سعدیہ نام رکھا۔ امیر نصران دنوں نیشاپور کا گورنر تھا، چوتھا مدرسہ ابو سعد اسمعیل بن علی المنینی استرآبادی، صوفی، واعظ اور شیخ الخطیب نے نیشاپور میں قائم کیا، پانچواں مدرسہ طغرل بیگ سلجوقی کا تھا جو ناصر خسرو کے دوران سفر میں زیر تعمیر تھا اور جس کی تعمیر بازار سراجان میں جاری تھی لیکن علامہ سیوطی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہو کہ نیشاپور میں جو مدارس قائم ہوئے ان میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ تھا، جس کے مدرس اعظم ابو القاسم اسکاف اسفرائینی تھے اور امام الحرمین ابو المعالی متوفی ۳۷۸ھ استاد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی مدرسے کے ایک نامور طالب علم تھے۔ اس کے بعد بغداد میں بجاہ ذیقعدہ ۳۵۹ھ (۳ اکتوبر ۹۷۵ء) مدرسہ نظامیہ خواجہ نظام الملک طوسی بن کرتیار ہوا، جو بلحاظ چند خصوصیات کے گویا دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ تھا اس

سلسلے میں محمود غزنوی کا مدرسہ بھی قابل ذکر ہے جو بمقام دارالسلطنت غزنین ۳۱۹ھ میں قائم ہوا اور جس پر فتوحات ہندوستانی کا ایک قیمتی حصہ صرف کیا گیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر وقف کی گئی (تفصیل کے لیے دیکھو نظام الملک طوسی، حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر)

۱۷۔ خواجہ موفق | عہد طغرل بک سلجوقی میں ہیت اللہ لقب بہ خواجہ موفق ایک نامور شخص گزرا ہی جو دفتر انشا میں رسائل فارسی کا منشی تھا اور خواجہ موفق کا بیٹا ابوسہل دارالانشاء فارسی کا انسر اعلیٰ تھا۔ ابوسہل علمائے شافعیہ نیشاپور کا صدر شمار کیا گیا ہی رآل سلجوق اصفہانی صفحہ ۲۹ و گنج دانش صفحہ ۵۰۲)

۱۸۔ کوان | قدیم و جدید جغرافیوں میں اس کا نام نہیں ہے۔ غالباً کوئی کوہستانی موضع تھا، جس کے اندر ہو کر قوس کو سڑک گئی ہے۔

۱۹۔ قوس | (قلیم الدلیم) کو تمہ فارسی میں ان جھونپڑوں (منڈوہ) کو کہتے ہیں جو معمولی بانس نرکل اور گھاس وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور جن کے اندر بیٹھ کر کاشتکار کھیتوں اور پالیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شکاری جو کہن گاہ (پارچہ) بناتے ہیں اس کو بھی کو تمہ کہتے ہیں اور جنگل میں بادشاہ کے شکار کے لیے جو کہن گاہ بنائی جاتی تھی اس کا نام ”کو تمہ شہ“ تھا۔ چنانچہ یہی لفظ عربی زبان میں جا کر قوش ہو گیا۔ جس کو عرب عموماً قوس کہتے ہیں۔ نقشے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پرگنہ قوس دامن کوہ میں واقع ہے۔ یا قوت لکھتا ہے۔ ”قوس وہی کوردہ کبیرۃ واسعة تشتمل علی مدان وقری و مزارع وہی فی ذیل جبال طبرستان“۔

۱۹۔ بسطام | شاہ روؤندی کے کنارے آباد ہے۔ جس کا صدر مقام شاہ رود

ہی ہے، یہ ایک وسیع اور دولت مند ضلع ہے، کوہ البرز اس علاقے کو آستر آباد سے جدا کرتا ہے، ایرانی گورنر بسطام میں رہتا ہے۔ حضرت شیخ العارفین طیفور ملقب بہ بایزید متوفی ۸۷۲ھ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے اور مزار کے قریب منارہ لرزاں ہے۔ اور چونکہ وسط خراسان میں ہے لہذا تجارتی منڈی ہے۔ سفر نامہ شمس العلماء آزاد دہلوی میں بسطام کا تذکرہ موجود ہے۔ (ازجام جم و خیابان فارس و گنج دانش)

۲۔ دامغان | اس شہر کی آبادی نہایت قدیم ہے۔ یہ خالص آتش پرستوں کی بستی تھی، اس بنا پر اس کا نام وہ مغان تھا۔ حکیم لامعی

گر گانی شدت سرما کے متعلق کہتا ہے

گرد بہر دیار، دریں فصل روزگار

آتش پرست خلق چو در دامغان مغان

چنانچہ کثرت استعمال سے دامغان ہو گیا ہے۔ پرگنہ قومس کا دامغان صدر مقام ہے اور بسطام یہاں سے دو منزل ہے۔ قلعہ قدیم ہے جس میں تین پھانک ہیں اور قلعے کے اندر بازار ہیں، آبنوشی کے لیے مرو کی طرح مکانات ہیں حوض بھی ہیں اور ایک دن کی مسافت پر گرد کوہ کا وہ مشہور جنگل ہے جہاں اسماعیلیوں کا مشہور مستحکم قلعہ تھا۔ طہران سے ۲۱۶ میل کے فاصلے پر (رہو اور نیشاپور کے مابین) اس سڑک پر واقع ہے جو خراسان کو جاتی ہے۔ حکیم منوچہری اسی شہر کا ایک نامور فضل اور شاعر تھا (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۶) و انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۷۷، ۷۸ جلد ۷ و انسائیکلو پیڈیا آف اسلام صفحہ ۹۰۱ جلد اول و مقدسی ۳۵۵)

۳۔ آب خوری و چاشت خواران | قدیم کتابوں میں ان مقامات کا

ذکر نہیں ہے، معمولی مواضع معلوم ہوتے ہیں۔

۴۔ سمنان | رسی اور دامغان کے مابین ایک خوشنامہ شہر ہے۔ تجارت

معتول ہو اور ہندستان کے بنیے بھی تاجرانہ حیثیت سے موجود ہیں تقریباً ۲۵۰ گھر ہوں گے، مردم شماری ۲۰۰۰۰ ہے، کوہ دماوند کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے طول البلد ۵۳ درجہ ۳۲ دقیقہ اور ۳۵ درجہ ۳۳ دقیقہ عرض البلد ہے۔ سمنان کا آثار مشہور ہے۔

(خیابان فارس و عجم البلدان)

یہ کوئی تاریخی شخص نہیں ہے بلکہ ملائے مکتبی معلوم ہوتا ہے۔
۲۳ ابو علی نسائی
 ناصر خسرو نے اس کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ صحیح ہے، اس شخص نے ابو علی سینا کو دیکھا ہو گا کیونکہ ناصر کے زمانے سے دس برس پہلے ابو علی سینا زندہ تھا۔ نساخراسان کا مشہور شہر ہے اب ویران ہے جس میں صرف ایک موضع کی شان باقی ہے۔ نیشاپور سے ۶ یا ۷ دن کی مسافت پر تھا ابو عبد الرحمن صاحب کتاب السنن، اس شہر کے باشندے تھے۔

ابو علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن سینا بخاری مشہور
۲۴ ابو علی سینا
 شیخ الرئیس فلسفہ، حکمت اور طب کا مشہور امام ہے۔ موضع خرمین (بخارا ۳۷۳/۹۸۵) میں پیدا ہوا اور ۲۰ برس کی عمر میں تکمیل علوم و فنون سے فارغ ہو گیا اور درس دینا شروع کیا۔ فن طب میں ابو علی سینا، عدیم النظیر مانا گیا ہے۔ ۵۳ سال کی عمر میں بمقام بہمان ۳۲۷ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۹۳۹ء میں انتقال کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا تذکرہ ابن ابی اُصیبعہ میں عربی کلام کا نمونہ موجود ہے۔ فارسی میں فخریہ کہتا ہے۔

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل کردم ہمہ مشکلات عالم راحل
 بیرون جسم ز قید ہر مکر و جیل ہر بند کشتودہ شد، مگر بند اجل
 تصانیف ابو علی سینا: کتاب المجموع ۲ جلد، الحاصل والحصول ۲۰ جلد، انصاف ۲ جلد، البر والاثم، کتاب الشفاء ۸ جلد، قانون ۴ جلد، الارصاد، کتاب النجات

۳ جلد، الاشارات، لسان العرب، جلد، المبدیٰ والمعاد، المختصر الاوسط۔

۲۵ بلخ | یونانی میں بکٹرا (BAKTRA) اور قدیم فارسی میں بختیش
(BAKTRISH) یا باختر کہلاتا تھا۔ بلحاظ قدامت صوبہ خراسان

میں بلخ کا شمار بھی ام البلاد میں ہی۔ عہد اسلام میں بھی بلخ عروج پر رہا، ۱۲۰۰ مسجدوں
میں جمعے کی نماز ہوتی تھی اور قبۃ الاسلام خطاب تھا دور چنگیزی (۱۲۲۱ھ) اور
تیموری میں بہت تباہ ہوا۔ ۱۸۵۶ء سے افغانستان کی حکومت میں ہی، جس کا
فاصلہ اندھوئی سے جانب مشرق ۱۰۰ میل اور جیون سے جنوب کی طرف ۴۰ میل ہے
سطح سمندر سے بلندی ۱۲۰۰ فٹ ہے، موجودہ آبادی ۵۰۰ مکانات کی ہے، جس
میں افغانی، یہودی آباد ہیں۔ ۳۶ درجہ ۴۵ دقیقہ طول البلد اور ۲۶ درجہ ۳۸
دقیقہ عرض البلد ہے۔

۲۶ ری | عراق عجم میں نہایت قدیم شہر ہے، جس کو عربوں نے بلحاظ دیرینہ سالی
شیخ البلاد (شہروں کا قبلہ و کعبہ) کا خطاب دیا تھا۔

۲۷ ساوہ | (اقلیم الجبال) یہ ایک خوب صورت شہر ہے، جو ری اور ہمدان
کے ٹھیک وسط میں ہے اور ہر دو مقامات سے اس کا فاصلہ ۳

فرسخ ہے اور طہران سے ۷۲ میل ہے۔ ساوہ سے دوفرخ پر شہر آوہ (آب) ہے۔ یہ دونوں
شہر ۱۱۳۶ھ تک خوب آباد تھے۔ اس کے بعد تاتاریوں نے دونوں کو برباد کیا،
ساوہ میں ہر علم و فن کے باکمال گزرے ہیں۔ سلمان ساوہی اسی شہر کا ایک نامور
شاعر تھا۔

۲۸ ہمدان | ہمدان دامن کوہ آوند (اروند) میں مشہور شہر ہے۔

۲۹ آمل | قدیم صوبہ طبرستان میں جس کو آج کل ماژندران کہتے ہیں، شہر آمل
واقع ہے اور صدر مقام ہے۔ بیکرہ خزر سے جانب جنوب ۱۲ میل پر ہے اور اس کے

شمال میں کوہ دماوند کا سلسلہ ہے، قدیم فارسی میں اس کا نام امردہ تھا، اب آمل کہتے ہیں۔ جس کا ترجمہ امید ہے۔ اور قدیم شہر سے جانب مغرب آباد ہو طول البلد ۳۶ درجہ ۳۵ دقیقہ اور ۵۲ درجہ عرض البلد ہے۔ ابن حوقل سیاح نے اس کو ۳۶ درجہ میں دیکھا تھا اس وقت یہ شہر قزوین کی طرح نہایت آباد تھا۔ ۱۸۹۷ء کے مطابق موجودہ مردم شماری دس لہزار ہے۔

۳ فرسنگ | ناصر خسرو نے سفر نامے میں اظہار مسافت کے لیے لفظ فرسخ کا استعمال کیا ہے، زمانہ حال میں فرسخ طول ملک کے مختلف

حصوں میں نوعیت زمین کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ایرانی ایک فرسخ کی تعبیر اس فاصلے سے کرتے ہیں جو ایک لدا ہوا حجر ایک گھنٹہ میں طو کرے۔ چنانچہ پہاڑی علاقوں میں ایک فرسخ تین میل سے زیادہ نہیں ہے اور میدانی علاقے میں بعض مرتبہ چار میل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

فرسخ، پارہ سنگ (PARASANG) کا معرب ہے۔ یہ ایک بابلی پیمانہ تھا جس کی مقدار ۳۵۲۳ میل تھی۔ عربوں کا فرسخ یقیناً پارہ سنگ کا معرب ہے۔ یونانی میں یہ لفظ TAGUSYNS ٹیگولینس ہے اور فارسی میں فرسنگ ہے۔ ژند و آستان میں فرسخ سے وہ فاصلہ مراد تھا، جہاں سے ایک دور میں شخص ایک اونٹ کو دیکھ سکے اور یہ بتائے کہ یہ اونٹ سفید ہے یا سیاہ، لرستان میں فرسخ وہ مقدار ہے جہاں سے نقات کی صاف آواز سنائی دے۔ فی زمانہ فرسخ کی مقدار ۳۰۹۱۵ میل ہے اور باب جغرافیہ و لغت نے عام طور پر ۳ میل کا ایک فرسخ قرار دیا ہے اور تفصیل میں بال کی کھال نکالی ہے۔ ایک منزل کے لیے اہل عراق لفظ برید استعمال کرتے ہیں جس کا فاصلہ ۱۲ میل ہے اور خراسان میں ایک برید ۶ میل کے برابر ہے اور ایک مرحلہ ۶ یا ۷ فرسخ کا ہوتا ہے یعنی ۱۸ یا ۲۱ میل (صطری)

۳۱ دماوند | شمالی ایران کا سب سے اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی ۱۸۶۰۰ یا ۱۹۴۰۰ فٹ ہے یہ پہاڑ دراصل کوہ البرز کی ایک مشہور چوٹی ہے جس کے اوپر ہمیشہ برف کے تودے نظر آتے ہیں۔ طول البلد ۳۶ درجہ عرض البلد ۵۰ درجہ ہے۔ دماوند قریب زرنانے کا ہے۔ عرب کے ساحلوں نے اس کو دُنیا و تداور دباوند لکھا ہے۔

۳۲ قزوین | یہ ایک قدیم شہر ہے جس کا بانی شاہ پور بن آہر مزملقب بہ دوالاکتاف (۳۷۹-۳۹۶ء) تھا۔ فارسی میں قزوین یا کشوین کا ترجمہ ”حد محفوظ“ ہے۔ اس عہد کے کھنڈرات ہنوز باقی ہیں، قدیم نقشے میں دیکھو طہران کے بعد قزوین پھر سلطانیہ اور اس کے بعد قصبہ زرنجان ہے، یہ مسلسل آبادی ہے چنانچہ قزوین سے طہران تک تئو میل (برابر ۲۴ فرسخ = مطابق ۹۶ میل = موافق ۶ منزل بحساب ۱۶ میل) کا فاصلہ ہے۔ اصطخری اور ابن حوقل نے مشہور مقامات سے حسب ذیل فاصلہ لکھا ہے:-

ری سے قزوین ۲۷ فرسخ = ۴ مرحلہ

قزوین سے آہر ۱۲ = ۲ = ۲

اہر سے زرنجان ۲۰ = ۲ دن کا راستہ ہے۔

خلافت عثمانیہ میں قزوین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس شہر میں ہر علم فن کے اس قدر علماء گزرے ہیں کہ جن کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی جاسکتی ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے خاص قزوین میں ایک جامع مسجد تعمیر کی تھی جس پر ایک بڑی جاہلاد وقف تھی، لارڈ کرزن بہادر لکھتے ہیں کہ ”یہ مسجد ہنوز موجود ہے۔ پچھلے دور میں شاہ طہاسپ اول نے (۱۵۲۳ء) میں اس کو دارالسلطنت بنایا اور عباس اول کے عہد میں (۱۶۲۹ء) تک یہ دارالسلطنت رہا، بعد ازاں یہ اعزاز طہران کو حاصل ہوا۔

عہد صفویہ میں قزوین بڑے عروج پر تھا، طہاسپ اول نے ایک عالی شان قصر نو بنوایا تھا، جس کا صرف ایک عالی شان دروازہ ہنوز باقی ہے، "سینے میں حسن بن صباح باطنی نے قزوین پر قبضہ کیا تھا اور اس کا خوفناک قلعہ القمونت (آشیانہ عقاب) یہاں سے صرف تین میل کے فاصلے پر سچپار پہاڑوں کے اندر تھا، لیکن باوجود انقلاب حکومت اور زلزلوں کے آج بھی قزوین ایک شاندار مقام ہے اور عراق عجم میں ضلع کا صدر ہے جو طہران کے شمال و مغرب اور گیلان کے جنوب میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے ۱۴۶۵ فٹ بلند ہے، ۳۶ درجہ ۱۵ دقیقہ طول البلد اور ۴۹ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔ موجودہ مردم شماری چالیس ہزار ہے۔

میرے عزیز دوست خواجہ غلام الثقلین بی، اے پانی پتی مرحوم اپنے سفر نامہ ایران میں لکھتے ہیں کہ "۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء کو مغرب سے ایک گھنٹہ قبل طہران سے روانہ ہوا تھا اور ۱۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو عصر کے وقت (۲۴ گھنٹے میں) قزوین پہنچا۔ قزوین بارونق شہر ہے، میں جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا واقعی نہایت شاندار مسجد ہے اور اس قسم کی تعمیر ہے جیسے مسجد سپہ سالار اور لاہور کی مسجد شاہی کے برابر وسعت ہے چاروں طرف عہد صفویہ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد زمانہ فتح علی شاہ قاجار میں درست کی گئی ہے، جس پر نہایت عالی شان کتبہ لگا ہوا ہے۔ صرف ایک گنبد مسجد کا ایسا ہے کہ ہزار آدمی اس کے نیچے آسانی سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور دین بائیں مسجد کے دوسری عمارت ہیں، جن میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار نمازی سما سکتے ہیں۔ مسجد سے تھوڑے فاصلے پر ایک عالی شان عمارت بنام ارک دولتی ہے، جس میں کچھ ریاں اور باغ ہیں، یہاں تربوز خربوزہ کثرت سے ہے۔ اور آبادی کے اندر ایک قدیم قلعہ بھی ہے۔"

سلطانیہ | قزوین کے سلسلے میں سلطانیہ، زنجبان اور قوہہ کو بھی مختصر طور پر

سمجھ لینا چاہیے۔ اول قزوین صدر مقام تھا لیکن اُرغون خان بن البقائی خاں بن ہلاکو خاں نے قزوین اور زنجان کے مابین دامن کوہ میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی تھی جو نام تمام رہا، جس کو الحجاتیو سلطان نے تمام کیا اور اپنے نام سے منسوب کر کے سلطانیہ نام رکھا اور بجائے قزوین کے یہ دار الحکومت قرار پایا، ساتویں صدی ہجری کے چوتھے عشرہ میں حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے کہ ”اس شہر میں اس قدر عالی شان عمارات ہیں کہ بحر تبریٰ کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی ہیں“ لیکن اب محض ایک قصبہ ہے انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ قاجار نے سلطانیہ کو موسم گرما کا مستقر بنایا تھا۔ مسجد سلطان محمد خدا بندہ کا گنبد یادگار ہے۔

زنجان | یہ قدیم شہر ہے جو گیلان اور آذربائیجان کے پہاڑوں کے اندر واقع ہے۔ اردشیر بابکان اس کا بانی ہے، فی زمانہ بھی بہت آباد ہے، ۲۰ ہزار کی مردم شماری ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے۔

قوہہ | ناصر خسرو براہ قوہہ آذربائیجان میں داخل ہوا تھا۔ اس عہد میں یہ ایک آباد موضع تھا، یا قوت نے لکھا ہے کہ ۱۱۷۱ھ تک یہ آباد تھا، اور ری سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ عرب جغرافیہ نویس اس کو قوہذ لکھتے ہیں۔

من کی مقدار | من کی مقدار ۳ پونڈ تھی (پونے دو سیر) اور عرب کا من دو سیر کا تھا۔ من تبریزی ۵ سیر کا تھا ہندوستان میں

علاؤ الدین خلجی کے عہد (۱۲۹۵ھ) میں ۲۴ سیر تو لے کا تھا۔ اس حساب سے من ۱۲ سیر کا ہوا اور من کی مقدار ہر جگہ بدلتی رہتی ہے

بیل | ناصر خسرو نے اس کو قزوین کا ایک موضع لکھا ہے۔ اب اس کا نام د نشان باقی نہیں ہے۔ یا قوت جموی لکھتا ہے کہ بیل، ری کا ایک ناحیہ

تھا اور مشہور علی بستی تھی۔ یا قوت نے متعدد علماء کے نام درج کیے ہیں۔

انتخاب از معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۴۰۸ حالات خراسان)

۳۵ قباآن | ناصر خسرو نے اس کو بھی قزوین کا موضع لکھا ہے۔ لیکن چھٹی صدی ہجری میں، ترقی کر کے یہ شہر کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ یا قوت لکھتا

ہے کہ تبریز کے قریب آذر بایجان کا ایک شہر ہے (معجم البلدان یا قوت)

۳۶ خرزویل | ناصر خسرو کے زمانے میں ایک موضع تھا۔ بحر اس سفر نامے کے اور کسی سیاح نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

۳۷ طارم و طارمین | شہر سلطانیہ سے ایک دن کی مسافت پر مضافات قزوین میں ایک گرم سیر علاقہ تھا جو طارمین کہلاتا تھا۔

۳۸ برز انجیر | بھی طارم کا مشہور پرگنہ تھا۔ پانی کی افراط سے زراعت خوب ہوتی تھی۔ اس وجہ سے برز انجیر مشہور ہوا یعنی زمین سرسبز۔

۳۹ شاہ رود و سپیدرود | قزوین سے زرخان تک نقشے میں اور نیز قدیم جغرافیوں میں شاہ رود کسی ندی کا نام درج نہیں ہے۔ لیکن بلاد جبل سے جانب شمال، ایک ندی نقشے میں ہے جو قزل اوزن میں گرتی ہے۔

یہی شاہ رود ہے۔ کیونکہ اس ندی کی نسبت ناصر خسرو لکھتا ہے کہ آگے چل کر یہ ندی سپیدرود میں گرتی ہے۔ چنانچہ سپیدرود نقشے میں موجود ہے جو آگے چل کر قزل اوزن میں مل جاتی ہے اور قزل اوزن، کوہ البرز سے گزرتی ہوئی علاقہ گیلان اور آذر بایجان تک تقریباً چار سو میل تک بہی ہے اور گیلان کا علاقہ طو کر کے دریائے آسکون میں گرتی ہے۔ شہر رشت، سفیدرود کے کنارے آباد ہے۔

۴۰ آسکون | یہ عام لہجہ ہے اور بعض قدیم کتابوں میں آسکون اور ابوسکون بھی آیا ہے، فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں لکھا ہے کہ بحیرہ خزر کا قدیم نام آسکون

ہی۔ چنانچہ رود کی کہتا ہے

گرفتہ روئے دریا جملہ کشتی ہائے بڑ تو
 ز بہ مدح خوانانت ز شرواں تا بہ آبسکون
 فرخی سیتانی نے محمود غزنوی کی مداح میں لکھا ہے
 تو داری از کنا رنگ تا دریائے آبسکون

وجہ تشبیہ میں لکھا ہے کہ اصل میں ”دریائے آسماں گوں“ تھا کثرت استعمال سے
 آب سکون ہو گیا ہے اور بحیرہ کاسپین کے کنارے جنوب مشرق میں اب ایک
 قصبہ بھی اس نام سے مشہور ہے۔ بحیرہ خزر کی تفصیل آئندہ لکھی جائے گی۔ (کاسپین
 قزاقوں کا معرف ہے)

بحیرہ طبرستان پر ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں سے جرجان تین یوم کی
 مسافت پر ہے اور اسی شہر سے بحر آبسکون منسوب ہے۔ بحر الخزر، بحر طبرستان
 بحر جرجان اور آبسکون، یہ سب نام ایک ہیں۔ (ابن حوقل صفحہ ۲۷۷، مقدسی ۳۵۸
 یا قوت جلد ۱ صفحہ ۵۲ و جلد ۲ صفحہ ۶۶ دکنش، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

دولیم یا دیالہ ایک قبیلہ کا نام ہے
 ۱۷۷۔ مرزبان الدولیم یا دولت الدولیم | جبال طبرستان، و جرجان و گیلان

اور رتو کی پہاڑیاں اس قوم کے مسکن تھے۔ اسلام سے پہلے ان میں کوئی بادشاہ
 نہ تھا۔ البتہ طبرستان شہر تھا جس کا فرمانروا سپہنہر کہلاتا تھا۔ لیکن طبرستان
 کے سردار قدیم سے مرزبان (تعلقہ دار) کہلاتے تھے اور عہد اسلام میں بھی یہ
 خطاب ان کا قائم رہا چنانچہ ناصر خسرو نے بھی ”مرزبان الدولیم“ لکھا ہے۔ اس عہد میں
 باوجود انحطاط دولت عباسیہ کے مسلمان فرمانروا اپنے ناموں کے ساتھ ”موالی
 امیر المؤمنین“ لکھنا فخر سمجھتے تھے (یعنی امیر المؤمنین کا آزاد کردہ غلام) خطبے میں

امیر و ہودان کا پورا نام جس طرح پڑھا جاتا تھا وہ ناصر خسرو نے لکھ دیا ہے۔ لیکن اس سفر نامے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر و ہودان کی طرف سے ملک کے ایک حصے پر اس کا بیٹا جستان ابراہیم بھی حکمران تھا اور اس کا خطاب جداگانہ تھا۔ جس کو ناصر خسرو نے بصراحت لکھا ہے۔

۴۲ جیلان یا گیلان | دولت ایران کے چھوٹے صوبوں میں گیلان بلحاظ

اقصال سرحد ممالک غیر ایک اہم مقام ہے جو بحر خزر کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ نقشے میں ۵۰، ۴۸ دقیقے سے ۵۰ درجہ ۳۰ دقیقہ تک طول البلد ہے۔ اس صوبے کا کل رقبہ مع تالش چھو بڑا میل مربع ہے اور مردم شماری تقریباً چار لاکھ انسی ہزار ہے اور دار الحکومت رشت ہے مشہور بندر گاہ انزلی ہے۔ جیلان سے اس قدر ارباب فضل و کمال پیدا ہوئے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

خصوصاً علم فقہ کا جیلان مخزن تھا۔ جبل سے ہمیشہ اہل جیلان مراد ہوتے ہیں اور جیلی کہلاتے ہیں اور جبل نواح بغداد میں (تحت مدین) مشہور گانو تھا، جو شیخ عبدالقادر جیلانی قطب الاقطاب کے انتساب سے ضرب المثل ہے (انتخاب از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ ورلڈ آف ٹوڈے، جام جم، نزہت القلوب، یا قوت)

۴۳ دربند | اس کا قدیم عربی نام ”باب الالباب“ اور موجودہ مختصر نام ”الباب“ اور مغلی نام ”دموڑ قاپی“ ہے، جس کو ایرانی دربند کہتے

ہیں۔ زمانہ سابق میں یہ ایران کی اخیر سرحد تھی۔ بحیرہ خزر کے کنارے آباد ہے۔ ۴۸ درجہ ۱۶ دقیقہ طول البلد اور ۴۲ درجہ ۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔ روسی داغستان کا مشہور شہر ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں ارباب جغرافیہ نے اس کو بلا دشروان شہر کا مشہور شہر لکھا ہے۔ اس ملک کی حد نہر کر سے دربند تک تھی، جس کا مشہور شہر باکو ہے (موجودہ باکو) اور مشہور قصبات شمشچی اور کنتاسفی (آباد کردہ کنتاسف بن لہر اسپ تھے۔

۱۲۲۱ھ میں الگڑنڈر اول شاہ روس نے اس علاقہ کو فتح کر کے داخل سلطنت روس کر لیا اور چونکہ ساحل کے کنارے آباد ہے لہذا عمارتیں خوشنما ہیں اور شہر میں ایشیا کا رنگ غالب ہے، سرائیں، ہوٹل، بازار، سب خوبصورت ہیں۔
رگج دانش، ابن حوقل، ہمدانی، صطخری، مقدسی

۲۳۔ **سراب** گرم رود کے متصل اُردبیل اور تبریز کے مابین واقع ہے۔ سراب کا حاتم جو اس صدی کی تعمیر ری ضرب المثل ہے۔

۲۵۔ **سعید آباد** سراب اور تبریز کے مابین تھا ناصر خسرو پانچویں دن سعید آباد سے تبریز پہنچا تھا، اب نقشے میں نہیں ہے۔

۲۶۔ **تبریزی** صوبہ آذربائجان کا صدر مقام اور اسلامی شہر ہے جس کی قبۃ الاسلام کا خطاب دیا گیا ہے، دامن کوہ میں آباد ہے۔ سطح سمندر سے ۴۴۰۰

فٹ بلند ہے، ۳۸ درجہ ۴ دقیقہ طول البلد اور ۴۶ درجہ ۱۸ دقیقہ عرض البلد ہے۔ اور مردم شماری تقریباً دو لاکھ ہے۔ گورستان سرخاب میں انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، فلکی مشردانی وغیرہ خواب راحت میں ہیں۔ شمس تبریزی کے نام سے تو ایک ایک بچے واقف ہے۔

۲۷۔ **قطران** شعرائے تبریز میں حکیم قطران کا شمار اساتذہ فن میں ہے اور ضرب المثل ہے، جس کی تصدیق پورہ ہامی جامی کے ان

اشعار سے ہوتی ہے

یا دشمنی کند چو کئی تربیت ورا
در شعر با نظامی و قطران و انوری
ہرگز نگفتہ اندرین اصطلاح شعر
فردوسی و دقیقی و پندار و عنصری

(از تذکرہ دولت شاہ)

البتہ یہ ضرور ہے کہ رعایت لفظی کا ضرورت سے زیادہ دلدادہ ہے اور غالباً یہی وجہ ہے

کہ ناصر خسرو کی رائے قطران کی زبان دانی کی نسبت اچھی نہیں ہے، کیونکہ ناصر ایک فلسفی شاعر تھا اور وہ جو کچھ لکھتا تھا روزمرہ کی سادہ زبان میں لکھتا تھا۔

۲۸ **منجیک** | ابو الحسن علی محمد الترمذی المعروف بہ منجیک آل سامان کے دربار کا مشہور شاعر ہے عوفی تذکرے میں لکھتا ہے "منجیک از ساحران شاعران بود۔"

از کتاب لباب الالباب جلد ۲ محمد عوفی (شعرائے ہند سامانی) صفحہ

۱۳-۱۴ | ۲۹ **دقیقی** | دربار فرمانروایان چغانیان (ماد اور الہنہ) کا شاعر ہے۔

۳۵ **مَرند** | صوبہ آذربائیجان کا مشہور ضلع اور کشتزی ہے۔ ۴۵ درجہ ۳۳ دقیقہ طول البلد اور ۳۸ درجہ ۷۴ دقیقہ عرض البلد

ہے، مرند سے تبریز دو یوم کی مسافت پر ہے۔ اور بلحاظ منزل افرنگ ہے۔ علمی بستی ہے۔ اس کے اطراف میں باغات ہیں گرد فصیل ہے، جن میں آبادی ہے۔ بازاروں میں جامع مسجد ہیں۔ (تعمیر البلدان جلد ۸ صفحہ ۲۹، انسائیکلو پیڈیا، مقدسی ۳۷۷)۔

۳۵ **خومی** | صوبہ آذربائیجان کا ایک ضلع اور کشتزی ہے۔ جو سرحد کے شمالی و مغربی گوشے میں جمیل ارمیہ اور نہراں

کے درمیان واقع ہے

۳۵ **بزرگرمی** | اصطخری وابن حوقل اور مقدسی کے سفر ناموں میں یہ منزل موجود ہے۔ زمانہ حال کے نقشوں میں نہیں ہے

۳۵ **آذربائیجان** | ناصر خسرو کا سفر صوبہ آذربائیجان میں برکرتی

پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ علاقہ شروع ہوتا ہے۔ جو آرمینیا اور ایشیائی ترکی کے نام سے موسوم ہے۔ ایران کے شمالی مغربی صوبے کا نام ”آذر بایجان“ ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ ”آذر آبادکان“ مشہور تھا۔ البرامکہ کے جدید اڈیشن میں اس کی مفصل تاریخ ہے۔

۵۵۔ وَاَن وَّوَسْطَان | وان ایک قلعہ کا نام ہے جو اخلاط اور نواحِ طِفْلِس میں تھا اور اسی نام سے شہر مشہور ہوا اور وِسْطَان اس کا ایک مشہور قصبہ تھا۔ قدیم کتب جغرافیہ میں ”وان دوسطان“ دونوں نام ایک ساتھ آتے ہیں حمد اللہ مستوفی نے صوبہ آرمینیا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جھیل وَاَن سے ایک میل کے فاصلے پر جانب مشرق، شہر آباد ہے،

۵۵۔ آرمینیا | قدیم نام اَرْمِن یا آرمینیا ہے۔ یہ ایک ایسا سرحدی علاقہ ہے، جو دولت ایران، روس، اور ترکی میں منقسم ہے۔ نقشے میں $\frac{1}{4}$ ۴۱ درجہ طول البلد اور ۳ لغایت ۳۹ درجہ عرض البلد پر واقع ہے،

۵۶۔ اخلاط | جھیل وان کے کنارے آباد ہے، یہ نیا شہر ہے۔ اور قدیم شہر کی آبادی وَاَن کی محاذی ہے۔ قدیم اور صحیح رسم خط خلاط ہے۔ یا قوت لکھتا ہے کہ خلاط کا بحیرہ تمام دنیا میں ضرب مثل ہے۔ ابن ابکلی کا قول ہے کہ ”بحیرہ خلاط بھی عجایبات عالم سے ہے جس میں دتل ہینے تک مینڈک، کیکڑا اور کسی مہتم کی مچھلی نہیں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن سال کے پچھلے دو مہینے میں مچھلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۵۷۔ پُول | ایشیائے کوچک اور علاقہ آرمینیا میں ایک درہم سہی کا

چلن تھا، جس کو ناصر خسرو نے پُل لکھا، یہ تانبے کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔ جن پر ایک قسم کا ٹہپہ بھی تھا۔ اس کا وزن ۱۲ اکریم تھا اور یہ سکہ خاص عیسائیوں کے استعمال کے لیے جاری ہوا تھا اور فی زمانہ پُل سے ممالک ایران میں روپیہ مراد ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام تحقیقات

لفظ درہم)

۵۹ رطل | پیمانے کا نام ہے جو آدھ سیر کا ہوتا ہے تفصیل یہ ہے۔

(الف) رطل = ۱۳ اوقیہ اور ایک اوقیہ = ۴۰ درہم جملہ ۴۸۰ درہم (۳ پونڈ)

(ب) رطل = ۸ چھٹانک = ۴۰ تولہ = ۴۸۰ ماشہ = ۳۸۴۰ رتی۔

عربی میں بطلس ہے۔ اور ارسنی میں (BATES)

۵۹ بطلس

ایشیا ناک ترکی کا مشہور شہر ہے، جو کردستان کا صدر مقام ہے۔ اور بحیرہ وان سے جانب مغرب ۱۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے

اور صوبے کا نام بھی بطلس ہے جس کا رقبہ ۱۰۴۶۰ میل مربع اور

مردم شماری ۳۹۹۰۰۰ ہے۔ طول البلد ۲۲ درجہ ۳ دقیقہ اور عرض

البلد ۳۸ درجہ ۲۶ دقیقہ ہے۔

۶۰ قف النظر | اس نام کا کوئی قلعہ دوسرے سفر ناموں میں نہیں ہے بلحاظ بلندی عرف عام میں یہ نام کسی

قلعہ کا ہوگا۔

۶۱ اویس قرنی رضی | حضرت اوس بن عامر قرنی سہیل یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سادات التابعین

اور اکابر زہد سے ہیں یمن کے قبیلہ مراد میں پیدا ہوئے اور موضع

قرن میں نشوونما پائی ناصر خسرو نے اس مقام کا نام نہیں لکھا ہے۔ لیکن

درصل اس جگہ کا نام بھی اویس تھا اور یہ ایک مشہور منزل ہے۔ جس کا ذکر سفر ناموں میں موجود ہے۔ ایسے حدیث میں امام مالک اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اویس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے ایسی حالت میں جو حدیثیں ان سے مروی ہیں ان کی نسبت کیا رائے قائم ہو سکتی ہے، لیکن اکثریت اس طرف ہے کہ حضرت اویس، ایسے حدیث اور تصوف کے رکن اعظم تھے۔ صحیح مسلم، مصنف بن ابی شیبہ، مستدرک حاکم وغیرہ سے کافی حالات اخذ کیے جاسکتے ہیں، (ازلواج الانوار شعرانی، تذکرہ عطار صفحہ ۱۵-۲۴ مطبوعہ لیڈن، ریاض الصالحین یا فنی معجم البلدان یا قوت جلد ۴ صفحہ ۷۹)

۶۱ قطران | سر و کوہی (عرب) کا تیل ہے، جس کو عرب خارشتی اونٹوں پر لگاتے ہیں اور اس کو حیوۃ الموتی بھی کہتے

ہیں۔ اور اس مادی روغن کو بھی کہتے ہیں، جو سیاہ اور بودار ہو جیسے تار کول ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام روغن چیر ہے (بہار عجم) وجہ اور فرات کے درمیان (بالائے جزیرہ) جو علاقہ ہے وہ الجزیرہ اور اقلیم اقور کہلاتا ہے۔

۶۲ مِیَا فَرَقِین | یہ دو حصوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ جنوبی حصے کا نام عراق عرب اور شمالی کا نام الجزیرہ ہے۔ جس کو عربی میں مابین النہرین (دو آبہ) اور انگریزی میں میسوپوٹامیہ (MESOPOTAMIA) کہتے ہیں۔ الجزیرہ کے حدود حسب ذیل ہیں۔

شمال	آرمینیا	مشرق	کردستان
جنوب	عراق و عرب	مغرب	ایشائے کوچک اور ملک شام

۶۴ ارزن | صوبہ آرمینیا کا اب ایک مشہور قصبہ ہے جو میا فارقین کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلے پر سرات کے

متصل واقع ہے۔ عرب ارزن الروم اور قالیقلا کہتے تھے اور موجودہ نام ارض روم ہے جو ایشیائی ترکی کی چھاؤنی ہے۔ ۳۰۶ میل لمبا ۱۲ میل چوڑا ہے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

۶۵ رزارمانوش | یہ ایک انگور کا نام ہے جو قیصر روم کے نام سے مشہور تھا۔ انگریزی لہجہ رومنس ہے لیکن عرب اور عجم ارمانوس اور ارمانوش کہتے تھے۔

۶۶ امیر نصر الدولہ | ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا حاکم تھا جس نے بڑے عیش و تجل کے ساتھ حکومت کی۔

۶۷ نصریہ | یہ کوئی بڑا شہر نہ تھا جس کا تذکرہ کتب جغرافیہ میں ہو بلکہ یہ اس قوم کی آبادی تھی، جیسے اس زمانے کے فرماں روا صدر مقام سے چند میل کے فاصلے پر محلات بنا کر مع خدم و حشم رہا کرتے ہیں، البتہ نصریہ بغداد کے ایک شہور محلے کا نام تھا جو جانب مغرب واقع تھا۔

۶۸ آمد | ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا صدر مقام آمد تھا جس کے حالات ناصر نے تفصیل سے لکھے ہیں،

اس شہر کا قدیم نام ”امیدا“ ہے چنانچہ موجودہ دیار بکر وہی آمد ہے، جس کو ترک قرہ امید کہتے ہیں۔ دجلے کے مغربی کنارے ایک پہاڑ پر آباد ہے اور سطح سمندر سے ۷۰۰۰ فٹ بلند ہے۔ شہر ۳ میل کے رقبے میں آباد ہے اور قدیم قلعہ بھی دجلے کے کنارے موجود ہے۔ اور شہر میں اس وقت بھی چار دروازے موجود ہیں

۶۹ حُرَّان | توراۃ مقدس میں اس کا نام حاران ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر حاران سے منسوب ہے۔ فرات کے

کنارے، رہا سے جانب جنوب ۸ گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے۔ اور حُرَّان سے رقبہ دو یوم کی مسافت پر ہے۔ حُرَّان قدیم شہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا سے ہجرت کر کے حُرَّان میں تشریف لائے تھے حُرَّان کا قلعہ انجم بہت مشہور ہے۔ اور عہد صائبین کی ہیاکل کے کھنڈرات ہنوز موجود ہیں۔ ۳۹ درجہ ۲ دقیقہ طول البلد اور ۳۶ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔

۷۰ قَرْدِی | قردی بھی عہد قدیم کا ایک مشہور موضع تھا جس کا تذکرہ ابن حوقل نے موصل کے حالات میں کیا ہے۔ قردی سے

چلکر ناصر خسرو آمد میں آیا تھا اور یہ مشہور منزلیں ہیں۔

۷۱ سَرُوج | حُرَّان سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اب ایران ہے۔ مقامات حریری کی بدولت ابوزید سردجی کا نام

ہنوز زندہ ہے،

۷۲ نَہْر فَرَات | یہ مشہور نہر ہے۔ اور عراق اور ایران سے مل کر خلیج فارس میں آگیا ہے۔

۷۳ مَبِیج | یا مَبِیج یونانیوں کا نام ہے۔ قدیم شہر ہے، جس کا نام ہیراپولیس (HIERAPOLIS) تھا۔ زمانہ قدیم کے آثار ہنوز موجود

ہیں۔ فرات سے ۳ فرسخ پر سرسوج اور حلب کے مابین واقع تھا۔ اب ویران ہے۔

۷۴ ناصِر خَسْر و مَلِک شام میں | شام یا سوریا۔ زمانہ قدیم میں ملک

شام دو حصوں پر تقسیم تھا، ایک سوریہ، دوسرا فلسطین۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ زمانہ پہلے جب یہ ملک رومیوں کی حکومت میں چلا گیا تو دونوں حصوں کا نام سوریہ قرار پایا۔ جو بحر ابيض کے شرقی کنارے پر ایک صوبہ ہے۔ لیکن عربوں نے اس ملک کو شام کا خطاب دیا وجہ تسمیہ میں کوئی کہتا ہے کہ عبرانی میں سام بن نوح کا نام "شام" ہے۔ اور یہ ملک اُن کا آباد کردہ ہے یا یہ کہ یہ ملک خانہ کعبہ کے بائیں جانب ہے۔ اس لئے شام کہلاتا ہے۔ یا یہ کہ شوم (بدفالی نقیض میں) سے مشتق ہے۔

۱۵، حلب | ملک شام کا مشہور شہر۔ جن و خوب صورتی میں دوسرا قسطنطنیہ ہے۔

۱۶، رطل ظاہری | جس کا وزن ناصر خسرو نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے۔ یہ ایک خاص رطل تھا جو خلیفہ الظاہر

لاہور از دین اللہ فاطمی مصری کے نام سے منسوب تھا، الظاہر کا عہد حکومت ۴۱۱ھ سے ۴۲۵ھ تک رہا ہے، جو درہم ملک شام میں اس وقت جاری تھا۔ اس کا وزن $\frac{1}{4}$ ۴ گرین تھا۔ اس حساب سے رطل کا وزن ۲۲۸۰۰ گرین ہوا جو تقریباً $\frac{1}{16}$ ۳ پونڈ انگریزی کے برابر ہے۔

۱۷، حمص | قدیم نام قدس تھا۔ یہ شہر ایک دینی مرکز تھا چنانچہ قدس اور حمص کے معنی ایک ہیں حمص سوبح کا نام

ہے اور قدس مدینۃ اشمس ہے۔ سطح زمین پر آباد اور شام کا قدیم مشہور شہر ہے، ۳۷ درجہ ۱۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔

۱۸، دمشق | عرب دمشق (بالکسر) اور عجم دمشق (بالفتح) کہتے ہیں چنانچہ

شیخ شیراز فرماتے ہیں ہے

چنانچہ سالے شد اندر دمشق کہ یاران فراموش کردند عشق

یونانی نام اس شہر کا ڈاماسکینی تھا یعنی دما کا نیمہ، دما ایک یونانی

بہادر تھا جو دیونیس دیوتا کی طرف سے لڑا تھا اور جب لڑتا ہوا یہاں تک پہنچا، تو اس جگہ اپنا نیمہ نصب کیا اور ایک ہیکل بنائی عربوں نے معرب کر کے دما سیکنی کو دمشق بنا لیا اور انگریزی میں یہ نام ڈمس کس ہو گیا۔

سریانی میں دمشق کا تلفظ در مسوق ہے۔ دمشق کی آبادی جبل قاسیون کے متصل مخرج نہر بردی کے قریب ہوئی تھی۔ شام کا قدیم مشہور اور مقدس شہر ہے جو ۳۶ درجہ ۱۸ دقیقہ طول البلد اور ۳۳ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور سطح سمندر سے ۲۱۳۰ فٹ بلند ہے۔

سکندر اعظم (متوفی ۱۲ جون ۳۲۳ ق م) کی وفات کے بعد سلویوشس نیکڑ فاتح بابل و شام نے جو سکندر

کا پہ سالار اور اب اس کا جانشین تھا۔ اپنے بیٹے انطیوخوس (انٹیوچس ANTIOCHUS) کے نام سے شمالی ملک شام میں شہر انطیوخیمہ (ANTIOCH) آباد کیا تھا جو بعد کو عربی سانچے میں ڈھل کر انطاکیہ ہو گیا چنانچہ نقشوں میں عربی اور انگریزی دونوں نام درج ہیں عرب انطاکیہ ریائے مشرق لکھتے ہیں چنانچہ زہیر۔ اور امر القیس کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

علون بانطاکیہ فوق عقمة بخرمة نخیل اوجنہ یثرب

جند قنسرین کوئی موضع نہیں ہے یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح کنسرین ہے جس کا قدیم نام (CHALCIS)

تھا۔ اور حلب سے ایک منزل پر آج بھی ایک معمولی آبادی اسی نام

سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے کی سرزمین خالی پڑی ہیں جن میں مسافر پھرا کرتے ہیں (مرآة الوضیہ)

۸۱۔ **سرزمین** | قنسرین اور معرۃ النعمان کے درمیان حلب کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اور آج بھی موجود ہے۔

جس میں اسماعیلی آباد ہیں (مرآة الوضیہ)

۸۲۔ **معرۃ النعمان** | نعام کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر صحابی انصاری سے منسوب ہے۔

جنھوں نے معرہ کو فتح کیا تھا اور اسی شہر میں حضرت نعمان کا ایک صاحب زادہ دفن ہے۔ حلب سے جانب جنوب ۱۹ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

۸۳۔ **ابو العلامعری** | ابو العلامحمد بن عبداللہ بن سلیمان..... التنوخی المعری نہایت نامور شاعر، ادیب، نحوی اور لغوی

ہے۔ ۳۰ ربیع الاول ۶۳۰ھ یوم جمعہ کو غردب آفتاب کے قریب بمقام معرہ پیدا ہوا۔ اور ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔

۸۴۔ **کومات کویمات یا کفرطاب** | ابن حوقل، مقدسی، اصطخری اور بمعجم البلدان، میں کومات کا نام

نہیں ہے یہ نام صرف ناصر خسرو نے لکھا ہے۔ پر ڈیفیسر شیفر نے جو ترجمہ ناصر خسرو کا کیا ہے۔ اس میں بھی کومات ہے۔ لیکن محققین یورپ لکھتے ہیں کہ کومات کفرطاب کا نام ہے چنانچہ کفرطاب صوبہ حمص کا مشہور شہر ہے۔ جو معرۃ النعمان اور حماہ (یا حلب) کے درمیان تھا جس کی تصدیق نقوشات سے ہوتی ہے

۸۵۔ **حماہ یا حماة** | عبرانی میں حم کا ترجمہ ہے، حرارت شمس، اور ایک روایت ہے کہ حمت سے مشتق ہے۔ جس کا ترجمہ ہے

المدينة الحسینہ کتاب مقدس کے مطابق ارض میعاد کی یہ شمالی حد ہے۔ شام کا قدیم اور مشہور شہر ہے، ریل کی وجہ سے اب حماة سے حلب تقریباً ۱۰۰ گھنٹہ کا راستہ ہے۔ اور ۹۰ میل کی مسافت ہے۔

۵۶۔ **آب عاصی** | اس کو نہر الار نظر بھی کہتے ہیں اس کا یونانی نام اکیوس ہے، مقدونیا کے ایک نہر کے نام پر یونانیوں نے رکھا تھا۔ عربی میں یونانی سے یہ نام معرفت ہو کر عاصی ہو گیا ہے، یونانیوں نے وطن کی یاد میں پہلا شہر پیلار (PELLA) حماة شام میں آباد کیا تو نہر کا نام اکیوس رکھا جو براہ راست تمام اراضی کو سیراب کرتی تھی۔

حماة اور حمص کی نہر کا نام آب عاصی ہے۔ ناصر خسرو نے جو وہ تسمیہ لکھی ہے وہ ایک لطیفہ شاعرانہ ہے۔ اور یہ عرب جغرافیہ نویسوں کی غلطی ہے۔ اس کا دوسرا نام نہر مقلوب بھی ہے، کیونکہ عموماً شمال سے جنوب کو نہریں بہتی ہیں اور یہ نہر اس کے برعکس ہے۔

۵۷۔ **فوارۃ الدیر** | چشمہ لبنان کے دامن میں تھا اور اس کا نام فوارۃ الدیر تھا۔ بوسی قوس (مشہور یہودی مؤرخ) نے بھی اپنی تاریخ میں اس چشمے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سینچر کے دن اس چشمے سے پانی نہیں نکلتا تھا (از ترجمہ انگریزی سیاحت شام)۔

۵۸۔ **عرقہ** | یہ قدیم شہر ہے، جس کا تذکرہ تورات مقدس میں ہے۔ سکندر عظم نے اس میں ہیکل زہرہ تعمیر کی تھی جس میں تیطوس (TITUS) رومی نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد نماز شکرانہ پڑھی تھی، فینیشیا کے زمانے کے بھی آثار اس میں باقی ہیں طرابلس دلو۔

تین فرسخ پر آباد تھا اور آبادی پہاڑ کے نیچے تھی۔ یہاں پہنچ کر دمشق کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ عرقہ سے بحر الروم کا فاصلہ صرف ایک میل ہو گا شروع بارہویں صدی تک بطور قریہ کے موجود تھا اب نقشے میں یہ نام نہیں ہے مشہور علمی بستی تھی۔
(معجم البلدان، مرات غیب)

۸۹ نیشکر | مالک مغربی میں نیشکر کی کاشت (عہد متوسط میں) صوبہ خوزستان فارس سے داخل ہوئی ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ خوزستان کا کوئی ایسا شہر نہ تھا جہاں نیشکر کی کاشت نہ ہوتی ہو۔ خصوصاً شہر سوس (شوستر) نیشکر کا مرکز تھا اس شہر میں شکر سازی کے بکثرت کارخانے تھے اور عربوں نے کاشت نیشکر میں بڑی ترقی کی تھی۔ شکر کو وہ بہترین طریقہ سے صاف کرتے تھے اور عربوں ہی کی بدولت ہندستان سے مراکو تک نیشکر کی کاشت پھیل گئی تھی۔ نواح اہوازیں صد ہا حوض موجود ہیں جن میں رس بھرا جاتا تھا۔

۹۰ شجر نارنج | مونا گلیشور (GALLESIO) لکھتا ہے کہ یورپ اور مغربی ایشیا میں نارنجی ہندستان سے پہنچی ہے۔ کیونکہ نارنجی کا وجود ہندستان میں نہایت قدیم زمانے سے پایا جاتا ہے۔ اور نویں صدی عیسوی کے خاتمے سے کچھ قبل عربوں کو نارنجی کا علم ہو چکا تھا۔ جنوبی و مغربی ایشیا میں نارنجی عربوں کے ذریعے سے پھیلی ہے۔ مونا مسعودی نے لکھا ہے کہ نارنجی اور ترنج مدور کا درخت ۳۹۱ھ میں ہندستان سے گیا پہلے پہل یہ درخت عمان میں لگایا گیا۔ پھر عمان سے بصرہ اور عراق و شام میں پہنچا اور شام کے ملک طرسوس میں تو یہ کثرت ہوئی کہ کوئی گھر نارنجی کے درخت سے خالی نہ رہا پھر شام کے

دوسرے سرحدی شہروں میں رواج ہوا۔ خصوصاً انطاکیہ اور تمام ساحلی شہروں میں لگایا گیا۔ پھر فلسطین سے مصر تک اس کی ترقی ہوئی جہاں اس کے پہلے کوئی نارنگی کو جانتا بھی نہ تھا۔ (از سیاست شام ناصر خسرو ترجمہ انگریزی)۔

۹۱۔ اطرابلس الغرب | جس کو ٹری پولی کہتے ہیں بحر الروم کے کنارے آباد ہے اور بندرگاہ (المینا) ۲ میل کے فاصلے پر ہے ۳۵ درجہ ۵۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۲۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور اسی نام کا دوسرا اطلس افریقہ شمالی میں ہے۔

۹۲۔ روم | (روم) سے قدیم شہر رومادار السلطنت اٹلی (ایطالیہ) مراد ہے جس کو روموں نے ۵۳۳ ق م میں آباد کیا تھا۔ لیکن ۳۳۰ء میں قسطنطین اعظم نے یونان کے مشہور شہر بزنطائن کو وسیع کر کے قسطنطنیہ نام رکھا جو سلطنت کے اثر سے بعد میں روم جدید یا مشرقی روم کہلایا۔ قدیم روم کو عرب رومۃ الکبریٰ یا مغربی روم کہتے ہیں۔

۹۳۔ کاغذ سمرقندی | (کاغذ سمرقندی) علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ عربوں نے کاغذ بنانے کے کارخانے جاری کر دیے تھے چنانچہ ابن خلدون نے

صناعة الوراقہ کے عنوان سے عہد ہارون الرشید میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن سمرقند میں عہد عباسی سے قبل ۸۵۰ء میں رومی کا کاغذ تیار ہوتا تھا۔ جو یورپ میں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں مستعمل ہوا۔ کاغذ سمرقندی کشمیر اور کاپچی کے کاغذ سے مشابہ ہوتا ہے۔ مگر سب سے قیمتی اور بہترین قسم وہ ہے جس کو پوست تہامہ کہتے ہیں اور یہ بعینہ ہرن کی جھلی معلوم ہوتی ہے۔ جس پر لکھے ہوئے متعدد کلام مجید میری نظر سے گزرے ہیں۔

۹۴ اندلس | اسلامی نام ہے جس کو اب اسپین کہتے ہیں یہ جزیرہ نما یورپ کے مغرب و جنوب میں ہے اور دو حصوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ مغربی حصے کا نام پرتگال اور جنوبی کا نام اسپین ہے۔ عہد قدیم میں یہ ملک ”آئی بریا“ کہلاتا تھا جس کا نام یونانیوں نے ”اسپانیا“ رکھا۔ عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر ۷۵۷ء سال کی فرمانروائی کے بعد ۱۴۹۲ء میں تمام ملک سے مسلمانوں کو خارج کر دیا جن کے حال پر آنسو بہانے والا اب بجز قصر آلزہراء اور قصر الحمراء کے کوئی نہیں ہے۔ سیدیکچی قرطبی نے اپنے مشہور قصیدے میں فتنۂ اندلس کی تباہ کاری کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ رانخاب از جام جم و تاریخ العرب

۹۵ سسلی یا صقلیہ | بحیرہ روم میں جو جزائر ہیں منجملہ ان کے جزیرہ سسلی نہایت مشہور ہے یہ جزیرہ مثلث کی صورت میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور اس وقت اس پر اٹلی ہی کا قبضہ ہے۔ جو تقریباً دس ہزار میل مربع رقبے میں آباد ہے۔ لیکن حقیقت میں سسلی کے عروج اور تہذیب و تمدن کا وہ زمانہ تھا جب فاتحین عرب نے جہازوں سے اتر کر اپنا مبارک قدم اس جزیرے میں رکھا اور جو ملک تمام برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا وہ عربوں کی بدولت چندویں روز میں ایک مہذب و متمدن ملک بن گیا اور بلا دیورپ میں سب سے پہلے جس تاریک کُرہ ارض پر علوم و فنون کی شعاعیں پڑیں وہ یہی سسلی کا علاقہ تھا۔ ۸۲۷ء میں بزمانہ سلیمان بن عبد الملک یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا جس پر عہد مامون الرشید عباسی میں دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ مقدسی اور ابن حوقل نے صقلیہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ (از تاریخ صقلیہ)

۹۶ قلمون | علاقہ دمشق کا مشہور موضع ہے اور اسی نام کا قلعہ بھی ہے جس کا ناصر تذکرہ کرتا ہے۔ قلموں ہنوز موجود ہے۔ انگریزی تاریخوں

میں اس کا تلفظ کلماس (CALMOS) ہے۔ (سبح البلدان ۱۸۱، مرصدا وغیرہ)

۹۷ طرابرزن | یہ شہر طرابزون یا طرابزند کے علاوہ ہے جو آرمینیا کا ساحلی شہر ہے، سبح البلدان و مقدسی وغیرہ میں از نام

طرابرزن، کوئی شہر نہیں ہے ناصر کی تحریر کے مطابق طرابلس سے یہ شہرہ فرخ کے فاصلے پر تھا۔ زمانہ حال کے محققین نے بلحاظ موقع اس کی تحقیقات کی ہے چنانچہ پروفیسر ایم شیفرڈ کا خیال ہے کہ ”یہ قدیم شہر تیرون ہے جو بگڑ کر طرابرزن ہو گیا ہے“ اور یہ وہ شہر ہے جس کو یونانی تہریس کہتے تھے۔“

۹۸ جبیل | صاحب مرصدا الاطلاع لکھتے ہیں کہ جبیل جبل کی تصغیر ہے۔ اور اس نام کے مختلف مقام اور پہاڑ ہیں لیکن ناصر خسرو

نے جس شہر کا ذکر کیا ہے وہ جبیل علاقہ دمشق کا مشہور شہر ہے۔ لیکن جبیل، جبل کی تصغیر نہیں ہے۔ بلکہ جب اور ایل سے مرکب ہے۔ عبرانی میں ال اور ایل خدا کا نام ہے اور جب کا ترجمہ ہے قلعہ اور مقام بلند۔ اس سے وہ علاقہ مراد ہے جس میں قبائل آرامیہ متوطن تھے اور یہ مقدس حماة کا میدان تھا جو بیروت سے ۸ فرسخ کے فاصلے پر موجود ہے اور نقشے میں (JEBEIL) طرابلس اور

بیروت کے مابین دلج ہے اس کا یونانی نام بیل یا بیلوس (BIBLOS) ہے اور عبرانی نام جی بال (GEBAL) ہے جس کا توراہ مقدس میں دو جگہ ذکر ہے اور جس کی تصدیق آثار قدیمہ سے ہوتی ہے اور جنگ صلیبی کی تاریخ

میں اس کا نام جبیلٹ (GIBLET) ہے سلطان صلاح الدین نے اس شہر کو عیسائیوں سے ۵۸۳ھ میں فتح کر کے اس کو خالص کر دوں سے آباد کیا تھا موجودہ مردم

شماری ۶۰۰ کے قریب ہے۔ (از معجم البلدان، مراد، مراة الوضیة)

اس کا ترجمہ ہے درخت صنوبر جو جبل لبنان میں بکثرت تھے
۹۹ بیروت دوسری روایت ہے کہ ایک دیوبی (دیوی) کا نام تھا،

جس کے نام سے شہر آباد ہوا۔ نہایت قدیم شہر ہے۔ اور بحر الروم کے کنارے
 آباد ہے جس کا رقبہ ۶۸۰ میل مربع ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور
 عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۴ دقیقہ ہے۔ ساحل شام کا مشہور و معروف بندرگاہ ہے

شہر صور کی جانب مشرق اور ۶ فرسخ کے فاصلے سے ساحل
عنا صیدا پر آباد ہے قدیم فینیشیا کا مشہور شہر ہے۔ انگریزی میں اس کا نام ،
 سیڈا، یا سیڈان (SAIDON)، ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور
 عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۵ دقیقہ ہے۔

ملک شام کا ساحلی شہر ہے جس کو انگریزی میں ٹیر (TYER)
۱۰۱ صور کہتے ہیں یونانی نام تیروس تھا۔ اسلامی دور حکومت میں یہ

ایک فوجی مرکز تھا۔ صور سے عکہ ۱۲ یوم اور صیدا ایک دن کی مسافت پر
 ہے دولت و تجارت میں صور ضرب المثل تھا۔ شہ ق۔ م میں یہ شہر ملکہ
 بحار (سندروں کی شہزادی) کہلاتا تھا۔ تخت نصر اور سکندر عظیم نے اس کو
 تباہ و برباد کیا اب ایک چھوٹا سا شہر ہے روئی اور کوئلہ کی تجارت ہوتی
 ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۱۲ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۱۸ دقیقہ ہے۔

جس پہاڑی دے کے اندر ہو کر ناصر خسر و گزرا
عنا وادی بطاف تھا وہ حقیقت میں ایک قدیم راستہ ہے اور

عکہ سے دمشق کو عموماً مسافر اسی راستے سے جاتے تھے جس کا نام وادی
 بطاف ہے (سیاحت شام ترجمہ انگریزی)

۱۰۳۔ **عکہ** | انکو، عکا د۔ اس کا قدیم نام اکزیب ہے جس کا ترجمہ سیل ہے اور عک کا ترجمہ الرمل المحرق (جلتی ہوئی ریگ) ہے سب سے

اول دنیا میں اسی جگہ کی ریگ سے شیشہ (زجاج) بنایا گیا،

انگریزی میں اس شہر کا نام اکری (ECRE) ہے ساحل شام کا یہ قدیم شہر اور بندرگاہ اور مرکز تجارت ہے۔ جو صورا اور حیفاکے درمیان ہے اور صورتے ۱۴ ایوم کی مسافت پر ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۶ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۵۶ دقیقہ ہے قدیم نام تالمیس یا بطلوما سیس ہے۔

۱۰۴۔ **صالح** | حضرت صالح بن عبید بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام مشہور مغرب میں قوم ثمود کی ہدایت پر مامور تھے مقام حجر میں قیام تھا اور تجارت کرتے تھے مسیح علیہ السلام کی طرح خانہ بدوش رہے آپ کا معجزہ ایک ناقہ تھا جس کی قدر بن سالف نے کو پین کاٹ ڈالی تھیں اس پر خدا کا عذاب آیا اور قوم تباہ ہو گئی۔ (القرآن سورۃ الشعراء)

۱۰۵۔ **مینا** | جو شہر سمندر کے کنارے آباد ہوتا تھا اور جہاں جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس کے کنارے پانی کا ایک حصہ، خشکی کی

جانب محصور کر دیا جاتا تھا۔ جہاں جہاز اور کشتیاں لنگر ڈالتی تھیں اس کو عربی میں مینا کہتے ہیں اور اس کا مرادف فرضہ ہے جس کو انگریزی میں پورٹ

(PORT) ہر پور (HARBOUR) اور ہیون (HAVEN) کہتے ہیں فی زمانہ جس طرح بڑے دریاؤں پر ریلوے پل بنائے جاتے ہیں اسی طرح سمندر کے کنارے سطح آب سے عمق تک کوٹھیاں گلائی جاتی تھیں اور ریت پہنچ کر ستون قائم کئے جاتے تھے اور یہ ستون امتحاناً ایک سال تک بحال خود چھوڑ دیے جاتے تھے جب بنیاد مستحکم ہو جاتی تھی تو پھر ان ستونوں پر

پہلے بنائے جاتے تھے اور ایک بڑا دروازہ بنایا جاتا تھا جس کے اندر سے شب و روز جہازوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جس طریقے سے جہاز نکلتے تھے اس کی ناصر خسرو نے خود صراحت کی ہے۔ دیکھو (معجم البلدان و مقدسی جام جم حالات عکہ)

۱۰۶۔ **اعین البقر** | یہ چشمہ عکہ سے جانب مشرق ہے جو مسلمان یہودی اور عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہے، چند سیڑھیاں ہنوز قائم ہیں اور قدیم مسجد کی ایک محراب بھی باقی ہے یہ مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہے اور اس کی نسبت عجیب غریب روایات مشہور ہیں اس مسجد کے مشرقی حصے میں سیلابوں نے ایک گرجا بنا لیا تھا، قدیم اور جدید سفر ناموں میں اس چشمے کا عموماً ذکر ہے (معجم البلدان ابن بطوطہ، خان بہادی) | یہ وہ مشہور پہاڑی سلسلہ ہے جو لورگلیلی (LOWER GALILEE) کے نام سے مشہور ہے۔

۱۰۷۔ **بروت** | بیروت کے علاوہ بروت ایک جدید شہر تھا جو ساحل کے کنارے تھا۔

۱۰۹۔ **عکہ بردہ** | (BIRWAH) عکہ سے جانب مشرق تین میل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت عیص یا عیصو حضرت اسحق بن ابراہیم کے صاحبزادے ہیں عیش کتابت کی غلطی ہے (معارف ابن قتیبہ)۔

۱۱۰۔ **شمعون** | حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ہیں ان کی والدہ کا نام لیاہ تھا اور حضرت شمعون کے تین بیٹے، شمویل، یامین ساؤل ہیں جن کا تذکرہ کتاب مقدس میں ہے۔

۱۱۱۔ **وامون** | یہ ایک غامبی جو تل پر دہ کے جنوب میں موجود ہے۔ اور

نقشجات میں درج ہے۔

۱۱۲ ذوالکفل | یہ لقب ہے بسرن ایوب کا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جانشین ہوئے، بنی اسرائیل نے کثرت سے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا تھا اور چونکہ آپ نے تنلو پیغمبروں کی جان بچائی تھی لہذا ذوالکفل (ضامن) خطاب پایا ذوالکفل حضرت ایسح کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور ایسح حضرت الیاس نبی کے خلیفہ تھے جو بعد کو پیغمبر ہوئے حضرت ذوالکفل شاہ کنعان اسرائیلی کے عہد میں مبعوث ہوئے تھے سورہ ص میں ہے۔ "واذکرا اسمعیل والیسع وذلکفل وکل من الایثار" (طبری کبیر، القرآن)

۱۱۳ عبیلین | یہ ایک موضع ہے جو داموں کے جنوب میں واقع ہے۔ (ABILIN)

۱۱۴ ہود علیہ السلام | قوم عاد پر مبعوث ہوئے جن کا ملک دبار سے عمان تک اور حضرموت سے یمن تک پھیلا ہوا تھا تجاری اور سنگ تراشی میں اس قوم کو بڑا کمال تھا عذاب الہی سے یہ قوم بھی تباہ ہوئی۔ حضرت کا مزار احقاف میں ہے۔ معارف ابن قینہ و تاریخ یمن۔

۱۱۵ عویر علیہ السلام | بنی اسرائیل کا ایک گروہ آپ کو ابن اللہ کہتا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وقالت الیہو عزیر ابن اللہ، تو راتہ مقدس کے آپ حافظ تھے، بخت نصر شاہ بابل حضرت دانیال کے ہمراہ آپ کو بھی بیت المقدس سے گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ اور تو راتہ کے کل ننخہ جلا دیے گئے تھے چنانچہ رہائی کے بعد

بیت المقدس میں واپس آ کر حضرت عزیر نے اپنے حافظہ سے تورات کو لکھو کر دوبارہ مرتب کیا صحیح روایات کے مطابق آپ کا مزار موضع قرظہ رحل اتصال و جبلہ و فرات جو بصرہ سے ۹ گھنٹہ کی مسافت پر ہے، یہاں صد ہا یہودی سالانہ زیارت کو جاتے ہیں (معارف ابن قتیبہ)

حضرت شعیب بن صیفون نبی مرسل
۱۱۶ شعیب علیہ السلام

ہیں، تورات میں ہے کہ آپ مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ یہودی آپ کو تیرویاترون کہتے ہیں۔ اصحاب الایکھ اور مدین کی ہدایت پر مامور تھے۔

حضرت شعیب کا مزار عکہ کے ایک غار میں ہے جو دامن کوہ میں ہے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار موضع حطین میں ہے (طبریہ اور عکہ کے مابین ہے) اور مراد الاطلاع میں لکھا ہے کہ حضرت شعیب کا مزار موضع خیبارہ میں ہے۔ لیکن یہ مقام بھی طبریہ سے ایک فرسخ پر ہے۔ بہر حال ناصر خسرو نے جو موقع لکھا ہے وہ صحیح ہے مواضع کے ناموں کا رد و بدل قابل لحاظ نہیں ہے۔

اس نام کے مختلف مقامات ہیں لیکن جس موضع کا ناصر
۱۱۷ اربیل
 خسرو ذکر کرتا ہے، لحاظ موقع اس کا نام اربد ہے۔ لہذا یہ یقینی کتباً بت کی غلطی ہے موضع اربد طبریہ کے متسرب علاقہ اروان میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوکبد تھا آپ لادی بن یعقوب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور عمران بن فاہست
۱۱۸

بن لادی بن یعقوب عم سے شادی ہوئی تھی، عرب مورخین نے یوکید کو یوخابث لکھا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ)

۱۱۹۔ بحیرہ طبریہ | یہ بحیرہ شہر طبریہ کے کنارے ہے۔ لہذا اسی نام سے مشہور ہوا اس کا طول ۱۲ فرسخ اور عرض ۳ فرسخ ہے کتب مقدسہ میں اس کا نام بحر الجلیل بحیرہ جناتشر، اور کرنٹ ہے۔ اس کا پانی شیریں ہے۔ اس بحیرے پر ایک پل قائم ہے، جس کے اوپر سے دمشق کو راستہ جاتا ہے۔ (ابن حوقل، مقدسی)

۱۲۰۔ طبریہ | صوبہ ارون کی وادی کنعان میں شہر طبریہ (TIBERIAS) آباد ہے۔ جس کو قیصر طبیار یوس کے نام پر تیر و ڈوس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر میں وہ مشہور و معروف یہودیوں کا مدرسہ تھا جس کا نامور پروفیسر حاخام یہودی تھا جو ۲۲۰ء تک زندہ تھا اول یہ شہر خلافت فاروقی پہنچنے میں فتح ہوا پھر عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا ۱۰۳۶ء کے زلزلے میں نصف سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۱ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۲۶ دقیقہ ہے۔

طبریہ علمی بستی ہے جس میں محدثین، حفاظ، مشائخ بکثرت گزرے ہیں

۱۲۱۔ یوشع بن نون | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر آپ بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل میں ہیں، بنی اسرائیل کو تھ سے لیکر نکلے جبارہ سے لڑے اور بلاق تک آئے۔ (یعقوبی)

۱۲۲۔ دریائے لوط | قدیم عربی کتب جغرافیہ میں اس کا نام بحیرہ المیتہ بحیرہ منتنہ، بحر الملح، بحیرہ زغور اور المقلوب ہے چونکہ پانی

اس دریا کا نہایت شور و تکین ہے اور اس میں کوئی جانور زندہ نہیں رہتا ہے اور بودا بھی ہے، لہذا اسما سے مذکورہ بالا سے موسوم ہوا۔ موجودہ اٹلسوں میں اس کا نام (DEAD SEA) ہے جو بحر المیت کا لفظی ترجمہ ہے یہ بحیرہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔

دینار ایک سکے کا نام ہے جو قیصر روم نے ۱۹ء ق م میں جاری کیا تھا۔ دینار لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا

۱۲۳ دینار مغربی

ماخذ دیناریوس (DENARIUS)، اور اس کا مادہ ڈینی (DENI) ہے۔ جس کا ترجمہ (دس) ہے اور چونکہ ابتدا میں ایک دینار، ذیل آس (ایک رقم کارومی درہم) کے برابر ہوتا تھا اس مناسبت سے اس کا نام دینار ہوا اور یہ سکہ چاندی کا تھا لیکن اخیر سلسلہ ق م میں یہ سکہ طلائی ہو گیا جس کا وزن ایک مثقال تھا بعد ازاں سلاطین ایران نے بجنہ اسی شکل و صورت کے سکہ جاری کیے اور وہ بھی درہم و دینار کہلائے چنانچہ ملک شام اور دیگر ممالک عرب میں تجارتی تعلقات سے یہ رومی اور ایرانی سکہ جاری تھے، اور عرب ان کے بہت شایق تھے بعض ارباب لغت لکھتے ہیں کہ دینار کا ماخذ دتار ہے، جس کا لٹون حرف یاء سے تبدیل ہو کر دینار ہو گیا ہے۔ اور اس بنا پر کہا جاتا ہے، ثوب مدنز اور فرس مدنز (جس کپڑے پر مدوز نقش و نگار ہوں یا جس گھوڑے پر خوب صورت گل ہوں وہ مدنز کہلاتا ہے) لیکن ہماری رائے میں لسان عرب کے یہ معمولی تصرفات ہیں بہر حال تحقیق یہی ہے کہ دینار رومی لفظ ہے چنانچہ ظہور اسلام سے قبل عرب میں مذکورہ بالا سکہ جاری تھے ممالک مغرب میں جو دینار ناصر خسرو کے زمانے میں جاری تھا۔ وہ موجودہ نرخ سے چھو رپڑ کے برابر تھا۔

دینار کے بعد درہم کا درجہ تھا یہ ایک چاندی کا سکہ تھا جس کا وزن

ایک درم کے برابر تھا اور لفظ درہم کسی رومی یا یونانی لفظ سے ماخوذ ہے عرب میں یہ سکہ بھی ایران سے داخل ہوا جو مختلف وزن تھا اور عرب میں جو درہم اول مرتبہ جاری ہوا وہ بشکل نوات (چھوٹے) کی گٹھلی تھا اور غیر منقش، خلافت فاروقی میں مدور ہوا اور حضرت زبیر نے اس کو منقش کیا جس کی ایک جانب کلمہ طیبہ تھا۔ عہد رسالت میں ۱۰ درہم کا وزن ۵ مثقال کے برابر تھا اور عہد فاروقی میں، مثقال ہو گیا۔ ایک مثقال وزن میں ۱۰۰ جو کے برابر تھا۔ عبد الملک کے عہد میں درہم شاہی سکہ قرار پایا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

۱۲۲ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی رسول اللہ صلعم ہیں آپ کے نام میں بہت اختلاف

ہے جس کا لکھنا بیکار ہے، البتہ کنیت مشہور عام ہے ۵۷۰ھ میں رحلت کی۔

۱۲۵ اکفرنا

سجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفر کتنا فلسطین کا ایک شہر ہے جس میں حضرت یونس اور آن کے والد ماجد کا مزار ہے۔ نقشے میں

اب یہ شہر نہیں ہے۔ لیکن حیفا کے بالائی حصے میں کوہ کرمل کے قریب یہ خانقاہ ہوگی جس کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے۔

۱۲۶ حضرت یونس

حضرت یونس بن متی علیہ السلام حضرت الیاس کے بعد اہل نبیو کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے اور نینوا علاقہ موصل میں

وہ مشہور قریہ ہے۔ جہاں حضرت یونس کی سکونت تھی۔ المعارف و معجم البلدان

۱۲۷ حیفا

حیفا بالمدینہ طیبہ کے ایک موضع کا نام ہے اور حیفا غیر مدود ساحل شام کا مشہور شہر ہے جو ناصر خسرو کے زمانے

میں ایک معمولی قریہ تھا۔ اور حیفا۔ دراصل اس قلعہ کا نام تھا جو یافہ کے قریب تھا جس کو ۵۶۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے فتح کر کے مصلحت ملکی سے تباہ کر دیا تھا۔

۱۲۵۔ جو قومی ساحل پر آباد ہوتی ہیں، وہ قدرتی طور پر فن کشتی رانی سے واقف ہوتی ہیں خصوصاً عرب اور ایرانی۔ انہوں نے جہاز رانی اور کشتی سازی میں عہد قدیم سے ترقی کی تھی اور کشتیوں کے نام ساخت کے لحاظ سے رکھے تھے اور ہر قسم کی کشتیاں بناتے تھے۔ عربوں کی کشتیاں حسب ذیل تھیں۔

۱۔ بڑی کشتیاں۔ جودی۔ فلک۔ خلیۃ۔ مزاب۔ بوضی (بوزی) متلح عقاب۔ ذہبیہ (دریائی نیل کی عام کشتیاں) جاریہ۔
۲۔ اوسط درجے کی کشتیاں۔ فسطوکہ۔ زرد، مزدوس۔ نبوق، سلاریہ جوڈی اور بوضی۔ یہ دونوں کشتیاں بصرہ اور بحر فارس میں چلتی تھیں، جس پر ناصر خسرو سوار ہوا۔

۱۲۹۔ کنیسہ
حیفا کے بعد شام میں قیساریہ کے متصل ایک موضع تھا۔ یہاں یہودیوں کا ایک عبادت خانہ "کنیسہ" کے نام سے مشہور تھا۔

بنگ صلیبی کے زمانے میں اس کا نام (CAPERNAUM) تھا۔ یہی کنیسہ گرجا بھی تھا۔ اور اس کو تل کنیسہ بھی کہتے تھے (بمخ یا قوت)

۱۳۰۔ قیساریہ
ساحل بحر الروم پر آباد تھا اور اعمال فلسطین میں شامل تھا۔ قیساریہ سے طبریہ ۳ یوم کی آہ پر تھا اور مکہ سے، فرنگ تھا۔ اور رملہ سے ایک یوم کی مسافت پر تھا۔ ۵۳۱ھ میں جب عمرو بن العاص

نے قیساریہ کو محصور کیا ہے تو شہر میں ۳۰۰ بازار تھے۔ کسی زمانے میں یہ بڑا شہر تھا۔ عہد ناصر خسرو میں معمولی قصبہ تھا (بحجم یا قوت ص ۱۹)

۱۳۱ بحر الروم | بحر الروم کو بحر شام، بحر ابیض، اور انگریزی میں میڈیٹیرین سی (MEDITERRANEAN SEA) کہتے ہیں۔ یہ دریا حقیقت

میں بحر محیط کی ایک شاخ ہے جو مصر کو طو کرتی ہوئی شام تک گئی ہے، اور بحر محیط مختلف دریاؤں کا منبع و سرچشمہ ہے۔ لیکن بڑی شاخیں دو ہیں۔ مشرقی شاخ میں بحر ہند، چین، فارس، سین اور حبش تک ہے، مغربی شاخ اندلس (اسپین) سے براہ افریقہ، مصر، شام اور قسطنطنیہ تک ہے۔ (بحجم یا قوت)

۱۳۲ کفر ساہا و کفر سلام | ناصر خسرو نے دو مقامات کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مواضع جداگانہ ہیں۔

۱- کفر ساہا | شام میں کفر ساہا، تاملس اور قیساریہ کے مابین واقع ہے۔ اور آج تک فلسطین کے نقشے میں موجود ہے "جو دمشق کی سڑک پر ہے۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ (یا قوت ص ۱۱۱)۔

۲- کفر سلام | مدت ہوئی کہ کفر سلام ختم و فنا ہو چکا ہے۔ اب نقشوں میں یہ نام موجود نہیں ہے۔ مقدسی اور یا قوت نے الگ الگ کفر ساہا و کفر سلام کا حال لکھا ہے۔ قیساریہ سے ہم فرسنگ پر ایک بڑا موضع تھا جس میں رباط بھی تھی۔ اس جگہ مسافروں کی رہنمائی کے لئے ایک مینار تھا۔ جس پر روشنی ہوتی تھی۔ اور ضرورۃ طبل (نقارہ) بھی بجایا جاتا تھا۔

اور رملہ سے ہر دو مواضعات کا فاصلہ ایک یوم کی مسافت ہو۔ کفر کا ترجمہ قرآن
 ہے۔ شام میں کفر کی ترکیب سے متعدد مقامات ہیں۔ کفر سلام کی جگہ پر اب
 راس العین ہے (ترجمہ انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو و معجم یاقوت، ص ۳۶۷ و مقدمہ)
 فلسطین کا ایک خوبصورت قصبہ ہے، جس میں بیوہ افراط
 سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۳۳ رملہ

سفر نامہ میں رملہ کے بعد خاتون کا ذکر ہے۔ یہ کتابت
 کی غلطی ہے، صحیح نام لثرون ہے۔ یہ ایک موضع ہے۔ (از
 سیاحت شام انگریزی)

۱۳۴ لثرون

قدیم نام اور شکیم یا یروشلم ہے۔ یہ ایک قدیم
 شہر ہے جس کو قدس بھی کہتے ہیں۔

۱۳۵ بیت المقدس

عرض البلد ۳۵ درجہ ۳۶ دقیقہ

طول البلد ۳۳ ° ۴۱ °

مسجد اقصیٰ سے آگے ایک بہت بڑا ہموار میدان اور
 جنگل ہے جس کا نام ساہرہ ہے۔ مسلمانوں کا عام خیال ہے،
 کہ یہی میدان قیامت (مخشر) ہوگا اور یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ
 عنہ سے منقول ہے۔ اسی لیے ساہرہ میں خونریزی بھی جائز نہیں ہے (مجم ۱۱)
 شہر قدس کے باہر ایک محلہ عین سلوان ہے جہاں
 ایک چشمہ بھی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ

۱۳۶ عین سلوان

عنه نے عین سلوان کا پانی مساکین و غبار کے لیے وقف کر دیا تھا (مقدس)
 ناصر خسرو نے ۴۳۵ھ میں یہ مسجد دیکھی تھی اور مقدس
 نے اس سے قبل شام کی سیاحت کی تھی۔ چنانچہ ابواب

۱۳۷ مسجد اقصیٰ

مسجد کے بعض نام بدل گئے تھے چھٹی صدی ہجری میں بہت زیادہ تبدیلی ہو گئی تھی۔ ناصر نے مسجد اقصیٰ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔

۱۳۹ قبة صخرہ | ایک سخت پتھر کی چٹان (ٹول) ہے جو سنگ صخرہ کہلاتا ہے۔ اس کی ضخامت ۳۳ × ۲۰ گز ہے جو عہد قدیم کے پیغمبروں کی

یادگار ہے۔ یہ پشت پہل ہے۔ ظہور اسلام سے قبل یہی قبلہ تھا۔ بعد میں کعبہ ہوا۔ یہ بھاری پتھر وسط مسجد اقصیٰ میں ایک بڑے وسیع چبوتے پر رکھا ہوا ہے۔ یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجرا سودی کی شب میں تین سو قندیلیں صخرہ کے چاروں طرف روشن ہوتی ہیں۔ قبة صخرہ کے نیچے ایک غار ہے جس میں جاکر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ اس غار میں بہ یک وقت ۶۹ اشخاص نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۱۴۰ گز ملک | یہ ایک قدیم گز تھا۔ جس کو گز شاہگان بھی کہتے تھے گز ملک کی مقدار دواش کے برابر تھی۔ بیت المقدس کی عمارت میں "ال" ارشس کے برابر مانا گیا ہے۔ (از ڈکشنری انگریزی و ترجمہ سیاحت شام،

۱۴۱ درخت حور | یہ درخت ممالک روم سے مخصوص ہے۔ اسی لیے نام نے ذکر کیا ہے کہ اس کا ملک شام میں ہونا تعجب ہے۔ اس کا گوند کاہ رہا ہے جس کو اصطلاح طبری میں کہربا کہتے ہیں۔

۱۴۲ بیت اللحم | قدس شریف سے ۶ میل کے فاصلے پر ایک معمولی موضع ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کا مولد ہے۔ قرآن شریف میں حضرت مریم علیہ السلام کے قصے میں جس کھجور کا ذکر وارد ہوا ہے۔ اس کا ایک حصہ ہنوز عبادت خانے میں تبرکاً محفوظ ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز کی کن

کن ذرائع سے تصدیق ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ! (مجم ۲۲۳ صفحہ ۲۱۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدفن مشہد خلیل کے نام سے مشہور ہے جس کو جبرون، جبرین، جبری، اور مطلقون بھی کہتے ہیں، یہ مقام بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ مطلقون منجملہ چار مواضع کے ایک وقفی موضع تھا۔ جس کا ذکر ناصر خسرو نے بھی کیا ہے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار تھا۔ حضرت سارہ علیہ السلام ان کی زوجہ پہلے فوت ہو چکی تھیں اور وہیں مدفون تھیں لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اُن کے قریب ہی دفن ہوئے۔ زیر سابقان حضرت اسحاق علیہ السلام اور اُن کے قریب ہی اُن کی بی بی حضرت رقیہ علیہا السلام دفن ہیں۔

اور پچھلے حقے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کی رفیقہ حیات حضرت ہلیاء محو خواب ہیں۔ مشہد خلیل کے قریب ایک احاطہ ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور احاطے کی جانب مغرب حضرت یوسف علیہ السلام بھی مدفون ہیں آپ کا تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔

۲۲۲۔ بیعت القمامہ | شہر بیت المقدس میں بیعت القمامہ یہودیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے۔ جو وسط شہر میں نہایت

شانداز مستحکم و خوبصورت ہے۔ اور خزانوں سے معمور ہے۔ اس کے اندر ایک مقبرہ ہے جو قمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری نے اس بیعت کو منہدم کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل دوسری جگہ دیج ہے۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق اسی جگہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہوئے تھے اور اسی گرجا میں اُن کا جشن منایا گیا تھا۔ (مجم ۱۵۸

دترجمہ انگریزی سیاحت شام)

۱۲۵ء عسکلان غزہ | اعمال فلسطین میں ساحل بحر پر مابین عذہ و بیت حیرین واقع ہوئی۔ حسن و جمال کے لحاظ سے اس کا خطاب

عروسِ شام ہے اور یہ دوسرا دمشق ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین کا برسوں مسکن رہ چکا ہے، جنگِ صلیبی (۵۴۵ھ لغایت ۵۶۵ھ) میں تباہ ہو گیا تھا۔

۱۲۶ء اطلینہ | بجزیرہ تینس اور قرما کے مابین ایک قصبہ تھا (۱۶۰ھ بمجموعہ عمان)

۱۲۷ء جزیرہ تینس | یہ جزیرہ قرما اور میاط کے مابین ہے۔ دراصل یہ ایک بحیرہ ہے جس کو نیل کی ایک شاخ کہنا چاہئے، جو خشکی

سے متصل اور بحر الروم سے قریب ہے۔ سیاحتِ ناصر کے زمانے میں بہت آباد تھا۔

۱۲۸ء قسطنطنیہ | یا استنبول۔ دنیائے اسلام کا مشہور شہر جو صدیوں تک ترکوں کا پایہ تخت رہا۔

۱۲۹ء صالحیہ | مشرقی مصر کا قدیم شہر ہے۔ زمین ریگستانی ہے۔ صالحیہ سے شام تک آج بھی سڑک جاری ہے۔ اس شہر کا بانی حاکم

الصالح نجم الدین بن ملک الکامل محمد بن عادل ایوبی تھا اور اس عہد میں یہ فوجی چھاؤنی تھی۔ قدیم جامع مسجد ہنوز موجود ہے اور ۶ ہزار کی آبادی ہے (منجم ذیل معجم جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۹)۔

۱۵۰ء نہر جیحون | جیحون کا ڈنیا کی بڑی نہروں میں شمار ہے اور یہ متعدد نہروں کا مجموعہ ہے اور پھر اس سے متعدد نہریں نکلی ہیں حدودِ بدخشا

سے نکلتی ہے اور دور تک بہ کر بحیرہ خوارزم میں مل گئی ہے مغربی ایشیا کی سب سے بڑی نہر ہے خیوآ اور بخارا سے نکل کر بحیرہ اُورال میں گرتی ہے۔

تقریباً ۱۳۰۰ میل تک اس کا بہاؤ ہے۔ اس کا انگریزی نام پیراموس ہے۔

نہر سیحون | جیحون کے بعد دوسری مشہور نہر سیحون ہے۔ سرزمین یہ بھی تیح بستہ ہو جاتی ہے۔ اس کا انگریزی نام ساروس (SARUS) ہے۔

۱۵۱۔ ترمذ | ترمذ، ماوراء النہر کا قدیم مشہور شہر ہے جو شرقی وادی جیحون میں واقع ہے۔

۱۵۲۔ نوبہ یا نوبیا | نوبہ جنوب مصر میں ایک طویل و عریض علاقہ ہے۔ جو سوڈان کا ایک جز ہے۔ اسوان کے بعد ہی یہ علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا صدر دفتر مقلہ ہے (مجم ۳۲۳)

۱۵۳۔ اصعید الاعلیٰ | صوبہ مصر نوبیت زمین کے لحاظ سے دو حصوں پر تقسیم ہے جو حصہ بلند ہے وہ مصر صعید (UPPER EGYPT) کہلاتا ہے۔ اس رقبہ میں ۵، ۹ مواضع ہیں اور جو حصہ پست ہے۔ اس کا نام مصر الغالی یا مصر سفلی (LOWER EGYPT) ہے۔ اس میں ۱۴۳۹ دیہات ہیں۔ (مجم)

۱۵۴۔ اسوان باسوان | صوبہ مصر کا بڑا شہر ہے اور مصر صعید کے آخر حصے میں ہے اور بلاد نوبہ (نوبیا) کا یہ پہلا شہر ہے، جو نیل کے شرقی کنارے واقع ہے۔

۱۵۵۔ جبل القمر (نیل کا منبع) | قدیم جغرافیہ نگاروں کی تحقیقات تھی کہ دریائے نیل کا منبع جبل القمر ہے چنانچہ

متاخرین بھی اب اسی کے قائل ہیں۔ جنوب خط استوا۔ میں مغرب کی طرف ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس کے مجموعے کا نام جبال القمر ہے۔ یہ سلسلہ مغرب سے شروع ہوتا ہے جس کا طول البلد ۱۱ درجہ اور عرض البلد ۱۱ ہے اور مجموعی مسافت ۲۰۰ فرسخ ہے۔ لیکن مزید تحقیقات ہنوز جاری ہے کیونکہ نیل ایسے مقامات سے گزرتا ہے، جہاں انتہائی تاریکی ہے اور کشتی کے ذریعے سے

بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بعض محققین یورپ جھیل و کٹوریہ نیانیر کونیل کا منبع قرار دیتے ہیں۔

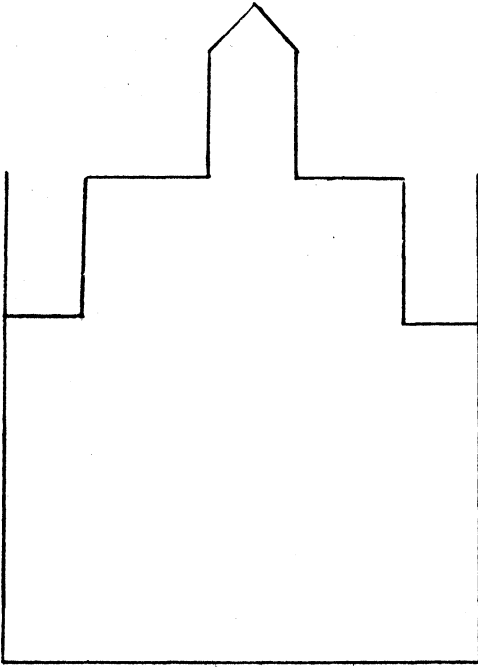
۱۵۶ اسکندریہ | ملک مصر کی مشہور و بارونق بندرگاہ ہے جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کی بنا اسکندر اعظم نے ۳۳۲ ق۔ م میں رکھی تھی۔

۱۵۷ امینار اسکندریہ آئینہ حراقہ | اسکندریہ کے عجایبات میں مینار اسکندریہ اور آئینہ حراقہ بھی ہیں، جن کا ناصر خسرو نے بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ مینار مختلف دھاتوں سے تعمیر ہوا ہے۔ بحر روم کی ایک چٹان پر اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، بنیاد میں کانچ اور شیشے کی بھرتی کی گئی تھی اور کل سنگ خارا کا تھا۔ مینار کا طول ۳۳۰ گز تھا۔ عہد قدیم میں اس مینار سے رصد کا کام لیا جاتا تھا، جس کی چوٹی پر ایک آئینہ نصب تھا۔ اور اس مقام سے آنے والے جہاز بہت دور سے نظر آتے تھے۔ جب دشمن کا جہاز آئینے کے مقابل آتا تھا تو اس میں آگ لگ جاتی تھی اس لیے عربوں نے اس کا نام آئینہ حراقہ رکھا ہے۔

یہ مینار قلعہ ماتھا جس کی تصویر یہ ہے۔ (تصویر صفحہ ۲۰۹ پر ملاحظہ ہو)۔

۱۵۸ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری | ابو علی المنصور ملقب بالحاکم بامر اللہ خلیفہ العزیز باللہ کا بیٹا تھا۔ ۳۸۶ھ میں اپنے باپ

کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس وقت ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر تھی۔ ۴۱۱ھ میں یکایک گم ہو گیا اور فحش کا بھی پتہ نہ چلا۔ ۲۵ سال حکومت کی الحاکم کی بہن نے اس کے نابالغ بیٹے ابو الحسن علی کو جانشین کیا اور الظاہر لاغز دین اللہ خطا قرار پایا۔ تیغ نجوم الزاہرہ میں الحاکم کے تفصیلی واقعات ہیں۔



مینار اسکندریہ

۱۵۹۷ء قیروان و سلجاسہ اور زمانہ دراز تک و ایان مغرب کا دار الخلافہ رہا
 ۱۶۰۱ء قیروان کا قول ہے کہ قیروان کا روان (قافلہ) کی تعریف ہی جنگل کے کنارے آباد
 ہے۔ امیر معاویہ کے عہد میں بسایا گیا تھا اور دوسرا مشہور تاریخی شہر اس
 علاقے کا سلجاسہ تھا۔ تاریخ مغرب میں یہ دونوں شہر خاص اہمیت رکھتے
 تھے (بمجم ۱۹۳)

۱۶۱۱ء المہدیہ و خلیفہ مہدی عیسیٰ اللہ مہدی بانی دولت فاطمیہ نے اپنے
 نام سے ملک مغرب میں مہدیہ آباد کیا تھا۔

جو مشہور بندر گاہ تھا شہر بحری میں، جہدی نے قیروان کے بعد اس نئے شہر کو دار الخلافہ بنایا تھا جس کا فاصلہ قیروان سے دو مرحلہ تھا۔

یہ علاقہ بلگیریا اور قسطنطنیہ کے مابین واقع تھا جس کے باشندے سرخ رنگ تھے۔

۱۶۲۲ صقلاب

اسپین کے اخیر جنوبی کٹے کا نام عربوں نے اندلس رکھا تھا اس اسلامی حکومت کا بانی طارق بن زیاد اللشیری ہے

۱۶۳۳ اندلس

جس نے اسے فتح کیا اور ایک شاندار اسلامی سلطنت کے بنیاد رکھی جو آٹھ سو برس تک قائم رہی۔

۱۶۴۷ قدیم جزیرہ صقلیہ | دیکھو حاشیہ ۹۵

قلزم عربی میں اس دریا کو کہتے ہیں جو وسیع اور عمیق ہو بحر قلزم دراصل بحر ہند کی ایک شاخ ہے جس کو بحر احمر (ریڈی)

۱۶۵۱ بحر قلزم

بحر العرب اور خلیج عرب بھی کہتے ہیں۔ باشندگان ریف (کشت زار و چراگاہ) مصر نے اس شاخ کا نام بحر قلزم رکھا کیونکہ یہ دریا قدیم شہر قلزم کے مشرق میں تھا۔ جو مصر و شام کا بندر گاہ ہے۔ عبرانی نام اودوم (سرخ رنگ) ہے چنانچہ موجودہ نام بحر احمر بھی اسی مناسبت سے ہے قلزم کا عرض شہر قلزم (موجودہ نہر سویز) سے بلاد یمن تک ۲۶۰ فرسنگ ہے۔

شہر قلزم اب فنا ہو گیا ہے۔ اس جگہ اب وہ آبادی ہے جس کا تعلق نہر سویز سے ہے۔ قاہرہ سے اس کا فاصلہ ۵۳۵ کلومیٹر

۱۶۶۱ شہر قلزم

تھا۔ ابن حوقل نے اپنی مخصوص انشا میں شہر قلزم کے حالات لکھے ہیں۔

شہر جار ساحل بحر قلزم پر آباد تھا۔ یہاں سے مدینہ طیبہ کا فاصلہ ایک شبانہ روز تھا۔

۱۶۶۶ شہر جار

۱۷۵ء اجنیرہ | مصر کا یہ دوسرا جزیرہ ہے، جو روضہ کے بعد مغربی کنارہ نیل فسطاط کے مقابل آباد ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ فاتح مصر عمرو بن العاص نے واپسی اسکندریہ پر حفاظت شہر کے لئے اس جزیرے میں فوجی چھاؤنی قائم کی تھی۔

۱۷۶ء خلیفہ المستنصر باللہ فاطمی | ابوتیم محمد المستنصر باللہ بن الظاہر لاعزیز دین اللہ ۱۶ جمادی الثانی ۳۲۲ھ میں

پیدا ہوا۔ اور ۴۲۴ھ میں خلیفہ ہوا۔ ناصر خسرو اسی عہد میں داخل مصر ہوا تھا۔ اور اس کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں جو کلیات ناصر خسرو میں موجود ہیں۔ ناصر ۳ سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اور داعی الکبیر کی سند لے کر مصر سے رخصت ہوا۔ اور صوبہ خراسان میں تبلیغ شروع کی جس کی وجہ سے علمائے خراسان اس کے دشمن ہو گئے۔ اسی زمانے میں حکومت صفیہ کلبتیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مستنصر کا عہد مصر کی ترقی کا آخری دور تھا۔ ۶۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۵ھ میں یہ خلیفہ فوت ہو گیا۔

۱۷۷ء مدینہ طیبہ | یعنی مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۷۸ء اسیوط | صعید مصر میں نیل کے مغربی حصے میں آباد ہے۔ بہ بڑا شہر ہے۔

۱۷۹ء قوص | یہ مصر صعید کا ایک آباد شہر تھا، فسطاط سے ۱۲ یوم کی مسافت

۱۸۰ء خیم | یہ بھی مصر صعید کا قدیم شہر ہے اور اسیوط سے ۲ مرحلے پر ہے جو نیل کے شرقی کنارے پر آباد ہے۔

۱۸۱ء عیذاب | ساحل بحر جزدہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جو قدیم زمانے سے بندر گاہ بھی تھا، عدن سے آتے ہوئے تجارتی جہاز اسی

جگہ لنگر انداز ہوتے تھے۔

۱۸۱۔ بجمہ یا بحبایہ | ناصر خسرو نے سفرنامے میں بجمہ یا بحبایہ کو ماجباہاں لکھا ہے، جو عجمی لہجہ ہے اور عرب بجمہ کہتے ہیں۔ یہ صحرائی آبادی حبش اور نوبہ کے درمیان تھی جس کو سوڈان کا ایک حصہ سمجھنا چاہئے۔

۱۸۲۔ ماہی قرش | قرش بحر قلزم کی ایک مچھلی ہے، اس سے بڑی دوسری مچھلی نہیں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قریش کا مادہ اشتقاق قرش ہے۔ یعنی یہ وہ قبیلہ ہے جو اقوام عرب میں سب سے زبردست اور ممتاز ہے۔

بحر عذاب میں بھی قرش مچھلی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا تیل اس زمانے میں بکثرت نکالا جاتا اور بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔ جدید تحقیقات ہے کہ یہ مچھلی دراصل ”ویل“ ہے جس کو عرب قرش کہتے تھے۔

۱۸۳۔ اجدہ | عرب کی زمین اور دیار حجاز میں ساحل بحرین پر آباد ہے۔ زمانہ قدیم سے مشہور بندر گاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظمہ ۶۵ میل ۱۶ دن کی مسافت پر ہے۔ اب موٹرین جاری ہیں جو چند گھنٹوں میں حاجیوں کو مکہ معظمہ پہنچا دیتی ہیں۔

۱۸۴۔ مکہ معظمہ | مکہ معظمہ صوبہ حجاز کا دارالخلافت، تعریف و تعارف سے مستغنی ہے۔ (زاد اللہ شرفہا)

۱۸۵۔ کوہ البقیس | مکہ کی پہاڑیوں میں مشہور پہاڑی ہے۔

۱۸۶۔ کوہ صفا | مکہ معظمہ کا مشہور پہاڑ ہے، جو حرم کے باب الصفات جنوب کی طرف واقع ہے اور اسی قرب و اتصال کے سبب سے جب صفا پر کھڑے ہوں تو حجر اسود سامنے ہوتا ہے اور مشرق الحرام صفا درودہ کے مابین ہے۔

۱۸۷ء کوہ مروہ | صفا کے بعد یہ دوسری مشہور پہاڑی مکہ معظمہ کے جانب مغرب ہی اور صفا سے مروہ تک ایک وسیع ٹرک جاری ہے جو بازار کے اندر ہو کر گئی ہے حجاج انہیں پہاڑیوں کے اندر سعی رہ مرتبہ دوڑنا کرتے ہیں۔

۱۸۸ء عرب میں | مدینہ و مکہ معظمہ کے حالات کے بعد، زمین عرب کے عنوان سے ناصر خسرو نے حجاز و یمن کا مختصر جغرافیہ لکھا ہے ان کی موجودہ حدود اب تک قریب قریب وہی ہیں جو اس وقت تھیں۔

۱۸۹ء صعده | خالیف یمن سے ایک مشہور مختلف صعده بھی ہے جس کا فاصلہ صفا سے ۶۰ فرسنگ ہے۔ تجارتی منڈی ہے خاص کر ادیم (دباغت کیا ہوا چمڑا) بجزرت فروخت ہوتا ہے۔ شہر صفا سے چھوٹا ہے اور پہاڑی کے اندر آباد ہے اس کا بندرگانہ لافقہ ہے (جم ۳۵۷ و مقدسی)۔

۱۹۰ء زبید | خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں یہ خوب صورت شہر آباد ہوا۔ یمن کے مشہور شہروں میں ہنوز آباد ہے۔ باب المندب کے مقابل میں ہے علی بستی ہے سلاطین یمن کا مستقرہ چکا ہے۔

۱۹۱ء اصنعاء و قصر عمدان | وسط یمن میں آباد اور قدیم تمدن کی یادگار ہے بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر عرب کے شمالی و مغربی حصے میں ہے۔ اس کا قدیم نام اوزال ہے جو برسوں یمن کا دار الحکومت رہا ہے۔ اور آج بھی صفا یمن کا صدر ہے۔

۱۹۲ء نجد | وسط عرب میں یہ سرسبز اور بلند قطعہ ہے اور اسی مناسبت سے اس کو نجد کہتے ہیں۔ تین جانب عظیم الشان صحرا (صحرائی شام، حجاز و دہنا) ہیں صرف جنوب میں آباد صوبہ یاممہ ہے اور نجد کے نام

سے اور بھی چھوٹے چھوٹے قطععات آباد ہیں۔

بخران | احقاف اور عمیر کے مابین ایک آبادی تھی جہاں بحیلہ بن نزار
اسماعیلی کا قبیلہ آباد تھا اور اسلام سے کچھ زمانہ قبل بخران میں

عیسائیت پھیل گئی تھی چنانچہ ۹۳ھ میں عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم کے حضور
میں آیا تھا۔ ناصر خسرو نے مشرقی یمن میں بخران کے بعد عشر اور ہمیشہ کا بھی نام
لیا ہے۔ یہ دونوں نالیوں جہاں گانہ شیوخ کے ماتحت تھے جو سلطان لکھے جاتے
تھے عشر صنعا اور صعده کا بندر گاہ تھا پانی دور سے آتا تھا ہمیشہ وہی بیش ہے۔

۹۳۱ مسجد الحرام | مکہ معظمہ کے وسط میں مسجد الحرام ہے جس کے وسط صحن
میں خانہ کعبہ اور اطراف میں عمارتیں ہیں۔ مسجد کا کل

رقبہ متعلقات ایک تہائی شہر کے برابر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
نے اپنے دور خلافت (۱۳ھ) میں تعمیر کی جن کی توسیع عہد عثمانی میں ہوئی
اور والان بنائے گئے۔ اور حضرت عبید اللہ بن زبیر نے آرائش کی۔ اس کے
بعد عبد الملک بن مردان اموی اور خلیفہ مہدی منصور عباسی نے نہ صرف
عمارت کو بڑھایا بلکہ غیر معمولی تکلفات کئے۔

ناصر خسرو نے اپنے زمانے میں جس حالت میں مسجد کو دیکھا تھا۔ اس کی،
تفصیل سفر نامے میں موجود ہے۔ حرم کے دروازوں میں ناموں کا بہت
فرق ہو گیا ہے جن کی صراحت ترجمہ سفر نامہ میں کر دی گئی ہے۔ طول مسجد ۳۵۳ گز
اور عرض ۳۱۵ گز ہے اور رقبہ طواف ۷۰۰ گز ہے۔

۹۳۲ خلیفہ العزیز باللہ | المعز لدین اللہ کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور
نزار ملقب بہ العزیز باللہ ۳۶۵ھ میں

خلیفہ ہوا تھا ۱۴ محرم ۳۶۴ھ میں اس کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے

عہد میں بھی جو ہر صفتی سپہ سالار تھا۔ اس کے زمانے میں کوئی اہم تاریخی واقعہ نہیں ہوا۔ ۱۹۹۴ء میں بعارضہ قونج بلین میں فوت ہو گیا۔ ۲۱ سال تک خلافت کی۔ (المصالحہ الحدیث)

دراصل یہ ایک چشمے کا نام ہے جو طالیف اور مکہ معظمہ کے درمیان عراق کی سڑک پر ہے۔ جنین سے واپسی کے وقت نبی کریم صلعم نے جعرانہ میں قیام فرمایا تھا۔ اور مال غنیمت تقسیم کیا تھا اور اسی مقام سے احرام باندھا تھا اہل مکہ بھی جعرانہ سے عمرہ کی نیت کرتے ہیں۔ (ہجرت ۱۰۹ و مقدسی)

مکہ معظمہ سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر تقریباً دس میل مربع کا ایک وسیع میدان ہے، جو مقام حج و جبل احرار عرفات کی مشہور پہاڑی ہے۔ اس پر عرفے کے دن بعد نماز ظہر خطیب اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ پڑھتا ہے۔ دوسری جانب مسجد منبرہ ہے جس میں ۹ رذی الحجہ کو منیٰ سے واپس ہوتے ہی نماز ظہرین (ظہر و عصر) ادا کرتے ہیں۔

۱۹۷۷ء مزدلفہ یا معشر الحرام | ۹ رذی الحجہ کو حجاج میدان عرفات سے روانہ ہو کر مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھتے ہیں۔ اور تمام رات مزدلفہ میں ٹھہر کر عشاء اور فجر کی نماز پڑھ کر علی الصبح منیٰ میں آ جاتے ہیں۔

۱۹۸۰ء منیٰ | مکہ معظمہ سے پانچ میل پر عرفات کے راستے میں ایک میدان ہے۔ جس کا نام منیٰ ہے اس کا طول و عرض ۲ میل ہے۔ کچھ عمارتیں بھی ہیں جو کہ ایسے پر حجاج کو دی جاتی ہیں عہد قدیم کے مختلف سلاطین نے اپنے ملک کے حاجیوں کے لیے بھی مکانات بنائے تھے

منیٰ میں ۸، رذی الحجہ کی شب کو حاجی قیام کر کے ۹، رذی الحجہ کی صبح کو عزت چلے جاتے ہیں اور یہاں سے مزدلفہ پہنچ کر تمام رات قیام کرنے کے بعد، رذی الحجہ کی صبح کو پھر منیٰ میں داخل ہو جاتے ہیں اور تیس یوم تک قیام کرتے ہیں۔ اور اسی جگہ قربانی ہوتی ہے۔ جس کی ابتدا دس تاریخ سے ہوتی ہے (الحج، ابن جوزی، طحاوی باب الحج)

یہ ایک مشہور وسیع مسجد ہے جو وسط منیٰ میں ہے اور

۱۹۹ مسجد خیف | ملک الاشرف قابتیائی کی یادگار ہے۔ نبی کناہ کا شہر قبیلہ خیف تھا، جس کے نام سے یہ مسجد موسوم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں بھی قیام فرمایا تھا۔ (مجم ۴۹۹)

جہاز میں طایف کو یا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔

۲۰۰ طایف مع ملحقات | امرائے مکہ معظمہ گرمی کے موسم میں طایف چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کا مسوری و شلمہ ہے بے انتہا شاداب مقام ہے۔ جبل غزوان پر برت جم جاتی ہے۔

ناصر نے فلج لکھا ہے۔ صحیح نام فلج ہے۔ مکہ یا طایف سے جب بصرہ روانہ ہوں تو فلج راستے میں پڑتا ہے۔ یہ ہندب عربوں کی آبادی تھی۔ ناصر کے

صوبہ عروض (مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواطل خلیج فارس تک) میں یتامہ، بحرین، اور عمان میں بڑے تعلقات ہیں

۲۰۱ یتامہ | یتامہ کا ترجمہ گھریلو فاخستہ یا قمری ہے اور یتامہ کا قدیم نام جو تھا۔ بعد میں یتامہ بنت سہم بن طسم کے نام سے یہ آبادی مشہور ہوئی۔ یتامہ سے بحرین تک دس یوم کی مسافت ہے۔

۲۰۳۲ **لحسا یا الاحسا** | الاحسا، اُس چٹنے کو کہتے ہیں جو ریت کو ہٹا کر نکالا جائے یہ علاقہ بحرین کا ایک حصہ ہے۔ اس کو ابو

طاہر الحسن بن ابی سعید جنابی قرمطی نے آباد کیا تھا۔ اور چونکہ فارس سے لحسا قریب تھا۔ لہذا قرامطہ نے اس کو صدر بنایا تھا۔ ساحل لحسا سے بحرین کے جزائر ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہیں، مقدسی کے زمانے میں بھی آل سعید کی حکومت تھی

۲۰۳۳ **ابو سعید جنابی قرمطی** | ابو سعید بن بہرام ملقب بہ حسن قرمطہ کا ایک داعی تھا۔ یہ ایک معمولی آرد

(آٹا) فروش تھا۔ داعی الکبیر نے اس کو پہلے جنابہ میں تعینات کیا تھا۔ بحر فارس کے کنارے جنابہ ایک مشہور قصبہ تھا، یہاں سے سیراۓ ۵ فرسنگ کے فاصلے پر ہے، جنابہ، حسن کا صدر مقام تھا

علاقہ فارس کا داعی الکبیر شیخ حمدان قرمطی تھا، جب اس علاقے میں کامل تبلیغ ہو چکی تو حسن، بحرین میں مقرر کیا گیا، اس نے حکمت عملی سے شہر بھر قبضہ کیا۔ لیکن جب اس کا راز فاش ہو گیا تو یہ الاحسا (لحسا) میں اپنے محل کے اندر مع ایک جماعت قرامطہ کے قتل کر دیا گیا۔ اس نے الاحسا میں ایک قلعہ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس کا بیٹا ابوطاہر جانشین ہوا۔ اس نے بصرے اور کوفہ پر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں پر حج کا راستہ بند کر دیا اور بقدر امکان بنو ہاشم اور آل ابوطالب کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور مسلسل حجاج کو قتل کرتا رہا۔ اور عین حج کے موقع پر حجر اسود کو اپنی جگہ سے نکال کر قطیف لے گیا، اور ۲۱ سال تک حجر اسود کو ڈپس نہیں کیا، بعد میں مسلمانوں سے کثیر تاوان لیکر واپس کیا۔ جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر قائم ہے۔ (مجموعت)

۲۰۳۵ **عمان** | ایک اسلامی تعلقہ ہے۔ جو ساحل بحرین اور ہند پر واقع ہے اور بحر

کے مشرق میں ہے جس میں متعدد شہر و قصبات ہیں۔ اور عمان ارض بلقاء (رشام) کا دوسرا شہر ہے (بخم ۲۱۵)

۲۰۶ فارس بحر فارس | فارس دولت ایران کا قدیم صوبہ ہے۔ صحیح لفظ پارس ہے۔ عربوں نے تعریب کی ہے۔ بہت وسیع

صوبہ ہے۔ عراق، کرمان، ساحل بحر ہند اور مکران سے محدود ہے

۲۰۷ بصرہ | عراق کا یہ اسلامی شہر ہے، عہد فاروقی میں آباد ہوا۔ سرحدی شہروں میں یہ سب سے بڑا ہے۔ دجلے سے ۴ فرسنگ پر ہے اور تمدن

شہر ہے، علوم دینیہ کامرکوز رہا ہے۔ اور آج بھی بغداد کے بعد قابل سیر ہے۔

۲۰۸ شط العرب | شط کا ترجمہ جانب نہر ہے، عراق کے نشیبی حصے میں بمقام قورنہ (کورنہ) جب فرات اور دجلہ کا سنگم ہوتا ہے تو اس

کا نام شط العرب ہوتا ہے۔ یہاں پانی کا بہت زور ہوتا ہے جس میں بڑی کشتیاں (ایٹیم) چلتی ہیں۔ ۱۲۰ میل پہرے شط العرب نخل فارس میں گرتا ہے،

۲۰۹ نہر معقل | ابکہ کے بعد دوسری بڑی نہر معقل ہے۔ یہ بھی بصرہ سے نکلتی ہے۔ جس کو عہد فاروقی میں حضرت معقل بن یسار مزنی صواب

رسول اللہ صلعم نے نکالا تھا۔ اس نہر کی یہ صفت ہے کہ حالت جزیر میں اس کا پانی شیریں ہوتا ہے۔

۲۱۰ نہر ابلہ | بیصرے کی مشہور بڑی نہر ہے، جو چار فرسنگ طویل ہے۔

۲۱۱ آہواز | آہواز۔ ایرانی دور میں خوزستان کہلاتا تھا، خوز کی جمع آخواز تھی جس کو عربوں نے آہواز بنا لیا ہے، اور صونہ آہواز ساسانی دور

سے پہلے ہرمز شہر کے نام سے موسوم تھا۔ آہواز میں ایک بڑا بازار تھا، جس کو عرب سوق آہواز کہتے تھے اور حقیقت میں یہ ایک چھوٹا شہر تھا۔ آہواز کا علاقہ مابین فارس اور

بصرہ آباد ہے۔

۲۱۱ شہر ابلہ | مضافات بصرہ میں دو چھوٹے شہر ہیں ایک کا نام ابلہ ہے۔ اور دوسرے کا شق عثمان ابلہ کنارہ جبلہ اور زاویہ خلیج بصرہ پر آباد ہے اور جو نہر گھومتی ہوئی یہاں تک آئی ہے۔ اس کا نام نہر ابلہ ہے۔

دوسرا شہر، شق عثمان، ابلہ کے مقابل جنوب کی طرف آباد تھا اور ابلہ سے چھوٹا تھا۔

۲۱۲ جزیرہ عبادان | عبادان متعلق بصرہ ایک جزیرہ ہے، جو اپنے بانی عبادان کے نام سے مابین جبلہ و خوزستان آباد ہے۔ اور بصرے کے مشہور حصے ہیں واقع ہے۔ بصرہ جانے والے عبادان کے رباط میں پھیر کرتے تھے۔ عبادان میں ایک قلعہ بھی تھا۔

۲۱۳ حساب یا فانوس البحر | خشتاب کو بعض جغرافیوں میں خشتات او خشتاب بھی لکھا ہے۔ ناصر خسرو نے اس کی پوری تفصیل کی ہے۔ عبادان سے حساب کا فاصلہ چھ میل تھا مد کی حالت میں کوئی کشتی حساب سے نہیں نکل سکتی ہے۔ فرات کے بعد حساب آتا تھا۔ عربوں نے روشنی کے لحاظ سے حساب کو فانوس البحر (لائٹ ہاؤس) کا خطاب دیا تھا (ص ۱۶۱)۔

۲۱۴ مہر و بان توہ | بصرے کے فانوس البحر (حساب) سے گزرنے کے بعد ناصر خسرو شہر مہر و بان میں داخل ہوا تھا، یہ شہر دریائے فارس کے کنارے، مابین عبادان و سیرف واقع تھا۔ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، بعد میں تنزل ہوا اور اب موجود نہیں ہے۔

گازرون | ناصر خسرو مہر و بان سے چل کر براہ توہ (ایک قصبہ) و گازرون شہر ارغان میں داخل ہوا تھا۔ ناصر نے گازرون کے حالات نہیں لکھے ہیں،

جو صوبہ فارس کا مشہور شہر ہے اور کچھ دن دیشیراز کے مابین خوب آباد ہے

۲۱۵ ارغان | عرب اس شہر کو ارغان کہتے ہیں۔ دریا کے قریب آباد ہے جو جانب خوزستان فارس کی اخیر سرحد میں ہے۔

۲۱۶ لور وغان لہجان | عرب لور وغان کہتے ہیں، یہ فارس کا پہلا شہر تھا۔ سرحدی شہر تھا جو ناحیہ ابوازی میں داخل ہے۔

یہاں سے ناصر خسرو، خان لہجان میں داخل ہوا تھا۔ فارس میں یہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ یہاں سے صفہان دو یوم کی مسافت پر ہے اس میں باطنیہ کا ایک قلعہ بھی تھا جس کو سلطان محمد نے ۵۵۰ھ میں برباد کر دیا۔ اب یہ دونوں مقام موجودہ نقشوں میں نہیں ملتے۔

۲۱۷ صفہان | فارس (عراق عجم) کا مشہور، آباد اور خوبصورت شہر صفہان ہے۔ جو زندہ رود کے جانب شمال آباد ہے اور یہ ایک مرکب نام ہے (اسپ۔ ہان) جس کا عربی میں بلد الفرس ترجمہ ہے۔ اسکو صفہان (عربی لہجہ) سپاہان اور سپاہان بھی کہتے ہیں۔

۲۱۸ ٹائین | صفہان سے ۴۵ فرسنگ ہے۔ اور داخل بلاد فارس ہے قدیم شہر تون کے متصل ایک معمولی قصبہ ہے۔

۲۱۹ طیس و خبیص | یہ شہر دو حصوں پر تقسیم تھا، اس لئے یہ صیفیہ تثنیہ طیسان و طیین مشہور ہے۔

۲۲۰ خبیص | صوبہ کرمان کا ایک چھوٹا شہر تھا اور جنگل کے کنارے آباد تھا۔

۲۲۱ تون | قدیم شہر ہے جو قائن سے قریب ہے، کسی زمانے میں بہت آباد تھا۔ اس کا دوسرا نام شہر عمید بھی ہے۔

۲۲۱۔ کاریز کنابد | فارس میں یہ سب سے بڑی کاریز ہے جو ۱۲ میل تک چلی گئی ہے کہتے ہیں کہ دروازہ فراسیاب کی جنگ اسی جگہ ہوئی تھی، جس کا نام تاریخ ایران میں ”دوازده سَخ“ ہے۔ توں سے نکل کر کنا بد پہلی منزل ہے، کنابد کا دوسرا نام خیا بد بھی ہے۔

۲۲۲۔ قاین | ایک قدیم اور ممتاز شہر ہے جو خراسان کو کرمان سے علیحدہ کرتا ہے اور دور تک چلا گیا ہے نیشاپور اور صفحمان کے مابین واقع ہے

۲۲۳۔ زوزن | نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک پرگنہ ہے، علمی حیثیت سے زوزن کو بصرہ صغریٰ کا خطاب دیا گیا ہے زوزنی شاج سبہ معلقہ مشہور ہے۔ اس شہر میں ابو حنیفہ عبداللہ حسن بن احمد ایک بزرگ تھے، جنہوں نے تمام عمر میں ۱۰۰ مصحف لکھے تھے۔ اور ہر مصحف کا ہدیہ ۵۰ دینار (۲۵۰ روپیہ) تھا۔ زوزن نیشاپور کے ماتحت ہے (معجم ۷۱۶)۔

۲۲۴۔ دست گرد و پل جموکیان | دست گرد کے نام سے کئی مقام ہیں علاوہ تلخ میں جو دست گرد ہے وہ پل جموکیان کے نام سے مشہور ہے (معجم ۵۵ دست جرد)۔

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار
ہر مہینے کی پہلی اور سولہویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے،
چند سالانہ ایک روپیہ، فی پرچہ پانچ پیسے

اردو

انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص
امتیاز رکھتے ہیں۔ اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں، ان پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت
ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے قیمت سالانہ معمول ٹوکانے وغیرہ ملاکرات پر
سکہ انگریزی (آٹھ روپے) سکھ عثمانیہ، نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو روپے) سکھ عثمانیہ

رسالہ سائنس

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے،
اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے
دنیا میں سائنس کے شعبوں جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا کیمیا یا ایجادیں ہوتی
ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور
سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے اردو زبان کی ترقی اور اس وطن
کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع
ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپے سکھ انگریزی (دو روپے) سکھ عثمانیہ
خط و کتابت کا پتہ: معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اردو دہندہ نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب ہماری قومی زبان ہے جو اردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اردو دہندہ کے صدر جناب ڈاکٹر مسیح بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸/-

ہمارا رسم الخط

از جناب عبدالقدوس صاحب ہاشمی
 رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔
 گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

مینجر انجمن ترقی اردو دہندہ، ۱۷ دریا گنج، دہلی

